جملہ حقوق محفوظ

ایامِ غدر (جنگ آزادی)

یعنی

مسٹر جوتیستا تھامس انگلیسی کی دردناک سرگزشت

جس کو

مو[illegible] مرحوم فاضل و منشی فاضل

مصنف آئینۂ اسلام و جمال بسمل وغیرہ نے

فارسی زبان سے ترجمہ کیا

۱۹۲۳ء

دار الاشاعت پنجاب لاہور

قیمت ۸/

بار اول ۱۰۰۰

done
100 yrs old

391

۳-٦

سرگذشت

مسز ہورست

خانم انگلیسی در بلوائے ہندوستان

دار الاشاعت پنجاب۔ لاہور

پنجابی پریس لاہور میں باہتمام لالہ دیوان چند پروپرائیٹر چھپی

عرضِ مترجم

عاصی کے قلم میں یہ طاقت کہاں۔ کہ ایک مصیبت کی ماری۔ فلک کی ستائی خاتون کے جذبات غم انگیز کی تصویر ان موثر الفاظ میں کھینچے جس کو اس کے درد بھرے دل نے اپنی زبان و قلم سے ادا کیا ہے + اصل اور نقل میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ جو اس بے کس پر بیتی تھی۔ میں اس کی بیتی اپنے الفاظ میں سناتا ہوں۔ لہٰذا جس قدر اثر کم ہو۔ وہ ایک حد تک درست ہے + یہ سرگذشت انگریزی سے فارسی جدید میں ترجمہ ہو کر مجھ تک پہنچی۔ کچھ ترجمے کی ضرورتوں کے اقتضا سے وہاں تصرف ہوا ہوگا۔ اور کچھ تبدیل زبان کے لحاظ سے میرے قلم نے روا رکھا + سرگذشت وہی ہے۔ الفاظ کہیں سے کہیں پہنچ گئے +

اپنے ہم وطنوں کی دلچسپی بڑھانے کے خیال سے میں نے اس سرگذشت کو ہندوستانی رنگ میں رنگا ہے۔ یعنی ایک فرانسیسی لیڈی کے منہ میں ایک مہذب ہندوستانی بیگم کی زبان دیدی ہے۔ جو اپنے ملکی محاورات میں داستان بیان کرتی چلی جاتی ہے۔ اگر ایسا نہ کرتا۔ تو رہا سہا اثر بھی رخصت ہو جاتا برادران وطن۔ اور صاحبان قلم مجھے معذور سمجھ کر معاف فرمائیں گے +

احقر العباد

سید ظفر حسن۔ عاصی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مصیبت کی ابتدا

دوستو میں کشتۂ نیرنگئ تقدیر ہوں۔
انقلاب دہر کی حسرت زدہ تصویر ہوں +

۱۸۵۷ء کے آغاز تک خدا کے فضل و کرم سے ہم ہر حیثیت سے آسودہ و خوش حال تھے + مال کی کمی کی تو مجھے کسی وقت بھی شکایت نہ تھی۔ البتہ سولہ سال تک بیٹا نہ ہونے کے غم نے گھلا دیا تھا۔ لیکن اس معبود حقیقی کے قربان جائیے۔ کہ اس نے مجھے اس نعمت سے بھی محروم نہ رکھا۔ اور ایسے وقت میں لڑکا دیا۔ جبکہ کچھ روز بعد ہی میں اپنی دختر ایلین کی شادی سے فارغ ہونے کے بعد بالکل تنہا رہ جانے کو تھی +

اس زمانے میں میرے شوہر کا مصمم ارادہ انگلستان جانے کا تھا۔ صرف اتنی دیر تھی۔ کہ ہندوستان میں جو ہماری نیل کی کاشت تھی۔ وہ یا تو فروخت ہو جاتی۔ یا کوئی اس کا ٹھیکہ لے لیتا۔ اس کی بابت بہت دنوں سے کلکتہ۔ مدراس اور بمبئی کے دلالوں سے خط و کتابت ہو رہی تھی۔ مگر معاملہ طے نہ ہوتا تھا۔ آخر میں جو خطوط ان لوگوں کے میرے شوہر کے پاس آئے۔ ان سے ظاہر ہوا۔ کہ چونکہ ہندوستان میں عنقریب کوئی فتنہ و فساد ہوا چاہتا ہے۔ اس لئے وہ فی الحال اس معاملے کے طے کرنے سے قاصر ہیں + بعض خطوط میں لکھا تھا۔ کہ ہندوستانی فوجیں بنگالہ اور نیز ہندوستان کے تمام اطراف میں عنقریب شورش برپا کرنے والی ہیں۔ اور ان

کی سرکشی اور بغاوت کا اصل سبب یہ ہے :-

گورنمنٹ نے فوجی استعمال کے لئے جو کارتوس بھیجے ہیں۔ وہ کسی قدر چربی آلود ہیں۔ اس سے ہندو اور مسلمانوں کو یہ خیال پیدا ہوا ہے۔ کہ یہ چربی سُور یا گائے کی ہے۔ جس کے مذہبی خیال سے وہ دونوں گروہ مخالف ہیں + ہندوؤں کے نزدیک گائے واجب الاحترام ہے۔ اور مسلمانوں کے نزدیک سُور نجس العین ہے + چونکہ ہندوستانی سپاہی ان کارتوسوں کے استعمال پر مجبور کئے جارہے ہیں۔ اس لئے ان کو بے حد ناگوار گزرتا ہے۔ اور ہر دل میں مذہبی جوش پیدا ہو گیا ہے +

ہندوؤں نے برہمنوں سے اور مسلمانوں نے علمائے دین سے اس کی نسبت فتوے طلب کیا۔ دونوں جانب سے اجتناب کا تاکیدی حکم ملا چنانچہ ہندوستان کی تمام قوموں میں یہ بات مشہور ہو گئی۔ کہ انگریز ہندو مسلمانوں کے مذاہب کی توہین کرنا چاہتے ہیں +

انہیں لوگوں کی تحریر سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ رامپور کی پیدل فوج نمبر ۱۹ نے انگریزوں کی مخالفت میں علم بغاوت اُٹھایا ہے۔ اور بنگال کے سپاہیوں نے بارک پور کے تار گھر کو آگ لگادی ہے + دہلی کے مضافات میں ہر رات کو باغیوں کی جماعت انگریزوں کے گھر آگر جلادیتی ہے۔ اور کھیتوں کو پامال کر کے محافظوں اور مالکوں کو قتل کر ڈالتی ہے +

بہت سے ہندوستانی لوگ فقیروں اور سادھوؤں کے بھیس میں بغاوت کا جوش پھیلانے کے لئے گاؤں گاؤں پھرتے ہیں۔ ان کے پاس کچھ کلچے (چھوٹی روٹی) ہیں۔ جن کو وہ آپس میں تقسیم کرتے ہیں۔ گویا یہ بغاوت و شورش کی ایک مفروضہ علامت ہے۔ اور اس سے غرض یہ ہے۔ کہ مخفی طور پر ایک سپاہی کے ہاتھ سے دوسرے تک اور دوسرے کے ہاتھ سے تیسرے تک پہنچ جائے۔ اور کسی کو پتہ نہ چلے۔ کہ دینے والا کون ہے۔ اور کس وسیلے پہنچتی ہے + جب یہ کلچہ دست بدست ایک سپاہی سے دوسرے کو ملتا ہے۔ تو اس پر نظر کرنے سے ہر سپاہی کا چہرہ متغیر ہو جاتا ہے۔ اور غیظ و غضب کے آثار بشرے سے ہویدا ہونے لگتے ہیں۔ اگرچہ وہ زبان سے کچھ نہیں کہتے۔ لیکن دل ہی دل میں انگریزوں

پر پیچ وتاب کھاتے ہیں۔ اب تک ہم کو یہ پتہ نہیں چلا۔ کہ یہ کلچے کس قسم کے تھے۔ اور ان کے متعلق کیا بات قرار دی گئی تھی +

غرض کہ اس قسم کی وحشت خیز خبریں ہم کو رات دن پہنچتی رہتی تھیں۔ اور میں خدا سے دعا کرتی تھی۔ کہ ہم جلد سے جلد ہندوستان سے روانہ ہو جائیں + اکثر ہماری باہمی صحبت میں بھی اس شورش وفساد کا تذکرہ آتا تھا۔ مگر انگریزی سلطنت کے استحکام اور ہندوستانیوں کی پست ہمتی کا اعتقاد رکھتے ہوئے ہم دلالوں کی تحریروں کا مذاق اُڑاتے اور کہتے۔ کہ یہ محض لغو اور بے بنیاد باتیں ہیں۔ بلکہ دلالوں کی ایک چال ہے۔ کہ ہم مضطر و پریشان ہو کر اپنی زمینوں اور کاشت کو آدھی قیمت میں دے کر انگلستان بھاگ جائیں +

میری دختر ایلین ایک فوجی سردار مسمی بہ ولیم ہوڈ سے نامزد ہوئی تھی + ولیم اکثر ہماری صحبتوں میں شریک ہوتا۔ اور ہمارے اس خیال کی تصدیق کرتا۔ کہ دلالوں نے ضرور ہمیں چکمہ دیا ہے +

ہمارا مکان شہر سے کچھ فاصلے پر تھا۔ ولیم کا قاعدہ تھا۔ کہ ہر روز رات کو دہلی سے ہمارے ہاں آتا۔ اور اس فتنہ وفساد کی بابت ہر طرح سے ہمارا اطمینان کر جاتا جب اس کے سامنے کوئی ہندوستانی سپاہیوں کی بغاوت کا قصہ چھیڑتا۔ تو وہ ہندوستانیوں کی بزدلی کا خوب مذاق اُڑایا کرتا۔ ایک دن میں نے کہا:۔

میں۔ ولیم! تمہارے دل پر ہندوستانیوں کی شورش کا اثر مطلق نہیں ہے +

ولیم۔ ہاہا۔ ہندوستانی بچارے کیا سرکشی کریں گے؟

میں۔ آخر کیا سبب؟ تم انہیں اس قدر کیوں ذلیل سمجھتے ہو؟

ولیم۔ اماں جان آپ کیا جانیں۔ میں ان کی بہادری سے خوب واقف ہوں۔ خدا کی قسم ہمارے چار گورے ان کے چار رسالوں کے واسطے ایسے ہیں۔ جیسے بکریوں کے بڑے گلے کے لئے ایک چرواہا۔ اگر ذرا بھی ہمارے حکم سے منہ پھیریں۔ تو مار بندوقوں کے ہوش بھلا دیئے جائیں +

ولیم کی ان باتوں سے ہمارے دل کو بڑی ڈھارس ہو جاتی تھی + میرا دل اس کی تسلی آمیز باتوں میں بہت لگتا + جس رات کو وہ قلعہ پر متعین ہونے کی وجہ سے ہمارے

گھر نہ آتا۔ میں وحشت وخوف کی ماری سارے گھر میں دیوانوں کی طرح تنکے چنتی پھرتی۔ چونکہ میرے دل پر رات دن وہی چرخی چلتی تھی۔ وہی خیالات دل میں بسے رہتے تھے۔ اس لئے کبھی کبھی ایسا ہوتا۔ کہ قوت متخیلہ ایک بھیانک منظر مری آنکھوں کے سامنے کھینچ دیتی اور مجھے ایسا نظر آتا۔ کہ ہندوستانی فوجیں ہمارے قتل وغارت کے لئے سامنے سے چلی آتی ہیں۔ راتوں کو وہ وحشت خیز اور ہولناک خواب نظر آتے۔ کہ خدا کی پناہ۔ اور بیدار ہونے پر گھنٹوں میرا دل دھڑکتا رہتا + ایک روز مجبوراً میں نے اپنے شوہر سے کہا:۔

میں۔ کیوں جی! تمہیں کچھ ہمارے حال کی بھی خبر ہے +

شوہر۔ کیوں خیر ہے نصیب اعداجی کیسا ہے ؟

میں۔ سُن رہے ہو۔ کہ ہندوستان میں ایک عظیم الشان بغاوت ہونے والی ہے۔ اور جان بوجھ کر انجان بنے جاتے ہو +

شوہر۔ پھر آپ کو اس کا کیا غم وہی مثل ہے۔ قاضی جی۔ قاضی جی۔ تم کیوں دُبلے۔ کہا شہر کا اندیشہ +

میں۔ کیا خوب۔ جب مُلک بھر میں ایک قیامت نازل ہو گی۔ تو میں بچ جاؤں گی ؟ تمہاری جان کی قسم۔ میری تو نیند اس فکر میں اُڑ گئی ہے۔ ہر وقت یہی دھڑکا رہتا ہے۔ کہ دیکھئے اونٹ کس کل بیٹھے۔ خدا کے واسطے جس طرح بنے اپنی املاک بیچو۔ اور مجھے یہاں سے لے کر چل کھڑے ہو۔ جب میری جان کو سُکھ اور دل کو اطمینان ہی نہیں۔ تو میں اس دولت کو لے کر کیا چاٹوں گی ؟ نمعلوم تم کو کس بلا کی مامتا نے گھیرا ہے۔ کہ مال کی طمع میں کسی کی پریشانی کا خیال ہی نہیں۔ اب سے دور مجھے تو ایسا نظر آتا ہے۔ کہ انگریزوں کے اقبال کا ستارہ گردش میں آگیا ہے۔ اور اب ان کی حکومت کا قایم رہنا محال نہیں۔ تو دشوار ضرور ہے + میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ پاؤں پر سر رکھتی ہوں۔ آدھی چوتھائی جو قیمت بھی ملے۔ اُسی پر صبر کرو۔ یا ان سب چیزوں پر خاک ڈال کے یونہی چل کھڑے ہو۔ ہمارے پاس خدا کا دیا سب کچھ ہے + میرے اللہ کونسی گھڑی ہو گی۔ کہ میں جہاز میں بیٹھی انگلستان کو جا رہی ہوں گی +

شوہر۔ (قہقہہ لگا کر) واہ صاحب واہ۔ تم نے تو افیونیوں کو بھی مات کر دیا۔ ماشاء اللہ۔

آج کل تو آپ کی فکر رسا اور ذہن براق دور دور کے پتے لا رہا ہے۔ چہ خوش۔ آب ندیدہ و موزہ کشیدہ۔ بیر پیش از مرگ واویلا خوب رہا +

میں۔ تم تو ہر بات کا مذاق اُڑاتے ہو۔ اپنی عقل کے سامنے کسی کی چلنے ہی نہیں دیتے میں کہتی ہوں۔ خدا کے واسطے ذرا سمجھ سے کام لو۔ وہ انسان ہی کیا۔ جو اپنے انجام پر نظر نہ کرے۔ فرض کرو۔ اگر میرا گمان صحیح ہوا۔ اور شورش برپا ہو گئی۔ تو اس وقت کیا کرو گے موقع چوکنے پر اگر پچھتائے بھی۔ تو کیا فائدہ؟

شوہر۔ سنئے جناب۔ میں تو اس وقت تک ہندوستان ہرگز نہ چھوڑوں گا جب تک اپنی محنت کا پھل نہ کھالوں + کیا خوب آپ کے وہم وگمان پر ہزاروں کا مال کوڑیوں میں لٹادوں +

اس میں شک نہیں۔ کہ اس سال ہماری نیل کی پیداوار ایسی اچھی تھی۔ کہ تمام الہ آباد بلکہ حوالئی کلکتہ میں بھی یہ بات کسی کو حاصل نہ تھی۔ ہر سال ہمارے یہاں کم از کم پانسو من نیل ہوتا تھا جس کی معمولی قیمت پچیس تیس ہزار روپیہ تھی۔ لیکن اس سال کی پیداوار اس سے کہیں زائد تھی +

میرے شوہر اکثر کہا کرتے تھے۔ کہ اگر ہم تین سال اور ہندوستان میں رہ گئے تو لاکھوں روپے کی مقدرت ہو جائے گی + چونکہ ابھی لڑکی کی شادی بھی کرنی ہے۔ اس لئے ضرورت ہے۔ کہ ہندوستان میں اتنے دنوں اور قیام کریں۔ کہ تیس چالیس ہزار روپیہ اس کے جہیز کے لئے فراہم ہو جائے +

میں اپنے شوہر کو طرح طرح سے سمجھاتی تھی۔ کہ دیکھو۔ اس خیال کو چھوڑو۔ جو کچھ قسمت کا تھا حاصل ہو گیا۔ ایسا نہ ہو۔ زیادہ لالچ میں پچھلا جوڑا جنگوڑا بھی نکل جائے۔ اور جانیں خطرے میں پڑیں وہ علاوہ + ہندوستانی ضرور عنقریب کوئی فتنہ برپا کریں گے۔ اور ہمارے اطراف و جوانب میں سب ہندوستانی ہی ہندوستانی ہیں۔ جن کو ہمارے ساتھ کسی قسم کی ہمدردی نہیں + اگر خدانخواستہ معاملہ بگڑ گیا۔ تو سب سے پہلے یہ لوگ ہماری ہی خبر لیں گے + دیکھو ابھی کچھ نہیں گیا۔ کیوں اپنے ہاتھوں پیر میں کلہاڑی مارتے ہو +

اس قسم کی باتیں میں اکثر اوقات کیا کرتی۔ مگر وہ ایسے چکنا گھڑا بن گئے تھے۔ کہ اثر ہی نہ ہوتا تھا۔ اس کان سنتے۔ اور اس کان اُڑا دیتے +

باوجودیکہ ہم اطراف وجوانب کی رعایا کے ساتھ بہت خلق و مدارات سے پیش آتے تھے۔ ایک ایک روپیہ روز اجرت کا دیتے تھے۔ اور تمام کاشتکاروں سے زیادہ ان کے حقوق کا لحاظ رکھتے تھے۔ مگر اس پر بھی ان کی تیوری کا بل نہ نکلتا تھا۔ ان کی ہر ادا بتاتی تھی۔ کہ وہ ہمارے خون کے پیاسے ہیں +

اسی درمیان میں کلکتہ کا ایک دلال میرے شوہر کے پاس آیا۔ اور ایک بہت بڑی رقم ہماری کاشت کی بابت پیش کی۔ لیکن میرے شوہر کا دماغ فلک الافلاک پر تھا۔ انہوں نے منظور نہ کیا۔ اور دلال کو بے نیل مرام واپس جانا پڑا +

اب کہ میں بدنصیب طرح طرح کی سختیوں میں گرفتار اور بدبختی کا شکار ہوں۔ نہ شوہر ہے۔ نہ فرزند۔ نہ مونس ہے۔ نہ غمگسار۔ ہاتھ مال سے خالی۔ اور زمانہ برسر جفاکاری۔ اس قابل کہاں۔ کہ کوئی میری بات کان دھر کر سُنے۔ لیکن افسوس جب کسی قابل تھی۔ اس وقت بھی تیرہ روزی نے میری بات شوہر کے کان کو نہ لگنے دی + خدا کے بندے سے بہتیرا کہا۔ دیکھ موقع ہاتھ سے جاتا ہے۔ چلنا ہے۔ تو جلد انگلستان کو چل۔ مگر اس نے ایک نہ سُنی +

سادھو کی پیشینگوئی

چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں کرنا رفو۔
سوزن تدبیر ساری عمر گو سیتی رہے +

ٹھیک اسی روز جبکہ دلال ہماری کاشت کا معاملہ کرنے آیا تھا۔ میں اور میرا شوہر ایلن۔ ولیم اور ویل (میرا تین سال کا لڑکا) شام کے وقت دریائے جمنا کے کنارے اپنے کھیتوں کے قریب ٹہل رہے تھے۔ اور یہ ذکر کرتے جاتے تھے۔ کہ انگلستان کا ایک بڑا پادری چاہتا ہے۔ کہ ہندوستانیوں کو دین مسیحی میں داخل کرلے + جو لوگ خوشی سے اس کا دین قبول نہیں کرتے۔ ان سے سختی کے ساتھ پیش آتا ہے۔ اور عیسائیت

اختیار کرنے پر مجبور کرتا ہے + ہم چاروں میں ہر شخص اپنا اپنا خیال اس کی بابت ظاہر کر رہا تھا۔ میں نے چار آدمی اس لئے کہے۔ کہ میرا سہ سالہ بچہ اس گفتگو میں شامل نہ تھا۔ اس غریب کو اتنی سمجھ کہاں۔ کہ ان باتوں کو سمجھ سکے۔ وہ تو بمقتضائے عمر کھیل کود میں ہی مشغول تھا۔ کبھی دو چار قدم آگے دوڑ جاتا تھا۔ کبھی پھر آکر میرا ہاتھ پکڑ لیتا تھا۔ غرض کہ اسی صورت سے ہم اس مقام تک پہنچ گئے۔ جہاں ایک طرف جنگل کی وجہ سے اور دوسری سمت جمنا کے باعث راستہ تنگ ہو گیا تھا۔ اور ایک مقام پر خم کھا کر آگے کو جاتا تھا + موڑ کے قریب پہنچ کر ہم نے دیکھا۔ کہ ایک سادھو لنگوٹی باندھے راستے کے درمیان میں اس طرح پڑا ہوا ہے کہ آنے جانے والوں کی راہ بند ہے + ویل جو ہمارے آگے آگے دوڑتا جاتا تھا۔ وہ اس عجیب الہیئت مخلوق کو راہ میں پڑا ہوا دیکھ کر خوف سے چیخنے لگا۔ اور جلدی سے آکر مجھے لپٹ گیا + ولیم جو ایلن کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہم سے چند قدم آگے جا رہا تھا۔ ویل کی اس وحشت کو دیکھ کر گھبرایا۔ اور اس سادھو کے قریب جا کر نہایت سخت لہجہ میں بولا۔ "کھڑا ہو۔ راستہ چھوڑ"۔ سادھو نے ان الفاظ پر ذرا بھی توجہ نہ کی۔ اور جس طرح پڑا تھا پڑا رہا۔ ولیم کو اس کی بے اعتنائی سخت ناگوار ہوئی۔ مڑ کر ان چاروں گوروں کو جو اس کے ساتھ رہا کرتے تھے حکم دیا۔ کہ اس کتے کو زمین سے اٹھا کر دریا میں ڈال دو۔ وہاں کیا دیر تھی۔ افسر کا حکم سنتے ہی چاروں گورے سادھو پر ٹوٹ پڑے۔ اور ہاتھ پاؤں پکڑ کر اسے زمین سے اٹھا لیا۔ چاہتے تھے۔ کہ پانی میں پھینک دیں۔ کہ میں جلدی سے آگے بڑھی۔ اور ان کو روکا + سادھو پھر زمین پر مردہ کی طرح لیٹ گیا۔ میں نے ایک روپیہ جیب سے نکال کر ویل کے ہاتھ میں دیا۔ اور کہا۔ کہ بیٹا یہ اس فقیر کو دے دو۔ تاکہ وہ خوش ہو کر اپنے گھر چلا جائے + ویل مجھ سے روپیہ لے کر بلا کسی خوف و خطر کے سادھو کے پاس گیا۔ اور روپیہ اس کے منہ کے پاس رکھ کر چلا آیا + سادھو نے روپیہ اٹھا لیا۔ اور راستہ چھوڑ کر آہستہ آہستہ دریا کی طرف چلا گیا +

ایلن اور ولیم جب اس کی طرف سے گزرے۔ تو ایک غضب آلود نگاہ ان پر ڈال کر کہنے لگا +

"خدا بہت جلد ہندوستان کے راستوں کو تمہارے وجود سے پاک کرے گا"+

جب میرا شوہر ادھر سے گزرا۔ تو پھر اس نے کہا:۔

"عنقریب خدا پرستوں کا گروہ فاجر کفار پر غالب آ جائے گا"۔

جب میں اور ویل اس طرف سے گزرنے لگے۔ تو اس نے ویل سے مخاطب ہو کر کہا:۔

"بچہ تو نے صدقہ بہت دیر سے دیا۔ اس سے تیری بلا رد نہ ہوگی"۔

فقیر کے ان الفاظ نے میرے دل پر بہت اثر کیا۔ جب ہم لوگ مکان پر واپس آ گئے۔ تو میں نے داماد اور شوہر کے سامنے درویش کے الفاظ کو دُھرایا۔ ولیم چونکہ ایک بدعقیدہ نوجوان تھا۔ میری ان باتوں پر ہنسا۔ اور بہت سے قصے ہندوستانی فقیروں کی لغوگوئی اور ہرزہ سرائی کے بیان کرنے لگا میں بظاہر تو اس کی ہاں میں ہاں ملا کر مسکراتی تھی۔ مگر دل کا خدا ہی حافظ تھا۔ نمعلوم کیا وسوسے دل میں آ رہے تھے۔ ولیم نے میری پریشان حالی کو محسوس کر کے بہت چاہا۔ کہ اپنی خوش کن باتوں سے میرے خیال کو دور کرے۔ مگر میری پریشانیاں کسی طرح کم نہ ہوتی تھیں۔

اتفاق کی بات اسی روز میرے شوہر اپنے ایک دوست کے یہاں چھاونی میں دعوت کھانے کے لئے گئے۔ اور تقریباً دو بجے تک نہ لوٹے۔ اس کی تاخیر سے جس قدر مجھ کو وحشت ہوئی۔ میں ہی جانتی ہوں مثل مشہور ہے۔ "دیوانہ را ہوئے بس است" ایک تو سادھو کی باتوں سے ڈری ہوئی تھی۔ اب جو خلاف معمول یہ واقعہ پیش آیا۔ تو اور بھی رہے سہے حواس گم ہو گئے۔ کلیجہ خوف سے بلیوں اچھل رہا تھا۔ دیوانوں کی مانند سارے گھر میں تنکے چنتی پھرتی تھی۔ نیند کہاں اور آرام کیسا۔ سب اپنے اپنے بستروں پر پڑے آرام سے سوتے تھے۔ اور میں اس ڈراونی اور بھیانک رات میں کبھی گھر کے اندر تھی۔ اور کبھی صحن میں۔ ذرا کہیں پتا کھڑکتا۔ تو کلیجہ دھک سے ہو جاتا۔ کبھی شوہر کی آمد کا خیال۔ ذرا دل کو ڈھارس دیتا۔ کبھی باغیوں کی آمد کا خوف لرزا دیتا۔ اس رات کو میں نے کئی بار آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر خدا سے دعا مانگی۔ اور کہا:۔

"اے بیکسوں کی آس۔ اے ناچیز ہستیوں کے سہارے۔ تیرا دست قدرت سب سے بالاتر اور تیری طاقت سب سے فزوں تر ہے۔ تو بے ٹھکانوں کا ٹھکانا۔ تو بے یاروں کا مونس و یگانہ ہے۔ شہر ہو۔ یا صحرا۔

خشکی ہو یا تری - سفر ہو یا حضر - تو اپنے بندوں کا ہر مقام پر محافظ ہے - تو ہی اس غریب الوطنی میں دشمنوں کے شر سے ہم کو بچانے والا ہے" +

میری وحشت اس وجہ سے اور بھی زیادہ تھی - کہ لوگوں نے ہم سے بیان کیا تھا - کہ ہندوستانیوں کا ایک گروہ ایسا ہے - جو عقائد مذہبی کی رو سے کسی شخص کو ریشم کے پھندے سے پھانسی دینا گناہ نہیں سمجھتا - مجھے رہ رہ کر یہ خیال آتا تھا - کہ کہیں ایسا نہ ہو - وہ ستم پیشہ لوگ میرے شوہر کو راہ میں مل جائیں - اور رات میں تنہا پا کر اس کا گلا گھونٹ دیں + میرا مصمم ارادہ تھا - کہ اپنے چار خدمت گاروں کو مسلح کر کے اس کی تلاش میں بھیجوں - کہ یکایک گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز کان میں آئی - اولاً تو میں جھجکی - پھر دل مضبوط کر کے باہر آئی - دیکھا - کہ میرا شوہر دس ہندوستانی سپاہیوں کے ساتھ جن میں ایک رسالہ دار بھی ہے چلا آ رہا ہے +

شوہر گھوڑے سے اتر کر ہال میں آئے - میں بے تابانہ دوڑی - اور گلے میں بائیں ڈال کر گریہ گلوگیر کے ساتھ کہنے لگی +

میں - خیر تو ہے - آج اتنی رات گئے تک کہاں رہے - جوں جوں رات زیادہ گزرتی جاتی تھی - میرے اوسان خطا ہوئے جاتے تھے + بتاؤ تو اتنی دیر کیوں لگائی ؟

شوہر - (مسکرا کر) پریشان نہ ہو - کوئی فکر کی بات نہیں - دعوت میں اور بہت سے لوگ موجود تھے - ہنسی مذاق میں اتنی رات آ گئی +

میں - واہ بھلا - آپ کا ہنسی مذاق ہوا - یہاں جان پر بن گئی - یہ بھی تو خیال نہ آیا - کہ اس وحشت زدہ کی اکیلے گھر میں کیا حالت ہو گی +

شوہر - کیوں اکیلا گھر کا ہے کو تھا - لڑکی موجود - لڑکا موجود - پہرے والے موجود - نوکر چاکر موجود - میرے خیال میں تمہیں کچھ مالیخولیا ہو گیا ہے +

میں - مالیخولیا ہو گا میرے دشمنوں کو - تمہیں کب کسی کی حالت کا یقین آتا ہے +

ہماری اس گفتگو میں اس قدر تاخیر ہوئی - کہ جو سوار میرے شوہر کے ساتھ آئے تھے - زیادہ وقت گزرتا دیکھ کر بغیر کسی انعام کے واپس چلے گئے - ایک گھڑی بھر کے بعد جب میرے اوسان ٹھکانے ہوئے - اور گفتگو کا سلسلہ ختم ہوا - تو ان لوگوں کا دھیان

آیا + خانساماں کو بلاکر حکم دیا۔ کہ کچھ روپیہ ان سواروں کو بطور انعام دیا جائے۔ اس نے جواب دیا۔ کہ وہ تو چلے بھی گئے۔ لوٹتے وقت اپنے سردار سے کہتے جاتے تھے :۔

" دیکھا۔ ان انگریزوں کی حالت کو + یہ کسی وقت ہماری خدمات کے ممنون نہیں ہوتے۔ اس وقت صاحب کی بے اعتنائی اور کسی قسم کا احسان نہ کرنے نے ہمارے ان صدمات میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ جو ایک مدت دراز سے ہم کو ان لوگوں سے پہنچ رہے ہیں۔ خیر خدا اس کا بدلہ دینے والا ہے " +

مجھ کو یہ سن کر سخت افسوس ہوا۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا +

اگرچہ ہندوستان کے تمام اطراف سے بدامنی اور شورش کی خبریں آ رہی تھیں۔ لیکن دہلی اور نواح دہلی میں اب تک امن تھا + کھیتی باڑی کا تمام کام معمول کے موافق نہایت عمدہ طریقے سے ہو رہا تھا + دہلی۔ آگرہ۔ الہ آباد اور تمام ان شہروں میں جو ہندوستان کی کسی بڑی شاہراہ کے کنارے آباد تھے۔ شورش کا کوئی اثر نہ تھا۔ البتہ ان ہندوؤں یا مسلمانوں کے چہروں سے جو ہمارے رنج کے ملازم یا کاشت کے خدمت گزار تھے۔ ناخوشی کے آثار اور تمردی و سرکشی کے خیالات ظاہر ہوتے تھے۔ یہ لوگ ہم انگریزوں کے تسلط سے ایسے دل تنگ اور انگریزی حکومت سے اس قدر نالاں تھے۔ کہ مار سیاہ کی طرح بل کھاتے تھے + ان کی کوئی بات طنز سے خالی نہ ہوتی تھی +

ہندوستانی سپاہیوں کو جب شام کے وقت خانگی کام کاج کے لئے چھٹی ملتی۔ تو وہ شہر سے باہر نکل کر جنگل میں گھومتے اور انگریزوں کے گھروں گھروں اور کھیتوں کا تجسس کرتے اسی عرصے میں ہم کو خبر ملی۔ کہ لکھنؤ میں غدر ہو گیا۔ اور اودھ کے باغیوں نے بغیر کسی خوف و ہراس کے انگریزوں کو پھانسی دینا اور قتل کرنا شروع کر دیا ہے + وہ ستم پیشہ گروہ انگریزوں کے بچوں کو چرا کر لے جاتا ہے۔ اور مختلف قسم کے صدمات پہنچا کر تلف کر دیتا ہے اطراف جے پور میں بغاوت پیشہ لوگ کئی شریف النسل بچوں کو اٹھا کر لے بھاگے۔ اور انہیں اپنی مورتیوں کے بھینٹ چڑھا دیا +

یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ مسلمان اپنی مسجدوں میں اور ہندو اپنے مندروں میں یہ دعا کرتے ہیں۔ کہ ہندوستان میں سلاطین گورگانیہ کی اولاد میں سے کسی کا راج ہو + ہندوستان

کے تمام ہندو مسلمانوں کا یہ عقیدہ تھا۔ کہ انگریزی حکومت ہندوستان میں سو سال سے زیادہ نہ رہے گی۔ پس چونکہ ابتدا اس کی ۱۷۵۷ء میں ہوئی تھی۔ اب ۱۸۵۷ء ہیں۔ ایک صدی بعد اس کا استیصال ہو جانا چاہئے۔ اور دہلی کی سلاطین قدیم کی اولاد میں سے کسی کو سلطنت کا مالک بننا چاہئے + باوجود اس قسم کی فساد انگیز باتوں کے پھر بھی دہلی اور نواح دہلی میں اطمینان تھا۔ تا ایں کہ اپریل کا مہینہ سلامتی اور خوشی سے ختم ہوا +

رنگ میں بھنگ

جام و ساقی تھا صراحی تھی سبو تھا ہم تھے

ھو برا آ کے رقیبوں نے خلل ڈال دیا

فی الجملہ امن و اطمینان کو غنیمت جان کر ہم نے ایلن اور ولیم کی شادی کا سامان کرنا شروع کر دیا + گیارہویں ماہ مئی کو جشن شادی قرار دے کر اپنے عزیزوں اور دوستوں سے درخواست کی۔ کہ وہ ہماری کشت زار میں تشریف لا کر شریک مسرت و شادمانی ہوں۔ میرے دل میں اپنی پیاری بیٹی کی شادی کی بڑی تمنا تھی۔ نمعلوم کیا کیا ارمان دل میں بھرے ہوئے تھے۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ سب دل کے دل ہی میں رہ گئے +

ما در چہ خیالیم و فلک در چہ خیال +

مہمان وقت معینہ پر تشریف لے آئے۔ دستر خوان بچھایا گیا۔ میزوں پر ہر قسم کے کھانے چنے گئے۔ بزم نشاط آراستہ ہوئی۔ اور ہم سب مہمانوں کو لئے ہوئے کھانے کے کمرے میں پہنچے۔ ابھی اچھی طرح بیٹھنے بھی نہ پائے تھے۔ کہ سیلی نام ایک رسالہ دار نے جس کا نایب میرا داماد ولیم تھا۔ نہایت بے چینی کے ساتھ کمرے کا دروازہ کھولا اور مضطربانہ داخل ہو کر سیدھا ولیم کے پاس پہنچا۔ اور دیر تک اس سے کان میں باتیں کرتا رہا۔ گو اس کی گفتگو مطلق سمجھ میں نہ آئی۔ لیکن اس کی یہ جسارت کہ بے اذن اطلاع کھانے کے کمرے میں درانہ چلا آنا پھر لباس کا نامرتب اور بے قرینے ہونا۔ چہرے پر ہوائیوں کا اڑنا اس کی وحشت و اضطراب کے گواہ تھے + بات کرتے وقت اس کی آواز کے لرزنے۔ دیر تک چپکے چپکے باتیں کرنے اور ہاتھ کے بار بار ادھر ادھر ہلانے نے ہم کو ایسا وحشت میں ڈالا۔ کہ کھانا پینا سب بھول گئے

اور حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگا۔ آخر کار جب ضبط نہ ہو سکا۔ تو ہم سب اپنی جگہ سے اُٹھے۔ اور سیلی اور ولیم کو گھیر کر کھڑے ہو گئے۔ ولیم نے ہماری طرف ذرا بھی توجہ نہ کی۔ اور بدستور سیلی کی بات سنتا رہا۔ جب گفتگو ختم ہوئی۔ اور سیلی کمرے سے باہر جانے لگا۔ تو باواز بلند ولیم نے کہا۔

"میرے رسالے کو اطلاع دے دینا۔ کہ مسلح ہو کر تیار رہے۔ میں ابھی اگر کوچ کا حکم دیتا ہوں"۔

میں نے اور تمام حاضرین نے ہر چند منت و سماجت ولیم سے پوچھا۔ کہ کیا واقعہ ہے؟ سیلی نے تم سے کیا کہا؟ کہاں فوج لے کر جانا چاہتے ہو؟ لیکن اس نے ہمارے کسی سوال کا جواب نہ دیا۔ اور دیر تک اپنی کرسی پر تصویر کی طرح بے حس و حرکت کسی خیال میں محو بیٹھا رہا۔ جب ہمارا اصرار حد سے بڑھا۔ تو صرف اتنا کہا۔

ولیم۔ جنرل کرو نے میرے پاس حکم بھیجا ہے۔ کہ بہت جلد میرے پاس آؤ۔

میں۔ آخر کچھ یہ معلوم ہوا۔ کہ کیوں بلایا ہے؟

ولیم۔ اس کی بابت سیلی نے مجھ سے کچھ بیان نہیں کیا۔

ولیم یہ کہہ تو رہا تھا۔ مگر اس کے چہرے کے اضطراب سے پتہ چلتا تھا۔ کہ اپنا راز ہم سے چھپا رہا ہے۔ ایلن میری لڑکی جو ولیم سے نامزد تھی۔ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے بار بار عاجزی سے دریافت کر رہی تھی۔ مگر وہ کچھ جواب نہ دیتا تھا۔ اتنے میں ایک ملازم نے کمرے میں آکر ولیم کو اطلاع دی۔ کہ سواری کا گھوڑا حاضر ہے۔ یہ سنتے ہی وہ ایلن کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکال کر کھڑا ہو گیا۔ اور بغیر خدا حافظ کہے کمرے سے نکل گیا۔ گھوڑا تیار تو تھا ہی۔ جلدی سے بیٹھ کر یہ جا وہ جا۔

روانگی میں ولیم کا اس قدر جلدی کرنا محض ایک دھوکا تھا۔ جس سے مقصود یہ تھا۔ کہ ہم عورتوں سے جو بار بار کشف اسرار کے لئے سر تھیں۔ نجات مل جائے۔ اس نے تھوڑی دور تک ہمارے سامنے والے کھیتوں کی راہ لی۔ جب ہم سے آڑ ہو گئی۔ تو باغ کی جانب کو باگ موڑی۔ اور ہمارے بنگلے کے پیچھے پہنچ کر گھوڑے سے اتر پڑا۔ اور اسے ایک درخت سے باندھ کر خود ایک پوشیدہ مقام پر کھڑا ہو گیا۔ سو ربان کو اشارے سے بلا کر کہا۔

کہ اپنے صاحب (میرا شوہر) کو چپکے سے جاکر یہاں بھیج دو +

سچ تو یہ ہے۔ کہ ولیم کے اس بے کہے سُنے چلے جانے نے مجھے بے حد رنج دیا بار بار اس کی بے اعتنائی کا خیال آتا تھا۔ لیکن چونکہ مہمان گھر میں موجود تھے۔ اور ان کے ساتھ کھانا کھانا لازمی تھا۔ اس لیے چار و ناچار ہم لوگ دسترخوان پر بیٹھ گئے۔ ابھی کھانا شروع ہی کیا تھا۔ کہ ایک دوسرا ملازم کمرے میں آیا۔ اور میرے شوہر کے قریب جاکر کچھ کان میں کہنے لگا۔ صاحب سنتے ہی کھڑے ہو گئے۔ اور بغیر کچھ کہے سنے۔ باہر کو چلے گئے۔ اس پر اور بھی سب کے کان کھڑے ہوئے۔ کہ الٰہی آج کیا ماجرا ہے۔ مہمانوں نے کھانے سے ہاتھ روک لیا تھا۔ مگر میں نے کہہ سُن کر انہیں پھر کھانے کی طرف مشغول کیا۔ لیکن ہم میں سے ہر ایک کے چہرے سے انتشار کے آثار پیدا تھے +

ہمارے مہمانوں میں ایک فوجی افسر بھی تھا جس کی فوج آگرہ میں رہتی تھی۔ وہ ہم کو برابر تسلی دیئے جاتا تھا۔ کہ ولیم کے جانے سے تم پریشان نہ ہو۔ فضول تم نے ذرا سی بات کو اتنا طول دے دیا۔ میرے خیال میں صرف اتنی بات معلوم ہوتی ہے۔ کہ ولیم جنرل گرو کی اجازت کے بغیر چھاؤنی سے چلا آیا تھا۔ جنرل کو یہ امر ناگوار ہوا۔ اور اب اس غرض سے بلا لیا۔ کہ کچھ تنبیہ کی جائے +

اس کی اس تقریر سے میرا اطمینان نہ ہوا۔ اور لوگ بھی اپنے اپنے خیالات ظاہر کر رہے تھے۔ کبھی کبھی لطیفہ گوئی بھی ہوتی تھی۔ جیسا کہ ان صحبتوں میں اکثر ہوتا ہے۔ مگر میں اپنے کم بخت دل کو کیا کروں۔ کہ کسی طرح اس کا توحش کم ہی نہ ہوتا تھا۔ مہمانوں کی شرماشری سے کھا تو ضرور رہی تھی۔ مگر دل اندر سے ذرا نہ لیتا تھا۔ ہر لقمہ زہر کی طرح حلق سے اُترتا تھا۔ میرے شوہر کو گئے پانچ منٹ ہو گئے۔ دس منٹ گزر گئے۔ پاؤ گھنٹہ گیا۔ آدھ گھنٹہ ہو گیا مگر آنکھیں دروازے پر لگی ہوئی ہیں۔ مگر آئے کون؟ تین بار میں نے قصد کیا۔ کہ کمرے سے باہر جاکر اس تاخیر کا سبب معلوم کروں۔ لیکن محض اس خیال سے۔ کہ مہمان کہیں گے۔ کہ میاں بی بی دونوں ہمیں تنہا چھوڑ کر چلے گئے۔ اپنی جگہ سے نہ ہلی +

خدا خدا کر کے ایک گھنٹے کے بعد صاحب اس صورت سے کمرے میں داخل ہوئے کہ چہرے کا رنگ زرد۔ منہ پر ہوائیاں۔ لب خشک اور حرکات میں اضطراب و پریشانی +

میں نے دل میں کہا۔ کہ یا اللہ! یہ ان کو کیا ہو گیا؟ کیا مصیبت ہم پر نازل ہونے والی ہے۔ سب لوگ خاموشی سے اس حالت کو دیکھتے ہوئے۔ اس کے منتظر تھے۔ کہ شاید یہ کوئی کلمہ اپنی زبان سے کہیں۔ لیکن وہ مہر سکوت لب پر لگائے بیٹھے تھے۔ ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکالا۔ ہاں مجھے اشارے سے سمجھایا۔ کہ مہمانوں کو اس کمرے سے دوسرے کمرے میں لے جاؤ۔ میں چونکہ اپنے ہوش ہی میں نہ تھی۔ اس اشارے کو نہ سمجھی۔ اور پہلے سے زیادہ مبہوت و حیران رہ گئی۔ سارے مہمان بھی ہم دونوں میاں بی بی کی طرح ساکت و صامت تھے۔ اس وقت کمرے کا یہ عالم تھا۔ کہ اگر کسی طرف ایک مکھی بھی اُڑتی تھی۔ تو اس کے پرواز کی آواز ہمارے کانوں میں آتی تھی۔ جب میرے شوہر نے اپنی خاموشی کو ہم لوگوں کے زیادہ اضطراب و پریشانی کا موجب سمجھا۔ تو ہندوستانی ملازموں کو آنکھ سے اشارہ کیا۔ کہ کمرے سے باہر ہو جاؤ۔ ادھر نوکر کمرے سے نکلے۔ اُدھر میں اپنی جگہ سے اُٹھی اور ایک قریب کی کرسی پر بیٹھ کر اس کا بازو پکڑ کر کہنے لگی:

میں۔ خدا کے واسطے جلدی بتاؤ۔ کیا ماجرا ہے؟ کیا خدانخواستہ لندن یا کلکتہ سے کسی عزیز کی سناونی آئی ہے +

شوہر۔ کاش ایسا ہی ہوتا +

اتنا کہا۔ اور ان خواتین سے جو کمرے میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ نہایت ادب کے ساتھ تھوڑی دیر کے لئے کمرے سے باہر جانے کی درخواست کی۔ سب نے اس کا سبب پوچھا۔ تو کہا "ہم مردوں کے ساتھ چند خاص باتیں کرنا چاہتے ہیں۔ آپ لوگوں کی موجودگی ہمارے اختلال حواس کا باعث ہو گی۔ گھبرائیے نہیں۔ تھوڑی دیر بعد آپ سے بھی سارا واقعہ بیان کر دیا جائیگا۔ لیکن اس وقت مصلحت یہی ہے۔ کہ تمام عورتیں اس کمرے کو خالی کر دیں" +

اس بات کے سننے سے میرے اور جملہ خواتین کے اضطراب میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا۔ ہم میں سے کسی نے بھی اپنی جگہ سے ہلنے کا نام نہ لیا۔ میرے شوہر نے سب کے چہروں پر آثار حزن و ملال دیکھ کر کہا۔

شوہر۔ اچھا اگر آپ لوگ باہر جانا پسند نہیں کرتیں۔ تو سنیں۔ میرٹھ کی چھاؤنی میں جو

جو ہندوستانی فوجیں تھیں۔ ان سب نے انگریزوں کے خلاف بغاوت کر دی ہے۔ تمام انگریز عہدہ داروں کو قتل کر کے اب وہ گروہ دہلی کی طرف آرہا ہے + جنرل کرد فوج کثیر لے کر ان کے مقابلے کو جاتا ہے یہ وجہ تھی۔ کہ اس نے فوراً ولیم کو طلب کیا۔ تاکہ دونوں مل کر روانہ ہوں۔ یہ واقعہ مجھ سے ابھی ولیم نے خود بیان کیا۔ وہ اپنی نیک نفسی اور نیک خوئی کے باعث یہ نہیں گوارا کر سکتا تھا۔ کہ ایسے خوفناک واقعہ کا اظہار مہمان خواتین اور بالخصوص اپنی نامزد ایلن کے سامنے کرے۔ اور آپ سب کی مضطرب الحالی اور پریشانی اپنی آنکھوں سے دیکھے اسی وجہ سے وہ جلدی سے باہر چلا گیا۔ لیکن راستے سے مڑ کر بنگلہ کے پیچھے آیا۔ اور تمام حال بالتفصیل مجھ سے بیان کیا +

میرے شوہر کی اس تقریر سے تمام حاضرین کے چہروں پر مردنی چھا گئی۔ ع

کاٹو تو لہو نہ تھا بدن میں +

شدتِ دہشت سے ہر ایک قالب بے روح کی طرح بے حس و حرکت بیٹھا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب اس کیفیت میں فی الجملہ تخفیف ہوئی۔ تو سب کے سب میرے شوہر کے قریب آکر بیٹھے۔ اور تفصیل سے واقعہ معلوم کرنے لگے + مہمانوں میں وہ دو میمیں خاص طور سے پریشان تھیں۔ جن کے شوہر میرٹھ میں نمبر ۳ کی فوج کے سردار تھے جب انھوں نے یہ سنا کہ باغیوں نے یورش کر کے تمام انگریز سرداروں کو قتل کر دیا۔ تو فریاد و فغاں بلند کی۔ اور شدتِ گریہ وزاری سے بے خود ہو کر زمین پر گر پڑیں +

میری لڑکی چاہتی تھی۔ کہ اپنے اضطراب کو مجھ سے چھپائے۔ اس لئے اس نے ایک گوشے میں جا کر عاجزی سے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف بلند کئے۔ اور رو رو کر اپنے نامزد ولیم کے حق میں دعا مانگنے لگی + میں نے چاہا۔ کہ قریب جا کر اسے اپنی آغوش میں لے لوں۔ اور تسلی بخش کلمات سے اس کے دل کو قابو میں لاؤں۔ کہ اتنے میں دو نوجوان لڑکیاں جو میری ایلن کی سہیلیاں تھیں۔ اور اس کی شادی میں شرکت کی غرض سے آئی تھیں۔ مجھ سے لپٹ گئیں اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ میں نے شفقت سے ان کے سروں پر ہاتھ پھیرا۔ پیشانی پر بوسہ دیا۔ اور سینے سے لپٹا کر سمجھایا۔ کہ گھبراؤ نہیں۔ خدا حافظ و مددگار ہے + ان بے چاری لڑکیوں ہی پر منحصر نہیں۔ سب مہمان مرد ہوں یا عورتیں پریشان حواس پھر رہے تھے۔ اور کوئی

جگہ ایسی نظر نہ آتی تھی۔ کہ سب وہاں جمع ہو کر دشمنوں کی دست بُرد سے محفوظ رہ سکیں۔ اس وقت میرے گھر میں کچھ ایسی پریشانی مچی ہوئی تھی۔ کہ ایک کو دوسرے کی مطلق خبر نہ تھی کمال تشویش و اضطراب کے باعث ہر شخص اپنے خیال میں محو تھا۔ بچے خوف زدہ ہو کر ماؤں کے سینے سے لپٹے ہوئے تھے۔ اور ماؤں کے کلیجے خوف سے دھک دھک کر رہے تھے + کوئی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گراتی تھی۔ کوئی حیرانی سے زمین و آسمان کو تکتی تھی۔ اور کوئی چھپنے کو گوشہ ڈھونڈھتی تھی + افسوس صد افسوس مہمانوں کو کس ارادے سے بلایا تھا۔ اور کیا ہو رہا تھا + کیسی عروسی۔ کہاں کی شادی۔ اب تو برگشتہ نصیبی کا رونا رویا جا رہا تھا + اُف۔ میں کیسی بدنصیب ہوں۔ میرے دل کا کوئی ارمان نہ نکلا۔ سب دل کی دل ہی میں رہ گئی۔ کنبے والے۔ دوست احباب کبھی نہ کبھی تو میرے گھر جمع ہوئے۔ وہ بھی اس عالم میں کہ خوف سے جانوں پر بنی ہوئی ہے + ہم لوگوں کو زیادہ اضطراب اس وجہ سے تھا۔ کہ ہمارے کھیت اور کوٹھی میرٹھ اور دہلی کے راستے پر واقع تھے۔ پس ضرور تھا۔ کہ باغیوں کی جماعت اسی طرف سے گزرے۔ سب سے زیادہ یہ کھٹکا کلیجوں کو پانی کر رہا تھا۔ اور ہر ایک زن و مرد۔ چھوٹا بڑا اس بے کسی و تباہ حالی کے عالم میں گڑگڑا گڑگڑا کر خدا سے دعا مانگتا تھا +

پہلا حادثہ

جو نہ کانوں سے سنا تھا وہ دکھایا تو نے۔
اے فلک کچھ بھی تجھے شرم و حیا آتی ہے!

مدافعت کی تدابیر سوچنے کے لئے سب مرد جمع ہوئے۔ اور میں اپنے شوہر کی مرضی کے مطابق تمام عورتوں کو اپنے ساتھ لے کر عقب والے کمرے سے نکل بڑے ہال میں پہنچ گئی۔ ہمارے تمام ہندوستانی نوکر جو زراعت کا کام انجام دیتے تھے۔ وہیں آکر جمع ہوئے چونکہ اُن کو یہ واقعہ پہلے سے معلوم ہو چکا تھا۔ اس لئے انہوں نے ہم کو پریشان دیکھ کر صدق و صفا کا اظہار کیا۔ اور کہا۔ کہ اگر ہم کو ہتھیار مل جائیں۔ تو ہم دشمنوں کے مقابلے کے لئے تیار ہیں + میں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا +

چونکہ مجھے اس پریشانی میں اپنے پیارے بچے ڈیل کو دیکھے ہوئے بہت دیر ہو گئی

تھی۔ اس لئے میں نے اس کی دائی کو بلایا۔ اور اسے اس کی گود سے اپنی آغوش میں لے کر
پیار کرنے لگی + میں نے اپنے دل میں ارادہ کر لیا تھا۔ کہ اب جب تک یہ آفت سر سے
ٹل نہ جائے گی۔ اپنے پیارے بچے کو کسی ہندوستانی کی گود میں نہ دوں گی اگر اس معصوم
پر کوئی آفت نازل ہوگی۔ تو اپنی جان قربان کر دوں گی۔ مگر اس کا بال بیکا نہ ہونے دوں
گی + دشمنوں کی آنکھوں میں خاک جو میرے ہوتے ساتے میرے پیارے کی طرف
ٹیڑھی نظروں سے دیکھیں + اس کی بھولی بھالی صورت دیکھ دیکھ کر میرا دل بھر آتا ہے۔ میں
سوچ میں گھلی جاتی تھی۔ کہ میرا بچہ کیسے بچے گا؟ دل رنجیدہ تو تھا ہی۔ یہ خیالات جو دماغ
میں سمائے۔ تو یارائے ضبط نہ رہا۔ خوب پھوٹ پھوٹ کر روئی +

میری بیقراری اور گریہ وزاری کو دیکھ کر تمام نوکروں کا دل بھر آیا۔ اور ہر ایک کی آنکھ
سے آنسو جاری ہو گئے + سب نے پھر وفاداری کا اقرار کیا۔ اور ہر طرح تسلی اور دلاسا
دیا +

اس میں شک نہیں ہمارے اردگرد کے تمام لوگ ویل کو سچے دل سے چاہتے
تھے۔ سبب یہ تھا۔ کہ میں فقیروں اور محتاجوں کو اسی کے ہاتھ سے صدقہ تقسیم کراتی تھی۔ بیمار فقیرو
اور یتیم بچوں کو دوا۔ غذا۔ اور لباس جو میں خود تیار کیا کرتی تھی۔ اسی کے ہاتھوں سے تقسیم کئے
جاتے تھے + یہ بات کچھ اسی مقام کے لئے مخصوص نہ تھی۔ بلکہ دہلی اور اطراف دہلی میں بھی
میرا ویل فقیروں۔ ضعیفوں اور مسافروں کی نظر میں بڑا جواد سخی اور ہمدرد بچہ خیال کیا جاتا
تھا + ویل کے ساتھ ہندوستانیوں کے خلوص نے میرے دل کو کسی قدر مطمئن بنا دیا تھا +
میں نے اپنے دل میں سوچا۔ کہ اگر ہندوستانی فوجوں نے حکومت انگلیشہ کے
خلاف بغاوت کر دی۔ تو کیا ہے ۹ ہندوستان کی رعایا تو عموماً اپنے بادشاہ ہی کا ساتھ دے
گی۔ ایسی حالت میں جبکہ انگریزی فوجوں کے ساتھ تمام ہندوستان کی رعایا بھی شامل ہو۔
چند فتنہ پرداز بغاوت پیشہ لوگوں کی کیا چل سکتی ہے۔ وہ اپنے کئے کی ایسی سزا پائیں
گے۔ کہ تمام عمر یاد کریں گے + اس قسم کے خیالات سے کسی قدر دل کو تسکین تو ہو جاتی
تھی۔ مگر صرف منٹ دو منٹ کے لئے۔ کیونکہ رعایا اور گورنمنٹ کی موافقت جس پر میری مسرت
و خوشی کی عمارت بلند ہوتی تھی۔ ایک غیر یقینی امر تھا +

حکومت انگلیشیہ کے زوال یا قیام سے قطع نظر کر کے جب میں اپنے معاملات پر غور کرتی تھی۔ تو دل اندر سے بھی پکارتا تھا۔ کہ یہ سب ہندوستانی جو آج ہمارے سامنے ہاتھ باندھے کمال خلوص کا اظہار کر رہے ہیں۔ بات بگڑتے ہی چڑیوں کی طرح اُڑ جائیں گے۔ اور ایک بھی پاس نہ پھٹکے گا۔ جب تک ہوا بندھ رہی ہے۔ یہ ہمارے فرمانبردار ہیں۔ جس وقت خدانخواستہ ہوا اکھڑی سب اپنا اپنا راستہ لیں گے۔ ہمارا ان پر زور ہی کیا ہے ہمارے ہم مذہب نہیں۔ ہم وطن نہیں۔ رعایا نہیں۔ غلام نہیں۔ مزدور ہیں۔ دن بھر کام کرتے ہیں۔ اور شام کو اجرت لے اپنے گھر چلے جاتے ہیں۔ ہماری کاشتکاری کی بدولت یہ آتنی صورتیں اس وقت نظر آتی ہیں +

کبھی خود ہی یہ خیال آتا تھا۔ کیا بعید ہے۔ اگر یہ سب لوگ جو ہم انگریز کاشتکاروں کی ماتحتی میں کام کر رہے ہیں۔ بغاوت پیشہ گروہ سے باطن میں مل گئے ہوں۔ اور وقت کے منتظر ہوں + مانا کہ ہمارے دکھانے کو دو چار ہاتھ ان سے لڑیں بھی۔ مگر چونکہ باطن میں سب ایک ہیں۔ اس لئے ناممکن ہے۔ کہ ہم سے دغا نہ کریں +

باوجودیکہ ہم انگریز کاشت کار ان ہندوستانیوں کے ساتھ بکمال شفقت وہمدردی پیش آتے ہیں۔ مگر مذہبی اختلاف کے باعث وہ ہمیشہ کشیدہ خاطر رہتے ہیں۔ اور کسی وقت ان کی پیشانی کا بل نہیں نکلتا۔ بعض تو اپنے مالکوں سے ناراض ہو کر سخت سخت کلمات کہہ جاتے ہیں۔ اور بعض طرح طرح سے نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں + اس پر اگرچہ سخت سزائیں بھی ملتی ہیں۔ مگر وہ کہاں ماننے والے ہیں + پس اگر ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ میں نے خیال کیا۔ تو ضرور ہم کو قتل وغارت کے ہولناک حوادث کا منتظر رہنا چاہیئے۔ میں ان وحشت خیز خیالات میں محو تھی۔ کہ میرے شوہر کھانے کے کمرے سے جہاں سب مہمان مرد جمع تھے۔ باہر آئے + ہمارے تمام ہندوستانی خدمت گاروں نے شور مچایا۔

"خدا انگریزوں کو سلامت رکھے"

اور میرے شوہر سے درخواست کی۔ کہ اگر ہم کو ہتھیار عنایت کر دیئے جائیں۔ تو ہم دشمنوں سے لڑ کر اپنی وفاداری کا اظہار کریں۔ ہم کو آپ کے نمک کا پاس ہے جب تک جسموں میں جان ہے۔ آپ کی رفاقت سے منہ نہ موڑیں گے۔ ہمیں آپ لوگوں سے

بڑے فائدے پہنچے ہیں +

ہم لوگوں کے بنگلے اور کھیت چونکہ شہر سے دور جنگل میں واقع تھے۔ اس لئے بمقتضائے احتیاط ہم ہر قسم کے ہتیار اپنے گھر میں رکھتے تھے + ان سے بڑا مقصد یہ تھا۔ کہ وحشی جانوروں اور صحرائی درندوں سے جو بکثرت اطراف وجوانب میں تھے حفاظت رہے + اکثر درندوں کا غول جنگل سے نکل کر مکانات کے قریب تک آجاتا تھا۔ چنانچہ میں نے خود ایک رات کو بہت سے سور بھیڑیئے اور گیدڑ دیکھے جن کے حملوں سے ہمارے چند نوکر بھی ہلاک ہو گئے۔ شیروں کی دھاڑ سے جب جنگل گونجتا تھا۔ تو ساری ساری رات خوف میں جاگتے گزر جاتی تھی +

غرضکہ جب باغی فوج کے نزدیک آجانے کی خبر پہنچی۔ ہم نے فوراً اپنے ہتیار خانے کھول کو پچاس بندوقیں نکالیں۔ اور گوروں اور بعض ہندوستانی مزدوروں کو تقسیم کر دیں۔ مہمانوں کے پاس اگرچہ چند فیر کے طمنچے موجود تھے۔ لیکن اس پر بھی میرے شوہر نے اپنے شکار کی خاص بندوقیں انہیں دے دیں۔ اور سب کو تھوڑے تھوڑے کارتوس بانٹ دیئے +

جب سے ولیم گیا تھا۔ ہم برابر اپنے تحفظ کے سامان میں مشغول تھے + مجھ کو اس موقع پر بے حد افسوس آتا ہے۔ کہ ہمارے مرد تو ہتیار لے لے کر مرنے مارنے کے لئے آمادہ ہو گئے لیکن ہم کم بخت عورتیں اس قابل بھی نہیں۔ کہ کوئی حربہ لے کر کھڑی ہو جائیں اور کم از کم اپنا ہی تحفظ کریں + سچ یہ ہے۔ کہ عورت کا جسم نہایت ہی ضعیف و ناتواں جسم ہے۔ ہم سے بجز اس کے اور کیا ہو سکتا تھا۔ کہ لرزتے کانپتے ایک اونچے بالاخانے پر چڑھ جائیں۔ جس کو بالاتفاق سب نے پناہ کی جگہ تجویز کیا تھا +

ہائے کیا بیکسی کا عالم تھا۔ اُف کیسی مایوسی کا وقت تھا۔ اس اضطراب کی حالت کا منظر تمام عمر کلیجے کو لرزائے گا۔ آج تک ہم کو کبھی ایسا موقع کاہے کو پیش آیا تھا۔ ہمیشہ عیش و آرام سے گزری۔ ناز و نعمت میں بسر کی۔ حکومت سے رہے۔ مگر دنیا کی کسی حالت کو چونکہ قیام نہیں۔ اس لئے اس روز بد کا منہ دیکھنا۔ ان مصیبتوں کا جھیلنا قرین عقل ہے۔ موافق انتظام عالم ہے۔ یہاں نہ کسی کی ایک سی رہی اور نہ رہے +

شریف زادیاں ہماری اس وقت کی قلبی کیفیت کا کچھ اندازہ کرسکتی ہیں۔ ہائے جان کیسی پیاری چیز ہے۔ جس بالاخانہ پر میں گھنٹوں میں اپنے شوہر کا ہاتھ پکڑ کر آہستہ آہستہ چڑھا کرتی تھی۔ آج اُسی پر وحشی ہرنیوں کی طرح اُچھلتی کودتی چلی جاتی تھی۔ خدا کسی دشمن پر بھی بُرا وقت نہ لائے۔ ہم میں سے ہر ایک بی بی کا یہ عالم تھا۔ کہ چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ رنگت زرد پڑگئی تھی۔ ایک دوسری کو حسرت سے تکتی اور رہ جاتی تھی۔ سینوں میں دل دھڑک رہے تھے۔ زبان سے پوری بات ادا نہ ہوتی تھی +

میں ایک کونے میں کھڑی اپنے مہمانوں کے کملائے ہوئے چہروں کو بار بار دیکھتی اور دل میں کہتی۔ افسوس یہ میری لڑکی کی شادی میں کہاں کہاں سے زحمت گوارا کر کے آئے میں نے کس شوق سے ان کو بلایا۔ مگر راحت و آرام کے بدلے۔ فرحت و انبساط کے عوض بیچاریوں پر یہ آفت نازل ہوئی۔ میں تو ابھی ان سے منہ بھر کر بولنے بھی نہ پائی تھی۔ جی بھر کر مدارات بھی نہ کرسکی تھی۔ کہ یہ بلائے ناگہانی سر پر آگئی۔ ادھر مہمانوں کا قدم گھر میں آیا۔ اور ادھر موت کے فرشتے نے دانت دکھائے۔ کیا دنیا میں کسی نے بھی ایسی مہمانی کی ہوگی +

سب سے بڑا خیال اس موقعہ پر اپنی بیٹی ایلمن کا تھا۔ جو ولیم کے جانے کے بعد سے بالکل خاموش تھی۔ سارا جسم زرد پڑا ہوا تھا۔ بار بار آنسو آنکھوں میں بھر آتے تھے۔ مگر مجھ سے غم چھپانے کے لئے منہ پھیر پھیر کر رومال سے پونچھ لیتی تھی + اس کا رونا اور ملال کرنا سچ پوچھو تو بالکل حق بجانب تھا۔ ابھی اس دکھیا نے دیکھا ہی کیا تھا۔ یہ زمانہ تو خاص طور سے اس کے ہنسنے بولنے کا تھا۔ مگر بقول کسی کے۔ ؎

پنہاں تھا دامِ سخت قریب آشیانے کے۔
اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے +

اس کے غم کا اندازہ تو کوئی ایسی بدنصیب ہی کرسکتی ہے۔ جس کو برگشتہ نصیبی نے شادی کے موقع پر رُلایا ہو۔ وہ بدنصیب دُلہن کیا خاک اپنا دل قابو میں رکھ سکتی ہے جس کے عین شادی کے روز شوہر کی جان معرض ہلاکت میں پڑ جائے۔ اور خود اس کی اور اس کے عزیزوں کی کشتی حیات بھی طوفان حوادث میں ڈگمگا رہی ہو +

میں بار بار اس کے پاس جا کر اسے اس طرح تسلی دیتی +

میں۔ پیاری بیٹی! میں قربان گئی۔ صبر سے کام لو۔ خدا کی قدرت کو بھولی جاتی ہو کسی بات کا زیادہ خیال اچھا نہیں ہوتا۔ دنیا میں اس قسم کے واقعات ہوتے ہی رہتے ہیں۔ بڑے بڑے مہلکوں میں لوگ پھنس جاتے ہیں۔ اور پھر خداوند عالم ان کو نجات دیتا ہے تمہارے اس قدر گھبرانے کی کیا بات ہے۔ خدا کرے گا۔ تو اب کوئی دم میں پیارا ولیم گھوڑا کُداتا آتا ہوگا۔ ابھی کیا معلوم وہ مقابلے کے لئے گیا بھی ہے۔ یا چھاؤنی ہی میں ہے۔ تم کو میری جان کی قسم طبیعت کو پریشان نہ کرو+ بیٹیا ایلن تمہاری آزردگی سے میرا کلیجہ خون ہوا جاتا ہے۔ صبر کر بیٹی صبر کر+

ایلن۔ اماں جان میں کیا کروں۔ دل اندر ہی اندر بیٹھا جاتا ہے۔ ہر چند سمجھاتی ہوں۔ مگر اس کی تڑپ کم نہیں ہوتی۔ خدا معلوم کیا مصیبت نازل ہونے والی ہے۔ کہ میرا ہر موئے بدن روتے دیتا ہے۔ اُف دنیا میں کوئی مجھ سی بدنصیب کاہے کو ہوگی۔ ہائے کس سے دل کی چوٹ کہوں+

اتنا کہا۔ اور خاموش ہوگئی۔ میں نے پھر زیادہ کہنا مناسب نہ سمجھا۔ اس کے پاس سے اُٹھ کر مہمان عورتوں کے پاس چلی گئی۔ ہر ایک بی بی اس طرح دوسری کے چہرے پر نظر ڈالتی تھی۔ گویا اس کے بعد پھر ملاقات نصیب ہی نہ ہوگی+ ہماری حالت اس وقت بالکل ان بھیڑوں کی سی تھی۔ جن کو مسلمان لوگ عید قربان کے روز ذبح کرنے کے واسطے لاتے ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک حلق پہ چھری پھرنے کی منتظر ہوتی ہے+

ہمارا بالاخانہ چونکہ بہت بلندی پر تھا۔ اس لئے دوپہر کا آفتاب اپنی پوری شعاعوں سے در و دیوار پر چمک رہا تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ ہوا اس قدر گرم چل رہی تھی۔ کہ خدا کی پناہ قریب تھا۔ کہ دشمنوں کے پہنچنے سے پہلے ہم سب کی جانیں تلف ہو جائیں جس طرف کو منہ پھراتے تھے۔ لُو کے تھپیڑے جلا کو جھلس دیتے تھے۔ خدا کی شان دیکھو جس کو پناہ کا مقام سمجھا تھا۔ وہ سب سے زیادہ ہلاکت کی جگہ بن گیا+ میں حیران تھی۔ کہ ایسی حالت میں کہاں ان بیچاری عورتوں کو لے کر جاؤں۔ کیا کروں؟ نہ پائے رفتن۔ نہ جائے ماندن۔ طبیعت کو ایک عجیب اُلجھن تھی۔ میں اچھی طرح کہہ سکتی ہوں۔ کہ ان تمام حوادث میں جو اس زمانے میں ہم پر نازل ہوئے۔ یہ حادثہ بھی حد درجے

مصیبت ناک اور جاں گسل تھا +

آفتاب کی تیزی اور لُو کے تھپیڑوں سے اکثر عورتیں ہلاکت کے قریب پہنچ گئی تھیں۔ ہائے کوچوں پر سونے والیاں خس کی ٹٹیوں میں رہنے والیاں۔ یہ جانکاہ مصیبت برداشت کر رہی تھیں۔ اور اپنا کچھ بس نہ چلتا تھا۔ کوئی بیچاری اپنی گردن گھٹنوں میں دیئے زمین پر بیٹھی آنے والی مصیبت کا تصور کر رہی تھی۔ کوئی پریشان حال روتی صورت دیوانہ وار ادھر اُدھر پھرتی تھی۔ اور کوئی باہر کی آواز پر کان لگائے تھی۔ باوجود کوئی صدا بلند نہ ہونے کے شدتِ وہم سے بھی خیال ہوتا تھا۔ کہ باغی ہمارے احاطہ میں گھس آئے۔ اور ہمارے مردوں سے برسرِ پیکار ہو رہے ہیں +

دو تین عورتیں جن میں سے ایک میں بھی تھی۔ باوجود انتہائی وحشت و اضطراب کے بظاہر مضبوط دل کئے برابر اوروں کو تسلی اور دلاسا دیئے جاتی تھیں +

بہ خدا کا شکر ہے۔ کہ میرے سوا اور کسی عورت کے پاس کوئی بچہ نہ تھا۔ میں اپنے ویل کو سینے سے لپٹائے ہوئے تھی۔ شرِ دشمن سے اس کی محافظت کے لئے اپنے میں شیر سے زیادہ طاقت محسوس کرتی تھی۔ میرا ارادہ تھا۔ کہ اگر کسی باغی نے اس پھول سے بچے پر حملہ کیا۔ تو میں اپنی ان کمزور کلائیوں اور ناتواں ہاتھوں سے اس کا گلا ایسا دباؤں گی۔ کہ موذی بلبلا تارہ جائے گا +

بالاخانے سے میں چاروں طرف نگاہ دوڑا رہی تھی۔ مشرق کی طرف تو سفید خط اس راستے کا نظر آرہا تھا۔ جو دہلی سے میرٹھ کو گیا ہے۔ اور جس کے دونوں طرف سرسبز و شاداب درختوں کی قطار ہے، مغرب کی طرف جمنا کا پل تھا۔ یا قلعہ سلیم غوری کے برج یا دیواریں۔ جنہیں سے ایک مینار پر انگریزی جھنڈا لہرا رہا تھا۔ اس کے علاوہ سلاطین گورگانیہ کے محلات کے گنبد اور دہلی کی مسجدوں کے مینار نظر آتے تھے۔ جنوب و شمال کی طرف دہلی کے گاؤں اور صحرائی سلسلہ تھا +

ہم میں سے وہ عورتیں جن کا دل کسی قدر قابو میں تھا۔ کھڑکیوں سے منہ نکالے مشرقی جانب نظر دوڑا رہی تھیں، دو گھنٹے متواتر اسی صورت سے گزر گئے۔ اور کوئی بات ظاہر نہ ہوئی۔

حتیٰ کہ بے قاعدہ آمد ورفت بھی نظر نہ آئی۔ البتہ کبھی کبھی کچھ سوار دہلی سے مشرق کی طرف جاتے۔ یا اُدھر سے جلدی جلدی آگر وارد شہر ہوتے تھے + ہمارا خوف اب کسی قدر زائل ہو چلا تھا۔ اور ہم کو یہ یقین ہو چلا تھا۔ کہ باغیوں نے میرٹھ میں شکست کھائی بعض خواتین جو میرٹھ سے آئی تھیں۔ میرٹھ کے فرنگی سرداروں کی شجاعت و حسن انتظام کی تعریفیں کرتے ہوئے کہنے لگیں۔ کہ ان کے مقابلے میں باغی ٹھہر ہی نہیں سکتے + یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں۔ کہ جمنا کی طرف سے بگل کی آواز ہمارے کانوں میں آئی۔ اگرچہ ہوا مخالف تھی۔ مگر وہ آواز برابر نزدیک ہوتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ ہمیں باجوں کی آواز بھی سنائی دینے لگی +

میں۔ ایں یہ باجوں کی آواز کیسی ہے (پاس والی لیڈی سے) ذرا دیکھنا۔ کیا معاملہ ہے +

ایک لیڈی۔ ایک رسالہ دہلی سے آرہا ہے۔ خدا جانے کہاں جاتا ہے +

دوسری۔ ذرا غور سے دیکھنا۔ باغی تو نہیں ہیں +

تیسری۔ (سینہ پر ہاتھ مار کر) مجھے تو یہ باغی ہی معلوم ہوتے ہیں۔ اف اب کیا کریں۔ کہاں جائیں +

میں۔ گھبراؤ نہیں۔ یہ باغی نہیں ہیں۔ میں نے خوب اچھی طرح دیکھ لیا۔ یہ جنرل گرد کا رسالہ ہے۔ جو باغیوں کی سرکوبی کے لئے میرٹھ جا رہا ہے۔ میری اس گفتگو سے سب کی جان میں جان آئی۔ ہر ایک بی بی سر بلند کر کے آنے والی فوج کو دیکھنے لگی +

جوں ہی یہ رسالہ ہمارے خانہ باغ کے سامنے سے گزرا۔ سب سواروں نے مل کر آواز دی "خدا انگریزوں کو سلامت رکھے" اس آواز کو سن کر ہم لوگ بالاخانے سے اُترے۔ اور انگریزوں کی کامیابی کی دعا مانگی +

قاعدہ ہے۔ جب انسان پر بُرا وقت آتا ہے۔ تو اس کی طبیعت فال اور شگون وغیرہ کی طرف زیادہ مائل ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اسی بنا پر ہم نے خود بخود اس رسالے کی آمد سے یہ فال اخذ کی۔ کہ ان کو ضرور کامیابی ہو گی۔ کیونکہ فتح و فیروزی کے نشان ان کے جھنڈے سے نمایاں ہیں + جنرل گرد کا رسالہ آگے بڑھ گیا۔ تو ہم سب لوگ ذرا دیر مطمئن ہو کر خانہ باغ میں آکر بیٹھے + فتح کی خوش خبری پر کان لگے ہوئے تھے۔ کہ ناگاہ

میرٹھ کی طرف سے گرد و غبار بلند ہوا ÷ جب دامن گرد پھٹا۔ تو دیکھا۔ کہ انگریزی سوار اور پیادے توپ خانہ لئے ہوئے۔ کبھی آگے کو ہماری طرف آتے ہیں۔ اور کبھی اس طرف سے پشت کر کے باغیوں کی فوج پر توپیں داغتے ہیں ÷

جو فوجیں جنرل گرو کی ماتحت تھیں یعنی پلٹن نمبر ۳۸۔ و پلٹن نمبر ۵۴ اور پلٹن نمبر ۷۴، ہندوستانی پیادے تھے۔ جب ان کا مقابلہ باغیوں سے ہوا۔ جنرل مذکور اور چند یورپین عہدہ داروں کو تنہا چھوڑ کر باغیوں سے جا ملے ÷ یہ وجہ تھی۔ کہ جنرل گرو اپنے چند انگریز ساتھیوں کے ساتھ جیسے مجھے معلوم ہوتا تھا۔ اور بطور جنگ مغلوبہ دہلی کی طرف کو آرہا تھا۔ جب ہمارے باغ کے سامنے پہنچا۔ تو دہلی کے راستے کے سامنے رُک گیا۔ اس مقام پر ایک ٹیلہ تھا۔ جنرل نے اس کی آڑ لے کر باغیوں پر دنادن گولے برسانا شروع کئے۔ اس کی یہ مردانہ لڑائی اور دلیرانہ جنگ ہمارے لئے باعث زحمت و وبال ہوگئی۔ کیونکہ زخمی سپاہیوں نے جب اس طرف کی راہ بند دیکھی۔ وحشیانہ داہنی جانب کو کھڑے ہوئے ÷ جنرل نے بلندی سے ایک توپ اوڑ خالی کی جس سے بہت سے لوگ ہلاک ہوئے۔ باغیوں نے اس کی ذرا بھی پروا نہ کی اپنے زخمیوں اور مقتولوں کو ہمارے باغ میں ڈال کر دہلی کی طرف روانہ ہو گئے ÷ ہم یہ حالت دیکھ کر پھر بالاخانے پر چڑھ گئے ÷ لوگوں کا ہجوم بچوں اور عورتوں کی چیخ پکار۔ توپوں اور بندوقوں کی آوازیں۔ باغیوں کے نعرے ہماری وحشت اور دہشت کو اس قدر بڑھا رہے تھے۔ کہ تمام عالم نظروں میں تیرہ و تار ہو رہا تھا ÷ مرد و عورت سب پریشان تھے۔ کہ کیا کریں۔ کہاں جائیں۔ کس کی پناہ ڈھونڈیں۔ اسی جگہ رہیں۔ کہ جان و مال اور ناموس سب باغیوں کے ہاتھ میں چھوڑ دیں۔ یا غیرت و حیا کے اقتضا سے خودکشی کر لیں۔ اور انتظار مرگ اور ننگ و ناموس کے خوف سے نجات پائیں ÷ غرض کہ ایک عجیب خلجان تھا۔ ولیم کی نسبت ہمارا یہ خیال تھا۔ کہ وہ ضرور سلح خانے پر متعین ہے۔ ورنہ ایسے خطرناک وقت میں ہماری اور بالخصوص اپنی زوجہ کی امداد کے لئے ضرور آتا۔ اب ہم لوگوں کو بجز اس کے کیا چارہ تھا۔ کہ لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ اور گردش فلک جو بلا سر پر لاتی ہے۔ اس کو اٹھائیں ÷ چنانچہ جتنے انگریز ہمارے گھر میں موجود تھے سب اپنی اپنی بندوقیں کندھوں پر رکھ کر آمادہ قتال ہو گئے۔ راستے کی جانب سب کی نگاہیں

لگی ہوئی تھیں۔ کہ ایک ہندو شخص نہایت تیزی سے دوڑتا ہوا آیا اور گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا "صاحب خانہ کہاں ہیں؟"

میرا شوہر آگے بڑھا۔ اس نے ایک خط جس پر چند سطریں لکھی ہوئی تھیں۔ صاحب کو دیا۔ اور فوراً جس راہ سے آیا تھا۔ لوٹ گیا۔ یہ خط ولیم کا تھا۔ جس میں ذیل کی عبارت درج تھی:۔

"جنرل کرو نے راستہ گھیر لیا ہے۔ تم لوگ وقت کو غنیمت سمجھ کر بہت جلد پل سے پار ہو جاؤ۔ اور جس طرح ہو۔ اپنے کو شہر میں پہنچا دو۔ اور جہاں قیام کرو مجھے اطلاع دو۔ میں تیمار خانے پر متعین ہونے کی وجہ سے تمہاری امداد کرنے سے معذور ہوں۔ میرا سلام میری عروس کو پہنچا دو اور دل قوی رکھو۔ وقت دیدار قریب آ رہا ہے۔" والسلام ولیم

اس تحریر کو پڑھ کر ہمارے دل کو کسی قدر قوت و اطمینان حاصل ہوا۔ فرصت کو غنیمت اور تاخیر میں آفت خیال کر کے چلنے پر آمادہ ہو گئے۔

اس پادری نے جو ہمارے یہاں شادی میں آیا تھا۔ اپنا سر آسمان کی طرف بلند کر کے اول تو کچھ دعا مانگی۔ پھر ہم سے یوں خطاب کیا:۔

معزز بھائیو۔ اور عزیز خواہرو! ہم کو چاہیئے۔ کہ اس وقت مصیبت میں خدا سے دعا مانگیں۔ کہ ہم کو اپنی حفاظت و حراست میں رکھے۔ اور دشمنوں کے شر سے بچائے۔"

یہ سن کر سب نے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے۔ اور دعا کر کے آمین کہی۔ اس کے بعد ہر شخص فرار کے لئے آمادہ ہوا۔ مگر میں نے دیکھا۔ کہ میرے شوہر کا ارادہ کچھ اور معلوم ہوتا ہے۔ قریب جا کر میں نے کہا:

میں۔ کیا کر رہے ہو۔ جلدی یہاں سے بھاگو۔ ایسا نہ ہو۔ کہ موقع ہاتھ سے جاتا رہے۔ کیا تمہارا ارادہ جانے کا نہیں۔ جو تیاری نہیں کرتے؟

شوہر۔ میرے نزدیک یہاں سے جانا خلاف مصلحت ہے۔

میں۔ کیوں؟

شوہر مجھے یہ یقین ہے۔ کہ جس وقت بلوائی قلعہ دہلی کی دیوار کے نزدیک پہنچیں گے اور شہر کے دروازے کو بند۔ حفاظت کا سامان تیار اور تمام شہر کو آمادہ جنگ وجدل پائیں گے۔ بالضرور پریشان ہو کر بھاگ جائیں گے +

میں۔ خدا جانے تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ جو سوجھتی ہے۔ اُلٹی ہی سوجھتی ہے۔ بھلا اگر ایسا ہوتا۔ تو ولیم کیوں لکھتا۔ کہ بہت جلد یہاں سے بھاگ جاؤ +

شوہر۔ ولیم کا خیال غلط ہے جب امید ہے۔ کہ فتنہ بہت جلد فرو ہو جائے گا۔ تو کیوں بیوقوفوں کی طرح بھاگے بھاگے پھریں۔ جب یہاں کوئی محافظ نہ رہے گا۔ تو جس کا دل چاہے گا۔ آکر لوٹ لے گا + مثل مشہور ہے۔ خانہ خالی را دیو میگیرد + یہ کہا۔ اور ان سو ہندوستانی سپاہیوں کے پاس جا کر جو ہتیار بند ہماری حفاظت کے لئے کھڑے تھے کہنے لگا۔ "دیکھو اگر بلوائی۔ ہماری عمارت یا کاشت کی طرف رُخ کریں۔ تو ان کو روکنا نہیں بلکہ ان کے زخمیوں کے ساتھ احسان کرنا"+

یہ قول میرے شوہر کا اگرچہ بمقتضائے انصاف و دانشمندی تھا لیکن اس سے مطلب براری دشوار تھی۔ کیونکہ جنرل گرو ہمارے خانہ باغ کے سامنے صف آرائی کر کے باغیوں سے لڑ چکا تھا۔ یہی سبب تھا۔ کہ بلوائیوں نے ہماری عمارت اور باغ کا قصد کیا۔ اور یکبارگی سیلاب یا مور و ملخ کے دل کی طرح ہمارے باغ میں گھس آئے۔ اور زور زور سے چلانے لگے + "مارلو۔ کافر فرنگیوں کو"+

اب میرے شوہر کی آنکھیں کھلیں۔ اور سمجھا۔ کہ ہمارا ہی خیال درست تھا۔ وہ اپنی غلط راستے زنی پر بے حد شرمندہ ہوا۔ میں نے کہا ابھی کچھ نہیں گیا۔ جلد یہاں سے بھاگ چلو۔ ورنہ یاد رکھنا ہم میں سے ایک بھی نہ بچے گا۔ سب یہیں کھیت ہو کر رہ جائیں گے۔ میری اس تقریر نے اس پر اثر کیا۔ اور بھاگنے کی ٹھہر گئی + جھپا جھپ سب نے مل کر ضروری سامان کو ایک جگہ باندھا۔ اور جس قدر جواہرات اور زر و سیم و نقد و از قسم زیور ہمارے پاس تھا۔ سب باندھ کر ایلن نے اپنی بغل میں دبا لیا۔ اور ہم لوگ کوٹھی سے باہر نکل آئے۔ سائیس تین گھوڑے جو مہمانوں کے جانے کے بعد باقی رہ گئے تھے۔ ہمارے واسطے تیار لئے کھڑا تھا + ہم ان پر سوار

ہوئے۔ اور شہر کی جانب باگیں اٹھا دیں +

دوسرا حادثہ

چل دیئے ہیں چھوڑ کر دیر و حرم
جائیں گے جس جا خدا لے جائیگا

ہندوستانی ملازموں کی۔ بے وفائی اور کج ادائی کے متعلق میرا خیال غلط نہ تھا!
انہوں نے ٹھیک۔ اس وقت ہمارا ساتھ چھوڑ دیا۔ جب کہ ہم کو ان کی امداد کی بے حد
ضرورت تھی۔ یا تو سب۔ کے سب ہماری حمایت پر کمر باندھے کھڑے۔ تھے۔ یا باغیوں
کو باغ میں داخل ہوتا دیکھ کر یہ جا وہ جا +

جب ہم لوگ بھاگنے کے خیال سے سامان درست کر کے باہر نکلے۔ تو میدان
بالکل صاف تھا + جس نوکر کو آواز دے کر بلاتے تھے۔ وہی ندارد + تین سو نفوس میں
صرف دو آدمی ایسے تھے۔ جنہوں نے اپنی وفاداری کا پورا پورا ثبوت دیا۔ اور اپنے
ہر طرز عمل سے یہ بتلا دیا۔ کہ نمک شناس اور وفا شعار خدمت گزار ایسے ہوتے ہیں +
ان میں سے ایک تو وہ ہندو عورت تھی۔ جس نے میرے لڑکے ڈیل کو دودھ پلایا
تھا۔ اور تین برس سے اس کی تربیت میں مشغول تھی۔ دوسرا ہمارا فیل بان تھا۔
جو ایک عرصے سے اس خدمت پر مامور تھا +

فیل بان نے روانگی کے وقت تھوڑا سا کھانا۔ لباس اور بعض ضروری چیزیں
ہاتھی کے ہودج پر رکھ لی تھیں۔ اور ہمارے پیچھے پیچھے چلا آتا تھا۔ دائی ڈیل کو گود
میں لئے پاپیادہ ہمارے ساتھ تھی +

اُف وہ دن بھی عمر بھر نہ بھولے گا۔ کیسا قیامت کا وہ وقت تھا۔ جب ہم حسرت
سے اپنی کوٹھی اور کھیتوں کو دیکھتے ہوئے جاتے تھے۔ وہاں کی ایک ایک چیز دل کو
کھینچے لیتی تھی۔ میں دل میں کہتی تھی۔ کہ دیکھئے۔ اب پھر یہاں آنا نصیب ہوتا ہے۔ یا
نہیں۔ اور اگر مقدر لے بھی آیا۔ تو نہ معلوم کس حال میں پائیں گے۔ اے میرے معبود
کسی دشمن کو بھی یہ دن نصیب نہ کرنا +

کچھ دور چل کر مجھے خیال آیا۔ کہ دائی سے دیل کو لے لینا چاہئے۔ نہ معلوم کیا افتاد پڑے۔ اپنا بچہ اپنے ہی پاس بھلا ہے۔ فوراً باگ تھام کر دائی سے بچے کو لے لیا۔ اور پیار کر کے اپنے آگے بٹھا لیا۔ ایلین اور اس کا باپ دونوں باتیں کرتے آگے آگے جا رہے تھے۔ اور میرا گھوڑا پیچھے پیچھے تھا۔ جوں ہی ہم پل پر پہنچے غیب سے کچھ شور کی آواز سنائی دی۔ پیچھا پھیر کر جو دیکھا۔ تو وہ قیامت خیز منظر دکھائی دیا۔ کہ ہوش گم ہو گئے۔ بے اختیار ایک آہ کا نعرہ زبان سے نکلا + میری اس اچانک فریاد کو سن کر شوہر اور لڑکی نے گھوڑے روکے اور پوچھا کیا واقعہ ہے؟

میں۔ (اپنی کوٹھی کی طرف اشارہ کر کے) اُف یہ تو دیکھو کیا غضب ہو گیا۔ ہائے دشمنوں نے میرا گھر جلا کر خاک کر دیا۔ اُف کس غضب کے شعلے اُٹھ رہے ہیں۔ ہائے کیا کروں۔ کون اس وقت بے کسی میں فریاد رسی کرے۔ آف ظالموں نے گھر کیا جلایا۔ میرے دل کو پھونک ڈالا +

شوہر۔ بس بس صبر سے کام لو۔ تمہاری اس فریاد و فغاں سے کیا شعلے فرو ہو جائیں گے مفت میں دشمنوں کو اپنے اوپر ہنساتی ہو۔ اگر زندگی ہے۔ تو ایسی ایسی ہزار کوٹھیاں تیار کرا لیں گے +

میں۔ ہائے ان مصیبتوں پر صبر کرنے کے لئے کس کا دل لاؤں۔ میں ان کلفتوں کے برداشت کرنے کی کہاں عادی ہوں۔ اُف دل پر سانپ کیسے نہ چلے + وہ میرا شاندار مسکن جو برسوں محل عیش و شادمانی اور خانۂ نیک بختی و اقبال رہا تھا سب شعلوں کی نذر ہو گیا + یا اللہ دل کی لگی کا تو ہی مٹانے والا ہے۔ اے بے کسوں کے معبود ظلم و بیداد کی داد تیرے ہی ہاتھ ہے +

ایلین۔ اماں جان (روتی آواز سے) جو ہو گیا اسے چھوڑو۔ آیندہ کی خیر مناؤ۔ ابھی نہ معلوم ہمارے مقدر میں کیا لکھا ہوا ہے۔ خدا ان ظالموں کو دنیا سے کھوئے۔ کیسا ہمارے عیش و آرام میں خلل ڈالا ہے۔ کم بختوں کو اگر ایسی ہی عداوت تھی۔ تو لوٹ کر لے جاتے۔ بھلا جلانے سے کیا مل گیا +

کچھ دیر تک تو ہم حسرت بھری نگاہوں سے اپنی بضاعت کو جلتے دیکھتے رہے

پھر مجبوراً گھوڑوں کو آگے بڑھایا۔ پل پر اہل شہر کا بہت زیادہ ہجوم تھا۔ گردہ کے گروہ تحقیق حال کے لئے شہر سے نکل کر پل پر جمع ہو رہے تھے، جنرل گرد کی فوج کے بعض مفرور سپاہیوں نے یہاں پہنچ کر یہ خبر اڑا دی تھی۔ کہ جنرل مذکور شکست فاش کھا کر فراریوں کی طرح لڑتا ہوا پیچھے ہٹتا آ رہا ہے۔

شہر والے باوجودیکہ دل میں پوری پوری عداوت ہم انگریزوں سے رکھتے تھے مگر اس وقت تک خوف کے مارے زبان سے کچھ نہ کہہ سکتے تھے۔ اس خبر کے سنتے ہی ان کی ہمتیں بڑھ گئیں۔ اور قوی دل ہو کر کینۂ دیرینہ کو ظاہر کرنے لگے۔ کبھی وحشیوں کی طرح نامہذب حرکات کرتے تھے۔ کبھی گستاخانہ الفاظ بکنے لگتے تھے۔ کبھی ہم لوگوں کو دیکھ کر طعن آمیز باتیں اور بہتان چست کرتے تھے۔ حالانکہ اس سے قبل صلح و امن کے زمانے میں یہ لوگ ہم انگریزوں کے ساتھ نہایت مہذبانہ اور مؤدبانہ برتاؤ کرتے تھے۔ جس وقت بھی ہم لوگوں میں سے کوئی کسی مقام پر آ جاتا تھا تو یہ لوگ نیچے کو ہاتھ ڈال کر ایک طرف کو ہو جاتے تھے اور نہایت تعظیم و تکریم سے جھک جھک کر سلام بجا لاتے تھے۔ آج کہ شورش برپا ہے۔ اور ہمارا رایت اقبال نگوں سا ہے۔ وہی لوگ ہم کو آنکھیں دکھاتے ہیں۔ جو بار اطاعت سے مثل کمان خمیدہ رہتے تھے۔ آج تیر کی مانند سیدھے ہیں، جو دل ہمارا نام سن کر لرزتے تھے۔ آج ہمارے خوف سے کوسوں دور ہیں۔ ایک وقت وہ تھا۔ کہ شہر میں سے جو انگریز گزرتا تھا۔ عزت کی نگاہیں اس کے خیر مقدم کو اٹھتی تھیں۔ ایک وقت یہ ہے۔ کہ ہر ذلیل سے ذلیل ہندوستانی ہماری توہین و تحقیر پر آمادہ ہے۔ جس کی طرف دیکھو آنکھوں سے خون گرا رہا ہے۔ غصے سے دانت پیستا ہے۔ گو زبان سے نہ کہیں مگر ان کی زبان حال یہ کہہ رہی ہے۔ کہ یہ مملکت ہندوستانی ہے۔ جو بطور وراثت ہم کو ہمارے اجداد سے پہنچی ہے۔ تم دوسرے ملک کے رہنے والے کس حق سے ہمارے اوپر حکومت کر رہے ہو؟ کس دلیل سے حاکم علی الاطلاق بن کر ہمارے اموال و املاک پر قابض و متصرف ہو؟

خلاصہ یہ کہ میں ان کی چشم غضب ناک اور چیں بہ جبیں دیکھ کر سہمی جاتی تھی۔

گھوڑے کو آگے توبڑھاتی تھی۔ مگر دل کا اللہ ہی مالک تھا۔ اُف کیا غضب ہوتا۔ اگر اس وقت کسی کا گھوڑا چراغ پا ہو جاتا۔ یا سرکشی کرنے لگتا۔ وہ ظالم تو ہم کو کچا کھا جاتے۔ آہ۔ کاش ایسا ہوتا۔ اور باغیوں نے ہم کو پکڑ کر دریا میں ڈبو دیا ہوتا۔ تاکہ ان روح فرسا حوادث کا سامنا نہ ہوتا۔ جو اس کے بعد پیش آئے +

غرض کہ بمشکل تمام ہم لوگ پل سے گزر کر کلکتیہ دروازے پر پہنچے + یہاں خلایق کا اس قدر اژدھام تھا۔ کہ خدا کی پناہ۔ کسی طرح شہر میں داخل ہونا ممکن ہی نہ تھا۔ یہاں تک کہ ہمارے مہمان جو ہم سے ایک گھنٹہ قبل روانہ ہوئے تھے۔ اب تک یہاں رُکے ہوئے تھے۔ ہندوستانی ٹولے دیکھتے دیکھتے نکل ہی جاتے تھے۔ مگر ہم انگریزوں کے لئے راستہ بالکل بند تھا۔ ایک طرف جو میری نظر گئی۔ تو دیکھتی کیا ہوں۔ کہ وہ خواتین جو ہمارے یہاں میرٹھ اور سکندر آباد وغیرہ سے آئی تھیں۔ اور ہم سے پہلے بھاگ کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ بھی وہیں کھڑی ہوئی ہیں۔ انہوں نے مجھے دیکھ کر اشارہ کیا۔ کہ گھوڑے سے اُتر آؤ۔ میں نے آہستہ سے سبب پوچھا۔ تو ایک نے ان میں سے کہا۔ کہ یہ لوگ ہم فرنگیوں سے برسوں سے کینہ اور عداوت رکھتے تھے۔ مگر انہیں اس کے اظہار کا موقعہ نہ ملتا تھا۔ اب اپنے ہم وطنوں کے ہاتھوں ہم کو مغلوب دیکھ کر ایذا رسانی پر آمادہ ہیں۔ پس ہم جہاں تک بھی ان کی نگاہوں سے پوشیدہ رہیں بہتر ہے +

اسی اثنا میں اس محلے سے جس میں انگریز حکام رہتے تھے۔ ہائے ہو کی صدا بلند ہوئی۔ ایک لحظے کے بعد معلوم ہوا۔ کہ بلوائیوں کے ایک بڑے گروہ نے کچہریوں پر حملہ کر دیا۔ اور چلا چلا کر کہہ رہے ہیں۔ "انگریزوں کو مار ڈالو" اس آواز نے جو تمام فضائے آسمانی میں گونج رہی تھی۔ ہمارے دلوں کو ایسا صدمہ پہنچایا۔ کہ جانوں پر آبنی ہم کو کوئی امید زندگی کی اور کوئی راستہ نجات کا دکھائی نہ دیتا تھا +

دو تین منٹ سے زیادہ نہ گزرے تھے۔ کہ ہندوستانیوں نے ایک ذی مرتبہ انگریز کو ہمارے سامنے گھوڑے سے کھینچ کر زمین پر لاڈالا۔ اور لات گھونسا۔ لکڑی سے اسے ادھموا کر کے شہر کے خندق میں جو کیچڑ سے بھرا ہوا تھا۔ ڈال دیا +

ہم اپنے گھوڑوں سے اتر پڑے تھے۔ اور اس بات پر شکر خدا کر رہے

تھے۔ کہ آفتاب قریب قریب غروب اور روشنی روبزوال ہوئی۔ فیل بان آہستہ آہستہ
ہاتھی آگے کو بڑھاتا جاتا تھا۔ اور ہم اس کے پیچھے پیچھے دبکے ہوئے چپ چاپ چلے
جاتے تھے + چونکہ فیل بان ایک ہندوستانی آدمی تھا۔ اس لئے کوئی اس سے تعرض
نہ کرتا تھا۔ اور ہم شر اعدا سے محفوظ تھے۔ جس انگریز تاجر کے یہاں ہم کو پناہ گزیں ہونا
تھا۔ اس کا پتہ فیل بان کو پہلے سے بتا دیا گیا تھا۔ چنانچہ وہ اسی طرف بغیر ہم سے بات
چیت کئے چلا جاتا تھا +

دو تین بار میرے دل میں آیا۔ کہ ویل کو ہاتھی کے ہودج میں بٹھا دوں۔ کیونکہ
وہ لوگوں کا ہجوم دیکھ کر سہما جاتا تھا۔ اور میں بھی گود میں لئے لئے تھک گئی تھی +
لیکن وہ اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ میری گردن میں ڈالے اس طرح چمٹا ہوا تھا۔ کہ
میرے دل نے جدا کرنا گوارا نہ کیا +

جس قدر ہندوستانیوں کا شور و غل زیادہ ہوتا جاتا تھا۔ اسی قدر ہم کو اپنی زندگی
سے مایوسی ہوتی جاتی تھی۔ کچھ ہی دور گئے تھے۔ کہ ناگاہ دور سے بہت سی مشعلیں جن کی
روشنی سے رات دن کی مانند بن رہی تھی۔ دکھلائی دیں۔ اور ان کے پیچھے ایک غول
ہندوستانیوں کا کالے سروں پر بڑے بڑے عمامے باندھے شور مچاتا اور انگریزوں
کو ناسزا الفاظ کہتا چلا آتا تھا + ہم لوگ ایک گوشے میں ہو رہے۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ ان
کی نگاہ نہ پڑی۔ اور ہم صاف بچ گئے +

قلعہ سلیم غوری کے نزدیک پہنچ کر دیکھا۔ کہ توپچی توپوں کو بھرے فتیلے جلائے
منتظر بیٹھے ہیں۔ کہ جس وقت بلوائیوں پر سر کرنے کا حکم ہو۔ فوراً توپوں کو فتیلا دکھا دیں لیکن
افسوس چونکہ وہ سب ہندوستانی تھے۔ اور دل میں ہم انگریزوں سے جلتے تھے۔
حکومت کا رنگ بگڑتا دیکھ کر سب کے سب خدمت سے دست بردار ہو گئے۔ اور بجائے
حمایت کرنے اور بلوائیوں کو روکنے کے خود خون کے پیاسے بن گئے۔ توپوں کا داغنا
کیسا۔ فتیلوں کو خندق میں ڈال جنگی ہتھیار لے بھاگے۔ اور فرقہ باغی میں جا ملے +

بلوائیوں نے جب قلعہ والی فوج کو اپنا مددگار پایا۔ تو ان کی ہمتیں اور بھی بڑھ
گئیں۔ سب نے خوش ہو کر ایک دوسرے سے ہاتھ ملایا۔ اور خوشی کے نعرے بلند کئے +

سڑکوں پر لوگ جا بجا غٹا غٹ بھرے پڑے تھے۔ کسی طرف جانے کو راستہ نہ ملتا تھا۔ ہم ابھی تک شہر میں داخل نہ ہوئے تھے۔ بیرونی راہ سے گزر رہے تھے۔ فیل بان ہاتھی کو بہت ہی آہستہ آہستہ ہانک رہا تھا۔ اگر اس وقت ذرا سی ہمت کر کے بلوائیوں کے مجمع کو چیرتا پھاڑتا نکل جاتا۔ تو چند ہی قدم کے بعد ہم شہر کے اندر داخل ہو کر بلوائیوں کے شر سے کسی قدر مطمئن ہو جاتے +

خدا خدا کر کے بڑی دقت سے ریلتے پیلتے دروازہ شہر کے نیچے پہنچے چاہتے تھے۔ کہ اندر داخل ہوں۔ کہ اندر کے ایک غول نے باہر جانے کے لئے ایسا ریلا دیا۔ کہ ہم مثل اس خس و خاشاک کے جس کو دریا کا تموج دم بھر میں کہیں سے کہیں پہنچا دے۔ گزوں دروازے سے دور ہو گئے +

فیل بان نے پھر کوشش کر کے ہاتھی کو بڑھانا چاہا۔ لیکن یکایک کچھ ایسی گڑبڑ مچ گئی۔ کہ پیروں تلے کی زمین نکل گئی + اندر اور باہر کے لوگوں میں ایک ہنگامہ بپا ہو گیا باہر سے توپوں کے دغنے کی آواز اندر سے بندوقوں کے فیر کی صدا۔ فریاد و غوغا کا شور ایسا پیدا ہوا۔ کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ وہ مقام اس وقت قیامت کا میدان بنا ہوا تھا۔ کسی کو کسی کی خبر نہ تھی +

ہم اس وقت خوش قسمتی سے ایک اندر جانے والے بڑے گروہ کے پیچھے ہو گئے۔ جو مجمع کو زبردستی چیرتا پھاڑتا۔ ریلتا پیلتا۔ بہزار خرابی شہر کے اندر داخل ہو گیا۔ دروازے سے تک پچاس ساٹھ قدم آگے تک یہی کش مکش اور دھکم دھکا تھا۔ جب کوئی زور کا ریلا اِدھر اُدھر سے آتا تھا۔ تو کئی کئی قدم بے قابو ہو کر ہٹ جاتے تھے۔ یہ حالت برابر اس وقت تک رہی۔ جب تک کہ ہم دروازے کے سامنے والے کھلے میدان میں نہ پہنچے +

وہیں ہم کو پتہ چلا۔ کہ جس فوجی گروہ کے پیچھے ہم یہاں تک پہنچے یہ وہی شکست خوردہ فوج تھی۔ جو جنرل گرو کی ماتحتی میں میرٹھ کے بلوائیوں سے شکست کھا کر بھاگی تھی + جیسے ہی جنرل گرو شہر کے دروازے میں داخل ہوا۔ پل کے تختے اٹھانے اور شہر کی راہ بند کر دینے کا حکم دیا گیا۔ ابھی اس کے حکم کی تعمیل نہ ہونے پائی تھی۔

کہ باغیوں نے پل سے اُتر دروازے پر اپنا قبضہ کر لیا۔ جب دروازہ ان کے ہاتھ میں آگیا۔ تو شہر دہلی جو سلاطین گورگانیہ کا پایہ تخت تھا۔ ان کے قبضے سے کب بچ سکتا تھا+ میں شہر دہلی کے بلوائیوں کے قبضے کی حالت کو بالتفصیل نہیں بیان کرتی۔ کیونکہ میرا مقصد تو اپنی بیتی لکھنا ہے۔ نہ جگ بیتی+

ناظرین! میرا مولا انگلستان نہیں ہے۔ میں ایک فرانسیسی خاتون ہوں۔ لیکن میرا شوہر چونکہ انگریز ہے۔ اور اس سے میرے دو بچے ہیں۔ لہٰذا میں اپنے کو انگلش لیڈی ہی مانتی ہوں+

کاش تمام انگریزی جھنڈے ہندوستان میں سرنگوں ہو جاتے۔ کاش دنیا کی تمام انگریزی فوجیں فنا ہو جاتیں۔ اس سلطنت کی تمام ثروت و قوت ضعف و ذلت سے بدل جاتی۔ مگر میرے شوہر اور اولاد کی جان سلامت رہتی۔ اور میں بدبخت اس روز بد کا منہ نہ دیکھتی۔ یہ میری مجنونانہ بڑ نہیں۔ یہ غفلت و بیہوشی کی تقریر نہیں۔ یہ ٹوٹے دل کی صدا ہے یہ زخمی جگر کی آہ ہے۔ یہ ایک فلک ستائی آفت کی ماری۔ سوختہ دل سوختہ جگر بیوہ کے نالے ہیں۔ جو قیامت تک سننے والوں کے دل ہلائیں گے+ دنیا کی عورتیں جب میری اس دردناک سرگزشت کو سن کر میری پر حسرت واندوہ زندگی کا تصور کریں گی۔ تو یقیناً دنیا اور لذات دنیا سے ان کا دل کھٹا ہو جائے گا+ پیاری بہنوں! مہربان دوستو! یہاں کا عیش۔ یہاں کی لذت۔ یہاں کی عزت یہاں کی حکومت محض ایک دھوکا ہے۔ فقط ایک شعبدہ ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔ جس کے لئے کسی قسم کا ثبات و قرار نہیں+

معزز بہنو! میں بدبخت کنبہ موئی گو نام کو جیتی ہوں۔ مگر یہ وہ زندگی ہے۔ جس پر موت کو ترجیح ہے۔ یہ وہ زلیست ہے۔ جس سے مرگ بہتر ہے+ ؎

کیا مزہ زلیست کا جب کوئی پرستار نہ ہو۔
گھر وہ ہے قبر سے بدتر جہاں دلدار نہ ہو+

ہائے کہاں سے ان صورتوں کو ڈھونڈ کر لاؤں۔ کہاں سے وہ بھولی بھالی موہنی مورتیں پاؤں۔ جن کو دیکھ کر میں باغ باغ ہوتی تھی۔ جن کے دم سے غنچۂ دل شگفتہ تھا۔ جن کے باعث دنیا میں جینے کا مزہ تھا۔ آہ سب زمین کا پیوند ہو گئے۔ میں سیاہ بخت

حرماں نصیب قیامت کے یورپئے اُٹھانے کو رہ گئی + ۵

ایسے جینے کا الٰہی نہیں ارماں مجھ کو۔
اب ستاتی ہے بہت گردش دوراں مجھ کو +

آمدم برسر مطلب - ہم لوگ فیل بان کے سہارے برابر راستہ طے کرتے جاتے تھے - اور خدا سے دعا کر رہے تھے - کہ کہیں جلدی سے اس تاجر کا مکان آجائے - درمیان راہ میں ایک مرتبہ جو میری نگاہ اپنے شوہر کے چہرے پر پڑی - تو رنجیدگی کے آثار معلوم ہوئے +

میں - اس وقت آپ کے بشرے سے کسی قدر بددلی اور گرفتگی کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں؟ میرا خیال درست ہے؟

شوہر - بے شک تم سچ کہتی ہو +

میں - کیا سبب؟

شوہر - اس سے بڑھ کر اور کیا سبب ہو سکتا ہے - کہ انسان اپنی رائے کے مطابق عمل نہ کر سکے +

میں - کیوں! خدانخواستہ تم کو کس نے روکا +

شوہر - جب اپنی کوئی رائے دوسروں کی نظر میں موقر ہی نہیں - تو اس کا ظاہر کرنا بھی فضول ہے +

میں - یہ آج کیسی اُکھڑی اُکھڑی باتیں کر رہے ہو - میں اس چیستان کو کیا سمجھوں - صاف صاف کہو - آخر اس سے تمہارا مطلب کیا ہے؟

شوہر - مطلب یہ ہے - کہ اس موقع پر میرے اور تمہارے خیالات میں زمین و آسمان کا فرق ہے - تم چاہتی ہو - کہ میں بزدل بن کر کسی گھر میں چھپ رہوں - اور جو کچھ ذلت ہو وہ برداشت کروں - اور میرا عقیدہ یہ ہے - کہ ہر غیرت مند انگریز کو وطن پرست - دولت پرست - اور قوم پرست ہونا چاہئے + جان فدا کر دے - لیکن غیر ملک میں اپنے ناموس پر حرف نہ آنے دے +

میں - میں نے کب آپ کے اس خیال کی مخالفت کی - میں نے کب آپ کو ہم وطنوں

کی حمایت کرنے سے روکا۔ جو کچھ آپ کا خیال ہے۔ اس کو ضرور پورا کیجئے۔ مگر ہاں ہم بے کسوں کے کسی جگہ رہنے کا ٹھکانا کرتے جائیے۔ تاکہ بعد آپ کے دشمنوں کے ہاتھوں میں اسیر و ذلیل نہ ہوں +

شوہر۔ خیر دیکھا جائے گا۔ اب تو جہاں کا ارادہ ہے۔ وہاں پہنچنا ہے +

خلاصہ یہ کہ ہم اپنے ہاتھی کے پیچھے پیچھے ہجوم خلائق کے درمیان سے گورنمنٹ پارک کو طے کرتے سینٹ جیمس گرجا کے پیچھے سے نکلے + اس مسافت بعیدہ کو ہم نے اس لئے گوارا کیا۔ کہ قلعہ کے مقابل سے جہاں بلوائیوں کا مجمع تھا۔ نہ گزریں +

جب ہم اس تاجر کے مکان پر پہنچے۔ جس کے یہاں مہمان ہونے کا ارادہ تھا تو مکان کو ہر طرف سے بند پایا۔ ادھر ادھر نظر دوڑائی۔ کہ شاید کوئی نوکر چاکر ہو۔ تو اس سے اطلاع کرائیں۔ وہاں کون تھا۔ آدم نہ آدم زاد۔ چاروں طرف ایسا سکوت چھایا ہوا تھا۔ گویا برسوں سے اس مکان میں کوئی شخص رہتا ہی نہیں۔ میرے شوہر نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ لیکن صدائے برنخاست +

میں نہیں کہہ سکتی۔ کہ اس تاجر نے جو میرے شوہر کا بڑا سچا جاں نثار تھا۔ اس وقت میں ہم سے کیوں منہ چھپایا۔ آیا ہمارے پناہ دینے کو اس نے عار سمجھا۔ یا کوئی خطرہ محسوس کیا۔ یا خود غرضی کو کام میں لایا + اگر میرا خیال درست ہے۔ تو پھر بتاؤ۔ انسان دنیا میں کس پر بھروسہ کرے؟ دوست اسی لئے ہوتے ہیں۔ کہ بُرے وقت میں کام آئیں۔ نہ یہ کہ بُرے وقت میں منہ موڑ لیں +

فیل بان ہمارے اضطراب کو دیکھ کر ہاتھی سے اُترا۔ اور چاروں طرف جستجو میں گھومنے لگا + میں نے شوہر سے کہا۔ ایک بار اور کھٹکھٹاؤ۔ ممکن ہے۔ کہ باغیوں کے خوف سے کسی گوشے میں جا چھپے ہوں۔ اور ہماری آواز نہ پہنچی ہو + شوہر نے میرے کہنے سے تیسری بار اس قدر زور سے کواڑوں کو جھنجھوڑا۔ کہ چولیں تک ہل گئیں + اب کی بار ایک بوڑھی عورت نے کھڑکی سے سر نکال کر کہا +

عورت۔ کس کو پکارتے ہو؟

صاحب۔ تمہارا صاحب کہاں ہے؟

عورت ۔ صاحب اپنے دونوں لڑکوں کے ساتھ ہتھیار لگا کر اس مقام پر گئے ہیں ۔ جہاں سب انگریز جمع ہیں ✦

صاحب ۔ اور ان کی عورتیں کہاں ہیں ✦

عورت ۔ ان سب کو محلے میں ایک ہندو شریف آدمی کے یہاں پہنچا دیا ہے ۔ آپ لوگوں کو بھی زیادہ توقف نہ کرنا چاہیئے ۔ کیونکہ آج کی رات باغی اس محلے کو بلکہ گھر کو ضرور لوٹنے آئیں گے ۔ ان کو پتہ چل گیا ہے ۔ کہ اس گھر میں مال بہت ہے ✦

اتنا کہہ کر اس عورت نے کھڑکی بند کر لی ۔ اور ہم حیران و پریشان کوچہ میں کھڑے کے کھڑے رہ گئے ✦

میرے شوہر کا تو دلی ارادہ یہ تھا ۔ کہ کسی طرح اپنے کو ہم وطنوں کے گروہ میں پہنچا دے ۔ اور ان کے ساتھ مل کر بلوائیوں سے جنگ و جدل کرے ۔ لیکن بی بی اور بچوں کی محبت یہ گوارا نہ کرتی تھی ۔ کہ اس پر آشوب زمانے میں رات کے وقت ہم کو کسی گلی کوچے میں تنہا چھوڑ کر چلا جائے ✦

اس وقت ہم کو بے حد افسوس ہوا ۔ کہ گھوڑوں کو شہر سے باہر کیوں چھوڑ دیا اگر وہ ہوتے ۔ تو بات کہتے کشمیری دروازے پر پہنچ کر جنرل کرو کی فوج سے جا ملتے لیکن اب کہ کوئی سواری پاس نہیں ۔ کم از کم ایک گھنٹہ راہ طے کرنے کے لیئے درکار ہے ۔ ہم پیادہ چلنے سے نہیں گھبراتے تھے ✦ ہمیں تو بندوقوں کی متواتر آواز ۔ بلوائیوں کی چیخ و پکار ۔ گرفتاری کا خوف ایسا پریشان کر رہا تھا ۔ کہ دو قدم بھی چلنا دشوار تھا ✦

دور سے جو رہ رہ کر شور و غوغا بلند ہوتا تھا ۔ اس سے یہ پتہ چلتا تھا ۔ کہ بلوائی غالب اور انگریز مغلوب ہیں ✦ ہماری حالت اس وقت میں بہت نازک تھی ۔ کیونکہ کوئی شخص ایسا نظر نہ آتا تھا ۔ کہ اس کے گھر جا کر پناہ لیں ۔ فیل بان حبیب دریافت کرتا تھا ۔ کہ اب کس طرف چلنے کا قصد ہے ۔ تو ہم لوگ خاموش ہو جاتے تھے ✦ آہ ۔ وہاں کون ایسا تھا ۔ جو بے کسوں کے حال پر رحم کھا کر اپنے گھر میں پناہ دیتا ✦

میری دختر مہو مہر سکوت لب پر لگائے ۔ ہمارے ساتھ ساتھ تھی ۔ اور جس کا عزیز شوہر کی یاد میں حال غیر تھا ۔ ایک مرتبہ غصے سے بولی ✦

ایلن۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ آپ لوگ اس کوچہ میں کس غرض سے کھڑے ہیں؟

میں۔ بیٹیا! پھر کہاں جائیں؟ کس کا سہارا ڈھونڈیں؟

ایلن۔ کسی کا سہارا ڈھونڈنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ ہتھیار خانے کی طرف کیوں نہیں چلتے؟

چونکہ ولیم ہتھیار خانے پر متعین تھا۔ اس لئے ایلن چاہتی تھی۔ کہ کسی صورت سے اپنے شوہر کے پاس پہنچ جائے؟

میرا شوہر لڑکی کے اس فقرے سے خوش ہوکر بولا۔ "سچ تو کہتی ہے۔ اگر ہم وہاں پہنچ جائیں گے۔ تو ضرور دشمنوں کے شر سے محفوظ رہیں گے" چلو بس سیدھے وہیں کو چلو"؟

ابھی تاجر کے کوچے سے قدم نہ نکالا تھا۔ کہ دو عظیم ہلکوں میں گرفتار ہو گئے یعنی پشت کی جانب نظر کی۔ تو دیکھا۔ کہ بلوائیوں کا ایک گروہ مشعلیں جلائے۔ بندوقوں پر سنگینیں چڑھائے دوڑتا چلا آتا ہے۔ اور دہلی کے سابق بوڑھے بادشاہ کی تخت نشینی کے متعلق گفتگو ہوتی آتی ہے۔ ادھر منہ پھر اکر سامنے نظر ڈالی۔ تو شہر کے بدمعاشوں کا ایک بہت بڑا گروہ باغیوں کی جماعت سے ملحق ہونے کے لئے آرہا تھا۔ تاکہ سب مجتمع ہوکر فرنگیوں کے قتل و غارت میں حصہ لیں؟

اگر اس وقت ہاتھی ہمارے سامنے نہ ہوتا۔ تو بے شبہ ہم ان دونوں گروہوں کے درمیان آکر پس جاتے؟ دور تک ہم ہاتھی ہی کی آڑ میں آہستہ آہستہ چلتے رہے اتفاقاً داہنی جانب ایک بڑا پھاٹک نظر پڑا پھاٹک نظر پڑا۔ ہم اس کے اندر داخل ہو کر روپوش ہو گئے؟

یہ دونوں گروہ باہم محل شاہی کی طرف روانہ ہوئے۔ اور ہم سے کسی نے تعرض نہ کیا؟ بعض نشانات سے میں نے یہ معلوم کیا۔ کہ یہ میرٹھ کے باغیوں کی نمبر؟ والی ہندوستانی پلٹن تھی۔ جو اپنے انگریز سرداروں کے سروں کو سنگینوں پر چڑھائے لئے جاتی تھی؟

جب یہ لوگ بہت دور نکل گئے۔ تو ہم اس پھاٹک سے نکل کر پھر سلح خانے

کی طرف اس صورت سے روانہ ہوئے۔ کہ میرا شوہر ایلین کا بازو پکڑے آگے آگے اور میں ویل کو چھاتی سے لگائے اس کے پیچھے پیچھے۔ میرے عقب میں ہماری وفادار خادمہ ویل کی دائی تھی۔ شاہی باغ کی دیوار سے ملے ملے ہم تیزی کے ساتھ چلے جاتے تھے۔ کہ ایک اور بلا سر پر آئی۔ جامع مسجد سے متصل جس کوچہ سے ہم گزرنا چاہتے تھے۔ اس میں خلائق کا اژدھام نظر آیا۔ باوجودیکہ باغی لوگ جابجا سے زخمی تھے۔ کوچہ میں داخل ہو کر دلیرانہ حملہ کر رہے تھے۔ پوچھنے سے معلوم ہوا۔ کہ اس جنگ کا باعث یہ ہے۔ کہ جامع مسجد پر گوروں کا رسالہ بندوقیں لئے بیٹھا تھا۔ جو باغی سپاہی ادھر سے گزرتا تھا۔ اس کے گولی ماردی جاتی تھی۔ ان لوگوں کو اس عمل درآمد پر سخت غصہ آیا۔ اور سب نے مل کر دلیرانہ حملہ کیا۔ مقصد ان کا یہ ہے۔ کہ گوروں کو جامع مسجد سے ہٹا کر خود قابض ہو جائیں۔

مسجد کے اطراف وجوانب میں جو انگریزوں کے مکانات تھے۔ ہندوستانیوں نے ان میں آگ لگادی تھی۔ اور جو جس کے ہاتھ لگتا تھا لئے چلا جاتا تھا۔ ان لوگوں میں ہمیں ایک جماعت ایسی بھی نظر آئی۔ جن کے چہرے نہایت خونخوار۔ صورتیں۔ نہایت وحشیانہ حرکات نہایت نامہذب تھیں۔ ہندوستان میں ہمارا قیام بیس سال سے تھا۔ لیکن آج تک ایسی خوفناک صورتیں نہ دیکھی تھیں۔ یہ دیوزاد درندہ صفت جلتے گھروں میں کود پڑتے تھے۔ اور جلتی ہوئی کڑیاں یا تختے کھینچ کر دوسرے گھروں کو آگ لگانے کے لئے ڈال دیتے تھے۔ اسی ترکیب سے وہ برابر مکان پھونکتے چلے جاتے تھے۔ بدقسمتی سے ہوا بھی اس روز بہت تیز تھی۔ گزوں اونچی لپٹیں اٹھتی تھیں۔ اور اونچی اونچی عمارتوں کو خاک میں ملاتی چلی جاتی تھیں۔

خلاصہ یہ کہ باغیوں کی جماعت کوچہ کے دونوں طرف موجود تھی۔ اور ہم ان کے بیچوں بیچ بے یار و مددگار۔ حسن اتفاق سے میری نظر ایک مکان کے دروازے پر جا پڑی۔ جس کے اندر باغی گھسے ہوئے مال و اسباب لوٹ رہے تھے۔ ایسی حالت میں اس طرف رخ کرنے کی جرأت تو نہ ہو سکتی تھی۔ مگر یہ دیکھ کر۔ کہ اس کے گوشے نہایت تیرہ و تار ہیں۔ میں نے شوہر اور لڑکی کو اشارہ کیا۔ کہ چلو ہم تھوڑی دیر یہاں چھپ رہیں

خدا کا شکر ہے۔ کہ کسی نے ہم کو وہاں جاتے ہوئے نہ دیکھا۔ اور ہم دروازے کے ایک گوشے میں پنہاں ہو گئے +

فیل بان جو کوچہ کے کنارے تک ہمارے ساتھ تھا۔ اس خیال سے دوسری جانب چلا گیا۔ کہ اسے ہاتھی کو آگے بڑھانے کا موقع نہ ملتا تھا۔ ویل جو میری گود میں دیر سے سو رہا تھا۔ باغیوں کے شور و غل سے جاگ اُٹھا۔ اور ڈر کر رونے لگا۔ اس کی آواز بلند ہوتے ہی میرے اوسان خطا ہو گئے + سمجھی کہ اس کی آواز سن کر سب کے سب یہاں آگھسیں گے۔ اور ہم کو بغیر قتل کئے۔ نہ چھوڑیں گے۔ ہر چند میں اس کو چمکارتی تھی۔ دبی آواز سے لوریاں دیتی تھی۔ مگر وہ کب چپ ہونے والا تھا + بچے بیچارے کو کیا معلوم۔ کہ بدنصیب ماں باپ کس حال میں ہیں؟ خدا کا بڑا فضل ہوا۔ کہ وہ تھوڑی دیر رو کر خاموش ہو رہا۔ ورنہ قتل ہو جانے میں شک ہی کیا تھا +

تیسرا حادثہ

الٰہی کس بے گنہ کو مارا سمجھ کے قابل نے کشتنی ہے
کہ آج کوچہ میں اس کے شور بائی ذنبِ قتلتنی ہے +

جس دروازے میں ہم روپوش تھے۔ وہ دہلی کے ایک متمول انگریز کا مکان تھا۔ لیکن اس میں صاحب خانہ کا نہ پتہ تھا۔ نہ کسی ملازم کا۔ ہندوستانیوں کی ایک جماعت اوپر نیچے کمروں میں بلیوں اور بندروں کی طرح دوڑتی پھرتی تھی۔ مکان کی تمام کھڑکیاں اور آئینے توڑ توڑ کر زمین پر پھینک دیئے تھے۔ پردے اُتار ڈالے تھے۔ کرسیاں، میزیں۔ اور دوسرا چوبی سامان گھر بھر سے لا لا کر صحن میں اکٹھا کر دیا تھا۔ گویا وہ اپنے قواعد مذہبی کے مطابق کسی مردہ کو یا مردہ شوہر کے ساتھ بیوی کو جلانے والے تھے +

بعض لوگ برہنہ شمشیریں اور خنجر ہاتھوں میں لئے نہ خانوں اور کمروں میں گھوم رہے تھے +

جس طرح شکاری کتے جب کسی شکار پر چھوڑے جاتے ہیں۔ اور اس کو پکڑ لینے کے بعد اپنے تیز اور نوکیلے دانت غریب جانور کی کھال میں گھونپ دیتے ہیں۔ تو وہ عاجزانہ آواز بلند کرتا ہے۔ اسی طرح یہ ہندوستانی بھی شکار کی جستجو میں چاروں طرف پھر رہے تھے۔ اور اپنے آبدار خنجروں اور زہر آلود تلواروں سے ہمارے ہم وطنوں کا خون بہاتے تھے۔ چنانچہ اکثر مقتولوں اور زخمیوں کی دردناک آواز بھی ہمارے کان میں آجاتی تھیں +

ہم اپنے مقام سے ان لوگوں کی خوں ریزی کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ اور ہر وقت دل کو یہ دھڑکا لگا ہوا تھا۔ کہ جس وقت یہ لوگ باہر نکلیں گے۔ تو لامحالہ اسی دروازے سے گزریں گے۔ اگر خدانخواستہ کسی کی نظر ہم پر پڑ گئی۔ تو ایک بھی زندہ نہ بچے گا۔ میں نے اپنے شوہر سے آہستہ سے کہا۔ کہ اب یہاں سے کسی دوسری طرف کھسک جانا چاہیئے + عنقریب یہ لوگ اپنا کام کر کے باہر نکلنے والے ہیں۔ چنانچہ اس رائے کے موافق ہم دروازے سے آہستہ آہستہ نکل کر صحن کے اس گوشے میں چلے گئے۔ جہاں درختوں کی کثرت سے خوب تاریکی ہو رہی تھی +

اتفاق کی بات اسی جگہ کے پاس جہاں ہم پوشیدہ تھے۔ ایک راستہ تہ خانے میں کو تھا۔ یکایک وہاں سے ہائے ہائے کے ساتھ کچھ بات چیت کی آواز آئی دو چار تپنچوں کے فیر بھی ہوئے۔ تھوڑی دیر میں زمین کے نیچے سے کچھ روشنی سی نمودار ہوئی۔ اور ساتھ ہی چند ستم رسیدہ انگریز ہندوستانیوں کے ہاتھوں میں گرفتار دیکھے + جو آواز پےدرپے ہمارے کانوں میں نالہ و فریاد کی آرہی تھی۔ وہ انہیں نو گرفتاروں کی تھی +

مشکل سے دو تین منٹ گزرے ہوں گے + کہ باغی ایک مرد بالا قامت کو کشاں کشاں زمین کے نیچے سے لیئے ہوئے نکلے۔ اور اس آگ کے ڈھیر کے پاس جو انہوں نے صحن خانے میں پہلے سے تیار کر رکھا تھا لے گئے + یہ بیچارہ دہلی کے بڑے نامور انگریزوں میں سے تھا۔ میں سمجھی تھی۔ کہ اول اس کو مار ڈالیں گے۔ پھر لاش کو آگ میں پھونک دیں گے۔ مگر ان سخت دلوں نے اس کو زندہ ہی

آگ میں ڈال دیا۔ اور گرداگرد تلواریں اور خنجر کھینچ کر کھڑے ہو گئے۔ جب وہ بے چارہ شعلوں سے بچ کر بھاگنا چاہتا تھا۔ خنجر کی نوکوں سے تلواروں کی دھاروں سے چرکے دے دے کر پیچھے کو لوٹا دیتے تھے + وہ بھی ایسا غیرت مند جوان تھا۔ کہ دو تین بار لوٹ جانے کی کوشش کی۔ پھر خاموش ہو رہا۔ اور دشمنوں سے کسی قسم کی التجا نہ کی + البتہ ہاتھ اٹھا کر اسی جاں کنی کے عالم میں کچھ خدا سے دعا مانگی۔ اور جھلس کر رہ گیا +

میں نے اس وقت اپنے منہ میں رومال بھر لیا تھا۔ کہ مبادا اس جانکاہ منظر کا مشاہدہ شدت دہشت سے فریاد بلند کرا دے۔ اور وہ وحشی بے رحم ہم پر ٹوٹ پڑیں۔ اور اسی طرح آگ کا ایندھن بنا دیں +

میں نے ہندوستانیوں کی باہمی گفتگو سے یہ نتیجہ نکالا۔ کہ یہ جلنے والا جوانمرد ایک شریف النسل انگریز تھا۔ اور دہلی اور اودھ میں چیف جج رہ چکا تھا + جب یہ جج بے چارہ خاکستر ہو چکا۔ تو تھوڑے تھوڑے لوگ گھر سے نکلنے لگے + ہم حیران تھے۔ کہ کس کو اپنا رہنما بنا کر کسی کم خطر راستے سے قلعہ وارک میں جو انگریزوں کا جائے پناہ تھا پہنچ جائیں اگر ہم چاہتے کہ پھر اسی کوچہ سے بلا راست قلعہ مذکور کو روانہ ہوں تو لامحالہ جامع مسجد کی طرف سے گزرنا ہوتا۔ اور وہاں بلوائیوں کا بڑا بھاری اجماع تھا۔ کیونکر ممکن تھا۔ کہ صحیح سلامت نکل جاتے +

میرے شوہر کی رائے ہوئی۔ کہ اس گھر میں اس وقت تک قیام کرنا چاہئے کہ فیل بان ہمارا تفحص کرتا ہوا یہاں تک پہنچ جائے۔ وہ صرف ہجوم کی وجہ سے رہ گیا تھا۔ اب چونکہ کوچہ خالی ہو چلا ہے۔ ممکن ہے۔ کہ ڈھونڈتا ڈھونڈتا آ پہنچے + یہ رائے بہت مناسب تھی۔ اور قابل تسلیم۔ کیونکہ ہندوستانی اس گھر کو اچھی طرح تاراج کر چکے تھے۔ اب کوئی چیز ایسی باقی نہ رہی تھی۔ کہ ان کے دوبارہ آنے کا شبہ پیدا ہوتا غرض ہم وہیں رک گئے +

ہندوستان کی راتیں بہ نسبت دنوں کے زیادہ سرد ہوتی ہیں۔ ہم باوجودیکہ اس آگ کے کنارے بیٹھے تھے جس میں غریب جج جلایا گیا تھا۔ تاہم سردی سے جسم کانپ رہا تھا۔ میرے شوہر نے کہا۔ بہتر ہو۔ اگر ہم کسی گھر میں چلے چلیں۔ میں نے کہا بہتر

ہے۔ ہم لوگ ایک زینے کے ذریعے سے اوپر والے کمرے میں گئے۔ چند
کمرے اور دالان جو اوپر کے حصے میں تھے۔ ان سب میں پھر کر ہم نے دیکھا۔ سارا
سامان باغی لوٹ کر لے گئے تھے۔ اور جو چیزیں نقل و حرکت کے قابل نہ تھیں۔ اُن
کو یا تو توڑ پھوڑ کر ڈال دیا تھا۔ یا جلا کر خاک کر دیا تھا +

سب سے آخر والے کمرے میں البتہ ایک بستر بچھا ہوا پایا۔ جس کو دیکھ کر
میں بہت خوش ہوئی۔ فوراً ڈیل کو اپنی گود سے اُتار کر اس پر لٹا دیا۔ اور دایہ کو تاکید کی
کہ اس کے پاس سے کہیں نہ جائے۔ جب اس طرف سے ذرا اطمینان ہوا۔ تو ہم
تینوں ایک شمع کا ٹکڑا روشن کر کے اس تہ خانہ کی طرف چلے۔ جس سے بچے بے چارے
کو نکالا تھا۔ تاکہ یہ تحقیق کریں۔ کہ ہمارے کانوں میں ہیبت ناک نالے کن برگشتہ نصیبوں
کے آ رہے ہیں۔ ہم نے یہ قرار دے لیا تھا۔ کہ جن میں رمق جان باقی رہ گئی ہوگی۔
اس کی پرستاری اور تیمارداری میں حتی الامکان فروگذاشت نہ کریں گے +

خلاصہ یہ کہ ہم تہ خانے میں داخل ہوئے۔ دو قدم نہ چلے تھے۔ کہ ہم تینوں
کے پاؤں زمین پر رپٹنے لگے۔ دل میں سوچا۔ نہ معلوم یہ بے کسوں کا خون زمین پر
بہایا گیا ہے۔ یا شراب کے مٹکے توڑ ڈالے ہیں۔ ذرا اور آگے بڑھے تھے۔ کہ
پیر ایسا پھسلا۔ کہ اگر ایلن بازو نہ پکڑے۔ تو چاروں خانے چت جا رہوں۔ میں
نے سنبھل کر دیوار کے سہارے سے چلنا چاہا۔ ہاتھ جو رکھا۔ تو دیوار پر کوئی غلیظ رطوبت
معلوم ہوئی جس سے تمام ہاتھ بھر گیا +

میں۔ ایلن ذرا شمع ادھر لانا +

ایلن۔ کیوں اماجان خیر ہے۔

میں۔ نہ معلوم دیوار پہ کیا گاڑھی گاڑھی چیز لسی ہوئی ہے۔ میرا سارا ہاتھ بھر گیا +

ایلن (قریب آ کر) اف اماجان یہ تو خون ہے!

میں۔ ہے ہے کیا غضب آ گیا۔ دکھانا ذرا میں دیکھوں +

ایلن۔ زمین کیا دیکھتی ہو۔ یہاں تو خون کی کیچڑ ہو رہی ہے۔ میں تو پہلے ہی سمجھی
تھی۔ کہ ضرور ہم اپنے ہم وطنوں کے خون پر چل رہے ہیں +

شوہر- اُف- ان سخت دل ہندوستانیوں کے ہاتھ کیسے کیسے مظالم اٹھا رہے ہیں- ہائے ہائے- نہ معلوم کم بختوں نے کیسے کیسے لوگوں کو تہ تیغ کیا ہے*

میں- ذرا آگے بڑھ کر دیکھو تو- کوئی زندہ بھی ہے- یا سب نذر اجل ہو گئے*

ایلین- اماں جان ذرا دیکھنا- اس گوشے میں یہ کس چیز کا ڈھیر ہے- تاریکی کی وجہ سے پوری طرح نظر نہیں آتا*

میں- (قریب جا کر) اُف یہ تو سروں اور ہاتھ پیروں کا ڈھیر ہے- یا اللہ تیری پناہ- اے میرے مالک تو ہی حافظ و نگہبان ہے*

شوہر- دیکھنا ابھی بعض بعض عضو تو ٹھنڈے بھی نہیں ہوئے- کٹے اعضا سے اب تک خون نکل رہا ہے*

ہم حالت کو دیکھتے آنسو بہاتے آگے کو بڑھتے جاتے تھے- کہ شاید ان میں کوئی زندہ ہو- کہ یکایک ہماری نگاہ ایک لاش پر پڑی جس کا سر تن سے جدا ہو گیا تھا- مگر دل سینے میں تڑپ رہا تھا- اور ضعیف آواز کٹے حلق سے نکل رہی تھی- یہ کیفیت دیکھ کر ایلین نے ایک چیخ ماری- اور منہ پر رومال رکھ کے رونے لگی- میں نے چھاتی سے لگا کر تسلی و دلاسا دیا- اور وہاں سے آگے کو بڑھے- ایک جگہ چند اکٹھے پائے ہم نے ایک ایک کر کے سب کو ہاتھ سے ٹٹولا- کہ کسی میں کچھ جان باقی ہے- یا نہیں بعض کو دیکھا- کہ جانکنی کے عالم میں ہیں- فوراً میں نے اور شوہر نے ان کو اٹھا کر مردوں سے جدا کیا- اور ہموار زمین پر لٹا دیا- کہ کسی قدر تو اس آخری وقت میں ان ستم رسیدوں کو آرام مل جائے*

انہیں مقتولوں اور مجروحوں میں ہم نے دو عورتوں اور ایک لڑکے کو پایا- کہ جن کے زخم بہت زیادہ گہرے نہ تھے- اور زندگی کی امید تھی- میں نے شوہر سے کہا- کہ کسی طرح ان کو اوپر لے جانا چاہیئے- شاید یہ ہماری خدمت سے بچ جائیں اس نے کہا- ہاں بہتر تو ہے- اچھا میں ایک کو ان میں سے گود میں اٹھا کر اوپر لئے جاتا ہوں- جوں ہی اس نے چاہا- کہ ایک عورت کو گود میں اُٹھا لے- وہ بیچاری درد و سوزش سے ایسی چلائی- کہ اس کی آواز دور تک پہنچی ہوگی- ہم لوگ اس کے

چیخنے سے ڈر گئے۔ کہ مبادا دشمن آواز سُن کر آ جائیں۔ اور ہم کو قتل کر ڈالیں +

اس عورت نے ہم کو مہربان پا کر چاہا۔ کہ بغیر ہماری مدد کے اُٹھ بیٹھے۔ لیکن شدت ضعف سے زمین پر گر پڑی۔ میں نے قریب جا کر سہارا دینا چاہا۔ دیکھا۔ کہ باغیوں نے اس کا ایک ہاتھ کلائی سے جدا کر دیا ہے +

صرف ان میں ایک چار سالہ لڑکا ایسا تھا جس کا جسم زخموں سے محفوظ تھا۔ جوں ہی اس نے ہم کو آتا دیکھا۔ بھاگ کر کشتوں کے درمیان چھپ گیا + ایلین نے اس کو انگریزی زبان میں تسلی و تشفی دی۔ تو ہم کو اپنا ہم وطن سمجھ کر کشتوں کے درمیان سے نکلا۔ اور ایلین کی گردن میں ہاتھ ڈال کر اس کو پیار سے چومنے اور عاجزانہ حرکتیں کرنے لگا + اس بچے کی یہ حالت دیکھ کر میں بے چین ہو گئی۔ اور اس کو چھاتی سے لگا کر دیر تک پیار کرتی رہی +

اسی اثنا میں مکان کے صحن سے ہاتھی کے چنگھاڑنے کی آواز ہمارے کان میں آئی۔ ہم نے سمجھ لیا۔ کہ ہمارا فیل بان آ پہنچا + چونکہ اس انقلاب و شورش میں ہم انگریز ہندوستانیوں کے ہاتھوں سے بہت ذلیل و خوار ہوئے تھے۔ اس لئے یہ امید نہ تھی۔ کہ ہمارا فیل بان وفاداری سے پیش آئے گا۔ ہاتھی کی آواز سنتے ہی ہم فوراً باہر نکل آئے۔ اور فیل بان سے مل کر نہایت مسرت و شادمانی کا اظہار کیا۔ اس مرد باوفا نے بھی اپنی خوشی کا ثبوت دیا + اس شخص کا نام محمد تھا۔ ایک عرصے سے ہمارے یہاں ملازم تھا۔ حق پوشی ہو گی۔ اگر ہم اس بات کا اقرار نہ کریں کہ اس خاص موقع پر اس نے بڑی جواں مردی اور انسانیت سے کام لیا۔ اس نے خدا کی قسم کھا کر کہا۔

فیل بان۔ میں اتنی دیر جو آپ لوگوں سے جدا رہا۔ اس سے مقصود یہ نہ تھا۔ کہ آپ کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ جاؤں۔ بلکہ مجبوراً میں نے ایسا کیا۔ کیونکہ کوچہ میں اس قدر کثرت سے لوگ جمع تھے۔ کہ کسی طرح ہاتھی کو آگے بڑھانا ممکن ہی نہ تھا۔ اب چونکہ راستہ صاف ہو گیا تھا۔ میں ہاتھی کو لئے ہوئے آ پہنچا +

میں۔ محمد تمہاری وفا شعاری اور حق شناسی قابل شکریہ ہے۔ ہم کو کسی وقت تمہاری

طرف سے بدگمانی نہیں ہو سکتی۔ اچھا یہ تو بتاؤ۔ کہ یہاں تم کیوں کر پہنچے۔ کیا کسی سے پتہ چل گیا تھا؟

فیل بان۔ خدا نہ کرے۔ کہ کسی دوسرے کو آپ کا حال معلوم ہو۔ میں نے قیافہ سے یہ سمجھا۔ کہ تم لوگ اسی گھر میں ہو گے۔ کیونکہ اگر یہاں سے نکلتے۔ تو میری نظر ضرور پڑتی +

ہم نے تمام مفصل حال شہر۔ بلوائیوں اور اپنے ہم وطنوں کا اس سے دریافت کرنا شروع کیا +

فیل بان۔ میم صاحب شہر کی کیا حالت پوچھتی ہو۔ عجب طوفان بے تمیزی برپا ہے۔ شہر دہلی بالکل باغیوں کے قبضے میں ہے۔ تمام لوگوں نے بالاتفاق سابق بادشاہ کو جو ایک مرد پیر اور گوشہ نشین ہے۔ سلطنت ہندوستان کے واسطے منتخب کر لیا ہے +

دہلی کے تمام متمول انگریزوں کے گھر لوٹ لئے گئے۔ بس انگریز کو مرد ہو یا عورت جوان ہو۔ یا بچہ پاتے ہیں۔ قتل کر دیتے ہیں۔ دہلی چھاؤنی کی گورا پلٹن جو ہتھیار خانے میں پناہ گزیں تھی منتشر ہو گئی۔ اب صرف بارود خانہ انگریزوں کے قبضے میں ہے۔ اور کابلی دروازہ +

فیل بان کی اس تقریر نے ہم کو اور بھی وحشت میں ڈال دیا + اُف کیسا بُرا وقت ہم پر آ گیا تھا۔ جس طرف کو آنکھ اُٹھا کر دیکھتے تھے بجز دشمنوں کے کوئی دوست نظر ہی نہ آتا تھا۔ برگشتہ نصیبی چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔ نہ کہیں جانے کا ٹھکانا نہ رہنے کا مقام +

میں۔ (فیل بان سے) کیوں محمد یہ بھی معلوم ہوا۔ جنرل گرو کہاں ہے؟

محمد۔ جنرل گرو کابلی دروازے کے آس پاس میں ہے + بہت سے صاحب اور میمیں اس کی پناہ میں آ گئی ہیں +

ایلین۔ کیا اچھا ہوتا۔ اگر ہم لوگ بھی وہیں پہنچ جاتے +

میں۔ بیٹی ایسی قسمت کہاں۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ کسی گلی کوچہ میں گھُستے

کوؤں کی موت مر کر رہ جائیں گے ؛

محمدؐ۔ میم صاحب گھبرائیے نہیں۔ خدا مالک ہے ؛

میں۔ محمد! تمہاری کیا رائے ہے۔ ہم کو یہیں رہنا چاہیئے۔ یا کوئی دوسرا مقام تلاش کریں؟

محمدؐ۔ میری سمجھ میں تو یہ بات آتی ہے۔ کہ اس وقت ظلمت شب کو غنیمت سمجھ کر یہاں سے نکل چلیں ؛

میں۔ تمہارا خیال درست ہے۔ لیکن جائیں کہاں۔ اگر ہم اپنے ہم وطنوں کے گھر جاتے ہیں۔ تو خود اپنے کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔ اور اگر یہیں رہتے ہیں۔ تو صبح ہونے والی ہے۔ یہ گھر مسلمانوں کی مسجد کے بالکل قریب ہے۔ یہاں کیونکر اطمینان حاصل ہو سکتا ہے۔ ہندوستانیوں میں کوئی ہمارا ایسا خیر خواہ نہیں۔ کہ دو چار روز اپنے گھر میں پناہ دے ؛

محمدؐ۔ آپ لوگ زیادہ پریشان نہ ہوں۔ میں اپنے ایک ہم مذہب نیک اندیش مسلمان دوست کے یہاں لئے چلتا ہوں۔ اور تو کوئی ڈر نہیں۔ صرف اتنی بات ہے۔ کہ چونکہ وہ ایک راسخ الاعتقاد مسلمان ہے۔ بہت ممکن ہے۔ کہ دوسرے مسلمانوں کی تقلید میں پناہ دینے سے انکار کر جائے۔ اس کی بہتر صورت میرے ذہن میں یہ آتی ہے۔ کہ تم لوگ اس طریقے سے اس کے مکان میں داخل ہو جاؤ۔ کہ اُسے اطلاع نہ ہو۔ پس پھر تو وہ تمہارے لئے ایک محکم قلعہ ہو جائے گا۔ کیوں کہ ہندوستان کے مسلمان کا قاعدہ ہے۔ کہ جو شخص ان کے گھر میں مہمان کی حثیت سے آجاتا ہے۔ خواہ طلب سے یا بے طلب وہ اپنے رسول کے حکم کے مطابق اُس کی دل جوئی اور عیش رسانی شرائط ایمان سے جانتے ہیں۔ خاص کر ان مہمانوں کی جو پناہ کے طالب ہوں۔ خواہ وہ کسی مذہب و ملت کے ہوں۔ کسی خیال کے وہ ان کو اپنی آنکھوں میں جگہ دیتے ہیں۔ اور مظلوم کی دست گیری فرض دینی خیال کرتے ہیں۔ اگر اس کی حمایت میں جان بھی کام آجائے۔ تو دریغ نہیں کرتے ؛

میں۔ محمد اگر یہ بات ہے۔ تو کسی نہ کسی طرح وہاں پہنچاؤ۔ کیا وہ اس وقت گھر ہو گا؟

محمد۔ میرا خیال ہے۔ کہ وہ اس وقت یقیناً تمام مسلمانوں کے ساتھ انگریزوں کے قتل کرنے میں مشغول ہوگا۔ اگر اس وقت وہاں پہنچ گئے۔ تو اس کی غیبت میں سب کام ٹھیک ہو جائے گا۔ ورنہ نہ معلوم اس نے اجازت دی یا نہ دی*

ایلین۔ محمد تم کو اس کی ذات پر بھروسہ بھی ہے۔ ایسا تو نہ ہوگا۔ کہ ہمارے ساتھ دغا کر جائے*

محمد۔ میم صاحب آپ کیا فرما رہی ہیں۔ مجھے اس کی ذات پر بڑا بھروسہ ہے۔ صرف اس کے گھر میں داخل ہونا ہی دشوار ہے۔ جب داخل ہو گئے۔ تو پھر کس کی مجال ہے۔ کہ لب ہلا سکے۔ وہ اس قسم کا آدمی نہیں۔ کہ تمہاری آمد کا حال باغیوں سے کہہ دے*

شوہر (کچھ دیر تامل کر کے) دہلی کے اسلحہ خانے کا کیا حال ہوا؟ اور وہ انگریزی فوجیں کہاں گئیں جو اس کی حفاظت پر مامور تھیں۔ کیا درحقیقت بلوائیوں نے ہتھیار خانے کو لے لیا۔ اور محصورین قتل ہو گئے؟

محمد۔ صاحب۔ مجھے جھوٹ بولنے سے کیا مطلب تھا ہتھیار خانے میں اب ایک انگریز بھی نہیں۔ اب تو ایک بارودگھر انگریزوں کے قبضے میں رہ گیا ہے۔ اور بس*

ایلین۔ (جھنجھلا کر) خدا کے واسطے اب تم لوگ کہیں جانے کا قصد نہ کرو۔ میرے کہنے سے سیدھے بارودخانے پہنچو*

ایلین کے اس کہنے سے مجھے تھوڑی دیر کے لئے اپنے داماد کا تصور ہو گیا ہائے اس بے چارے کا کیا حال ہوگا۔ خدا نہ کرے جو کوئی اپنی نئی نویلی دلھن سے جدا ہو کر اس طرح خطرے میں پڑ جائے۔ ہزار وا حسرتیں اور ارمان دل میں لئے جان جوکھوں میں پڑا ہوگا۔ بار بار کوشش کی ہوگی۔ کہ جلد سے جلد اپنی دلھن کے پاس پہنچے۔ اور اس کی ملاقات سے دل غم دیدہ اور قلب آفت رسیدہ کو تسلی دے لیکن جب ممکن نہ ہوتا ہوگا۔ تو کیسا رہ رہ کر تڑپتا ہوگا*

فیل بان۔ (ایلین سے) مس صاحبہ! نہ تو تم وہاں جا سکتی ہو۔ اور نہ میں وہاں جانے کی اجازت دوں گا۔ کیونکہ بارودخانے کے تمام یورپین سرداروں کا یہ خیال ہے۔ کہ ابتداً تو خوب مقابلہ کریں گے جب کامیابی کی صورت نظر نہ آئے گی۔ تو خود

اپنے ہاتھوں اس میں آگ لگادیں گے۔ تاکہ بارود کا ذخیرہ باغیوں کے ہاتھ نہ لگے + پس ایسی حالت میں وہاں جانے سے کیا فائدہ + انسان بری صورت کو پہلے سوچ لے۔ اگر خدانخواستہ باغی غالب آ گئے۔ تو وہ لوگ ہندوستانیوں کے ہاتھوں ہرگز اسیر و ذلیل نہ ہوں گے۔ بلکہ اسی آگ میں اپنے جسموں کو جھلسا کر خاک کردیں گے۔ تو پھر بتاؤ۔ وہاں کس کی پناہ ملے گی؟ یہ کلام سنتے ہی ایلن کا سارا بدن کانپنے لگا۔ اور ایک چیخ مار کر زمین پر گری اور بیہوش ہوگئی۔ میں لے اور اس کے باپ نے جلدی اپنے دامنوں سے ہوا دی کئی منٹ کے بعد اس کو ہوش آیا۔ تو نہایت حسرت بھرے لہجے میں دو تین بار بارود خانہ، بارود خانہ زبان سے کہا۔ اور چپ ہوگئی۔ ٹھنڈے ٹھنڈے سانس برابر نکل رہے تھے۔ اور چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی۔ میں اور شوہر اس کی اس پر حسرت زندگی پر دیر تک روتے رہے جس لڑکے کو ہم نے تہ خانہ سے نکالا تھا۔ وہ ایلن کے پہلو میں کھڑا زار و نزار رو رہا تھا۔ جب اسی حالت میں کچھ زیادہ وقت گزرا۔ تو فیل بان نے میرے شوہر کے پاس جاکر آہستہ سے کہا:۔

محمد۔ صاحب اب یہاں دیر کرنا فضول ہے۔ مس صاحبہ اگر ہوش میں ہوں۔ تو بس چلئے +

شوہر۔ ایلن تو اب بالکل ٹھیک ہے۔ مگر . . . .

محمد۔ مگر کیا۔ جو کچھ دل میں ہے کہہ ڈالئے +

شوہر۔ کہاں! بارود خانہ یا اپنے دوست کے یہاں ؟

محمد۔ اپنے دوست کے یہاں +

میں (ان دو زخمی عورتوں کی طرف اشارہ کرکے) محمد! یہ انسانیت سے بالکل بعید ہے۔ کہ ان دو زخم رسیدوں کو یہاں تنہا چھوڑ کر ہم سلامتی کی امید میں چل کھڑے ہوں۔ یہ خدا کو ناپسند ہوگا +

میرے اس کلام سے اول تو فیل بان کا چہرہ غصہ سے متغیر ہوگیا۔ لیکن جب یہ دیکھا۔ کہ میں ان کی نجات کے لئے زیادہ مصر ہوں۔ تو آہستہ آہستہ دبی زبان میں کہنے لگا۔

محمد۔ خدا کی مرضی یہی ہے۔ کہ تمام انگریز ہلاک ہوں +

یہ کہہ کر بادل ناخواستہ اس نے ان عورتوں کو گودی میں لے کر ہاتھی کے ہودج

میں بٹھایا۔ یہ عورتیں تہ خانے میں تھیں۔ ابتداً چونکہ ان کے ہوش و حواس درست نہ تھے ہم کو دشمن سمجھ کر دحشت و اضطراب سے فریاد کرتی رہیں۔ لیکن جب یہ معلوم ہوا۔ کہ ہم دوست ہیں۔ تو ہم سے بمنت و سماجت مخلصی کی درخواست کرنے لگیں۔ مجھے ان کی بے کسی اور بے بسی پر بڑا ترس آیا۔ اور دل میں ٹھان لی۔ کہ ان کو ضرور نجات دلواؤں گی ان میں سے ایک عورت کے کٹے ہوئے ہاتھ سے برابر خون جاری تھا۔ ہم نے اس کا زخم خوب کس کر باندھا۔ جس سے خون رُک گیا۔ اور درد میں بھی کمی ہوئی۔ میرے شوہر کے بازو پر تکیہ کئے تہ خانے سے اوپر آئی۔ اور پھر ہم دونوں نے سہارا دے دے ہودج میں سوار کیا +

وہ چار سالہ لڑکا کسی طرح ایلن سے جدا نہ ہوتا تھا۔ اس کو بھی بہ ہزار دقت جدا کر کے انہیں دونوں کے پاس ہودج میں بٹھا دیا۔ اور ہم تینوں ہاتھی کے پیچھے پیچھے چلنے پر تیار ہوئے +

چوتھا حادثہ

مندمل زخم کہن ہونے پہ آتا ہے اگر
داغ تازہ تا کتے ہیں دامنِ قلب و جگر

ابھی یہ رنج و غم کا قافلہ دو قدم بھی نہ چلا تھا۔ کہ برگشتہ نصیبی نے ایک اَور چرکا لگایا۔ یعنی جب چلنے کی تیاری ہو گئی۔ تو میں جلدی سے اس کمرے میں پہنچی۔ جہاں میرا لختِ جگر وہاں دایہ کی حفاظت میں سو رہا تھا۔ تاکہ ان دونوں کو بھی ساتھ لے لوں۔ جوں ہی کمرے میں جا کر دیکھا۔ بستر خالی ہے۔ اور دایہ ندارد + پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ کلیجہ بلیوں اچھلنے لگا۔ دل میں کہتی تھی۔ الٰہی میرا بچہ کہاں گیا؟ کون لے گیا۔ دایہ مردار کا بھی تو پتہ نہیں۔ دیوانہ وار دوڑی ہوئی دوسرے کمرے میں گئی۔ اس کا گوشہ گوشہ ڈھونڈ مارا۔ تیسرے کمرے میں جا کر دیکھا۔ مگر وہ کہاں۔ دیوانہ وار پھر اُسی کمرے میں آئی۔ یارائے ضبط نہ رہا چیخیں مار کر رونے لگی +

شوہر اور فیل بان میری آواز سنتے ہی دوڑ پڑے۔ انہوں نے جانا۔ کہ باغیوں

نے حملہ کیا۔ لیکن جب مجھ کو فریاد کرتے ہوئے پایا۔ تو اس طرح پوچھنے لگے ÷

شوہر۔ خیر ہے۔ خیر ہے۔ کیا بات ہوئی؟ کسی چیز نے کاٹا۔ یا تم اس تنہا گھر میں ڈر گئی ہو۔ آخر ماجرا کیا ہے؟

مجھ پر اس وقت کچھ ایسا غم طاری تھا۔ کہ بات بھی منہ سے نہ نکلتی تھی۔ فرط الم سے بالوں کو نوچتی تھی۔ ہاتھوں کو کاٹتی تھی منہ پر طمانچے مارتی تھی ÷

فیل بان۔ میم صاحب ذرا ہوش میں آئیے۔ اپنی پریشانی کا سبب تو بتائیے۔ دیکھئے تو صاحب کس قدر بے چین ہو رہے ہیں ÷

شوہر خدارا کچھ تو زبان سے کہو۔ کیا حال ہے۔ کیوں دیوانوں کی طرح حالت بنا رہی ہو؟

ایلین (میرے گلے میں باہیں ڈال کر روتے ہوئے) میری اماں جان میں قربان گئی کیا ہوا۔ ہائے کس نے تمہیں ستایا۔ اچھی بولو۔ جلدی بولو کیا ہوا؟

میں نے بڑی مشکل سے ذرا دل کو قابو میں کیا۔ اور بہ ہزار دقت یہ فقرہ زبان سے نکالا:۔

"ہائے اس کو لے گئے اور مار ڈالا"

شوہر و ایلین (گھبرا کر) کس کو؟ کس کو؟ جلدی بتاؤ۔ کس کو؟

میں۔ میرے ڈیل کو لے گئے۔ اُف میرا کلیجہ نکل گیا۔ اُف میں کیا کروں؟

شوہر۔ دایہ کہاں گئی؟

میں۔ میں کیا جانوں کہاں گئی؟

اس بے خودی کے عالم میں مَیں نے ہاتھ اُٹھا کر خدا سے یہ دعا مانگی:۔

"اے کل عالم کے پیدا کرنے والے۔ اے مظلوموں کی فریاد سننے والے۔ اگر میری قسمت میں یہی ہے۔ کہ میں اپنے بچے سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو جاؤں۔ اور قبر میں اس کا داغ فرزندی لے کر جاؤں تو مجھے ایسی زندگی کی خواہش نہیں۔ اپنے مقدس فرشتے کو بھیج دے کہ فوراً میری روح قبض کر کے مجھے اندوہ دائمی سے چھڑا دے" ÷

ایلین اور اس کا باپ دونو شمعیں لئے ہوئے کمروں میں ڈھونڈھنے نکلے۔ اوپر نیچے کوئی جگہ بغیر دیکھے نہ چھوڑی۔ مگر وہ کہیں ہو تو ملے۔ دونوں کے دونوں روتے پیٹتے بے چین اور بے قرار ہو کر پلٹ آئے + شوہر میرے پاس تک آنے بھی نہ پایا تھا۔ کہ فرط اندوہ سے چکرا کر زمین پر گرا اور بیہوش ہو گیا۔ جب میں نے اس کی یہ حالت دیکھی۔ تو اپنی حالت بھول گئی۔ بچے کا خیال جاتا رہا۔ دوڑی ہوئی قریب گئی۔ دیکھا۔ کہ چہرہ کا رنگ اُڑ گیا ہے۔ جسم میں نام کو خون نہیں۔ قلب کی حرکت بند ہے۔ ہاتھ پاؤں سرد ہیں۔ میں اس عالم یاس میں ایلین کو دیکھتی تھی۔ اور ایلین مجھ کو۔ مجھے اپنے سے زیادہ ایلین کا خیال تھا۔ کیونکہ اس کا ننھا سا دل۔ بالی بچی وہ کیا جانے کہ غم کسے کہتے ہیں۔ ایک بارہی غریب پر مصیبتوں کا پہاڑ گر گیا +

مجھے چونکہ معلوم تھا۔ کہ اکثر حوادث ناگہانی کا نزول انسانی زندگی کا فوراً خاتمہ کر دیتا ہے۔ اس لئے مجھے یہ کھٹکا ہوا۔ کہ کہیں اس غم میں میرا شوہر مر نہ جائے۔ اور ہم اس بے کسی کے عالم میں بے والی و بے وارث رہ جائیں +

میں بچے کی ماں تھی۔ مجھے بہ نسبت باپ کے زیادہ صدمہ ہونا چاہیئے تھا۔ مگر اس وقت تو کچھ بھی یاد نہیں رہا تھا۔ اپنے پرستار کی زندگی کی خیر منا رہی تھی۔ بار بار ہاتھ پاؤں ٹٹولتی تھی۔ نبض دیکھتی تھی۔ دل کی حرکت پر نظر ڈالتی تھی۔ ایلین برابر کپڑے سے ہوا دے رہی تھی۔ فیل بان نے کہیں سے ذرا سا پانی لا کر مُنہ پر چھینٹا دیا۔ تو ذرا ذرا آنکھ کھولی۔ میں نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ کوٹ پتلون کے بند کھولے تسلی و دلاسے کے لئے کان میں کہنے لگی :-

میں۔ گھبرائیے نہیں۔ خدا نے چاہا۔ تو مل جائے گا۔ کیا غضب ہے۔ تم بجائے مجھے تسلی دینے کی بجائے اُلٹا پریشان کر رہے ہو۔ خدا پر نظر رکھو۔ اس کو بڑی قدرت ہے۔ کیا بعید ہے۔ جو دایہ اس کو اس خیال سے کہیں لے گئی ہو۔ کہ مبادا عالم تنہائی میں اُسے دشمن گھیر لیں۔ اور بچے کو کوئی صدمہ پہنچا دیں۔ اُٹھو ہم یہاں سے اب چلیں۔ یقین ہے۔ کہ کسی کوچے میں دیل کو لئے ہوئے وہ بھی کہیں مل جائے گی +

میں دیر تک اس قسم کی باتیں کرتی رہی۔ مگر صد افسوس کہ یہ تسلی و دلداری ذرا

بھی مفید نہ ہوئی۔ جس طرح بے حس و حرکت وہ پڑا تھا۔ پڑا رہا۔ مجھے یقین ہوگیا۔ کہ اب اس کا بچنا محال ہے۔ فیل بان نے پھر پانی لا کر چہرے اور قلب پر چھڑکا۔ جب کسی قدر ٹھنڈک پہنچی۔ تو چند دقیقہ کے بعد ہلکے سے سانس کی آواز میرے کان میں آئی رفتہ رفتہ آنکھ بھی کھولی۔ اور آہستہ سے کہا*

شوہر۔ ویل کہاں ہے؟

بیس۔ گھبراؤ نہیں۔ ویل اب آیا جاتا ہے*

مجھے ہاتھ سے اُٹھانے کا اشارہ کیا۔ گردن میں ہاتھ دے کر میں نے اُٹھایا تو کئی منٹ تک مجھ سے لپٹا ہوا اپنے پارہ جگر کی یاد میں روتا رہا۔ میری آنکھوں سے بھی دریائے اشک جاری تھا۔ ایلین بھی ٹپ ٹپ آنسو گرا رہی تھی۔ محمد فیل بان کا دل ہماری یہ حالت دیکھ کر پانی پانی ہوگیا۔ آنکھوں میں آنسو بھر کر کہنے لگا:۔

محمد۔ حضور! صبر کیجئے۔ اس قدر آزردہ ہونے سے کیا فائدہ خدا کی رحمت سے کسی وقت بندہ کو مایوس نہ ہونا چاہئے۔ مجھے یقین ہے۔ کہ آپ کا بچہ باغیوں کے ہاتھ نہیں لگا۔ ورنہ وہ ضرور اس کو مار ڈالتے۔ جس کمرے میں تم نے اُسے سلایا تھا۔ وہاں قتل کا کوئی نشان نہیں پایا جاتا۔ نہ کوئی قطرہ خون کا ہے۔ نہ کوئی ٹکڑا اعضا کا۔ میرا اعتقاد یہ ہے۔ کہ دایہ نے جب تمہاری آواز تہ خانے سے سُنی ہوگی۔ تو یہ خیال کرکے۔ کہ شاید باغی آگھسے۔ بچہ کو لے کر یہاں سے کہیں نکل گئی* انسان کو چاہئے۔ کہ خدا کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہو۔ چاہے کیسا ہی یاس و حرمان اور ناسازگاری روزگار نے گھیر لیا ہو۔ سیکڑوں امور جو ایک عقل مند اور با تدبیر کی سمجھ سے باہر ہوتے ہیں۔ وہ قادر مطلق آن کی آن میں ان کی گرہیں کھول دیتا ہے۔ اور طالب مطلوب کو اس صورت سے ملاتا ہے۔ کہ دیکھنے والے حیرت کی انگلی دانتوں میں دے لیتے ہیں*

فیل بان کی اس دل داری و تسلی سے کسی قدر ہمارا رنج کم ہوا۔ اور مردہ دل میں جان آئی۔ گھر سے نکل کر راستہ پر آئے۔ اور قدم بڑھانا شروع کیا۔ خدا محمد کا بھلا کرے اس نے مزید اطمینان کے لئے راہ میں پھر ہم سے کہا۔ کہ اگر شہر دہلی تمام دنیا کی برابر وسیع ہو جائے گا۔ تب بھی میں ویل اور دایہ کو ڈھونڈھ نکالوں گا۔ ہم نے دل میں

اس کو سیکڑوں دعائیں دیں۔ اور زبان سے بھی اس کا شکریہ ادا کیا۔

دنیا میں تمام فیل بان اپنے مالک کی رائے کے پابند ہوتے ہیں۔ یعنی مالک جدھر کو چلنے کا اشارہ کرتا ہے۔ فیل بان اسی طرف ہاتھی چلاتا ہے۔ لیکن ہمارا معاملہ اس موقع پر برعکس تھا۔ ہم فیل بان کی رائے کے پابند تھے۔ جدھر کو وہ لئے جاتا تھا۔ قدم اُٹھائے خاموشی سے چلے جاتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ چار بجے شب کا وقت ہونے آگیا۔ صرف دو گھنٹے رات اور باقی تھی۔ اور ہم کو اپنی مسافت کا کوئی اندازہ نہ تھا۔ نہیں کہہ سکتے تھے۔ کہ ان گھنٹوں میں ہم برگشتہ نصیبوں کو کوئی پناہ کی جگہ مل جائے گی۔ یا نہیں۔ مجھ کم بخت نے اس رات سے بدتر کوئی رات نہیں دیکھی۔ بار بار دل میں کہتی تھی۔ کہ شاید اس سے زیادہ مصیبت خیز رات تو دنیا میں آئی نہ ہوگی۔ لیکن افسوس مجھے معلوم نہ تھا۔ کہ یہ مصیبت کی پہلی ہی منزل ہے۔ ابھی بہت کچھ ایذائیں جھیلنی ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے انقلاب دیکھنے ہیں۔ یہ تو ان کا ایک شمہ بھی نہیں۔ آسمان ظلم پر کمر کسے ہوئے اور بدبختی خاک میں ملانے کے لئے تلی بیٹھی ہے۔

مختصر یہ کہ ہم کوچہ سے نکل کر ایک چوراہے میں پہنچے۔ فیل بان ہمارے آگے آگے ایک سیدھے راستے پر چلا جاتا تھا۔ ایلن نے ایک موقع پر باپ کا بازو پکڑ کر چاہا۔ کہ کوچے کے بائیں طرف روانہ ہو۔ باپ نے پوچھا۔ تو اس طرف کیوں جانا چاہتی ہے؟ کہا یہ راستہ بارود خانہ کو گیا ہے۔ میرا شوہر ولیم وہیں ہے۔ یقیناً وہ ہماری آمد کا منتظر ہوگا۔

وائے ہماری بدحالی و تیرہ بختی پر کہ اس بے کسی کے عالم میں لڑکی ہی دیوانی ہوگئی۔ شوہر کے عشق کا سودا مالیخولیا کی حد تک پہنچ گیا۔ وہ نہ کھل کر کسی سے بات کرتی تھی۔ نہ کسی معاملے میں رائے دیتی تھی۔ جب کبھی بولتی تھی۔ تو وہی مرغے کی ایک ٹانگ یعنی بارود خانہ چلو۔

غرضکہ جس طرح ہم سے ہو سکا۔ زبردستی اس کو بائیں جانب والے کوچے سے کھینچ کر فیل بان کے پیچھے لائے۔ جس محلے سے ہم گزر رہے تھے۔

اس میں بہ نسبت دوسرے محلوں کے کسی قدر امن تھا۔ لیکن اس پر بھی دور سے قاتلوں کے شور و غل کی آواز اور مضروبوں اور مجروحوں کی صدائے فریاد و غوغا برابر سنائی دے رہی تھی۔ اور سوائے مشرقی کنارے کے ہر طرف گھر دھڑ دھڑ جل رہے تھے فیل بان نے ایک مقام پر کھڑے ہو کر کہا۔ آپ لوگ خاموشی کے ساتھ اس وقت تک یہاں ٹھہرے رہیں۔ کہ میں لوٹ کر آ جاؤں + ہم اس کے حکم کے موافق خاموش کھڑے ہو گئے + چونکہ باغ کی دیوار گچ سے سفید تھی۔ ہم فیل بان کا سایہ سفید دیوار کے کناروں پر برابر دیکھ رہے تھے۔ بیس قدم سے زیادہ نہ گیا ہو گا۔ کہ بڑے مکان کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ اور اس طرح سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ جس طرح کسی دوست کے یہاں دوست جا کر بلاتا ہے۔ ایک منٹ سے زیادہ نہ گزرا تھا۔ کہ دروازہ کھل گیا۔ اور فیل بان اور صاحب خانہ سے کئی منٹ تک گفتگو ہوتی رہی + ہم کو اس گفتگو کے سننے کا جس قدر اشتیاق ہوتا۔ وہ کم تھا۔ کیونکہ ہماری موت و حیات اسی مکالمے سے وابستہ تھی۔ یہ گفتگو پانچ منٹ سے زیادہ نہ رہی ہو گی۔ مگر چونکہ ہم امید و بیم کی حالت میں تھے۔ اس لئے یہ پانچ منٹ ہم کو پانچ سال کی برابر طولانی معلوم ہوئے۔ خدا خدا کر کے بات چیت تمام ہوئی فیل بان نے اپنی آواز پر ہاتھی کو بلایا۔ اور ہم سب اس کے پیچھے پیچھے چل دیئے۔ جب اس مکان کے قریب پہنچے۔ دروازہ کھلا ہوا پایا فیل بان نے ہم کو اندر داخل کر کے دروازہ بند کر لیا + ایک بڑے کشادہ باغ سے گزرتے ہوئے ہم ایک عالیشان عمارت میں پہنچ گئے۔ جو چیزیں ہاتھی پر تھیں۔ محمد نے ان سب کو اتار کر ایک کمرے میں رکھا۔ اور ہم سے کہا۔ اب اطمینان سے رہو۔ کوئی کھٹکا نہیں + میں۔ محمد! ہم تمہارے شکر گزار ہیں۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ کہ اس نے صحیح سالم اس خانہ امن و امان میں پہنچا دیا +

محمد۔ میم صاحب آپ کیا فرماتی ہیں۔ میں تو آپ کا نمک خوار ہوں۔ میرا فرض ہے کہ جہاں تک ممکن ہو۔ آپ کے راحت و آرام میں کوشاں ہوں +

میں۔ محمد ہمارا اوبل کہاں ہے۔ اس کا کھوج کسی طرح نکالو +

محمد۔ میں ابھی تھوڑی دیر میں اسے ڈھونڈھنے نکلتا ہوں ÷
اس کمرے کے درمیان ایک لمپ روشن تھا۔ اور بہت سی چارپائیاں ادھر اُدھر پڑی ہوئی تھیں۔ ہم نے چارپائیوں پر لیٹ کر چاہا۔ کہ تھوڑی دیر سو رہیں تاکہ کچھ دیر تو رنج وغم سے نجات ملے۔ لیکن میرا گمان یہ ہے۔ کہ شاید ہم میں سے کسی کی بھی پلک نہیں جھپکی۔ ہاں وہ چھوٹا لڑکا جو ہمارے ساتھ تھا۔ ضرور بخت سو رہا تھا۔ ہم میں سے ہر ایک آیندہ مصیبتوں کے تصور اور گزشتہ واقعات کے افسوس میں مبتلا تھا۔ ایسی حالت میں نیند کہاں۔ ہر چند کروٹوں پر کروٹیں بدلیں۔ مگر مقصد براری نہ ہوئی ÷ اَوروں کے تفکرات کی تو مجھے کیا خبر۔ البتہ اپنی نسبت کہہ سکتی ہوں کہ اس وقت مجھے نہ تو باغیوں کی شورش کا خیال تھا۔ نہ گھر کے جلنے کا غم۔ نہ فقر و فاقہ کا اندیشہ۔ نہ دربدری کا افسوس۔ میں تمام گزشتہ و آیندہ مصائب کو بھولے ہوئے اپنے بچے ڈیل کے تصور میں ڈوبی ہوئی تھی۔ دل اس کی جدائی میں ماہی بے آب کی طرح پھڑک رہا تھا۔ دل میں کہتی تھی۔ نہ معلوم میرے معصوم بچے پر کیا گزری ہو گی۔ خدا جانے مار ڈالا گیا۔ یا دایہ کے پاس صحیح و سالم ہے۔ ان خیالات کے ہجوم میں جب میں دل کی طرف رجوع کرتی تھی۔ تو وہ بھی کہتا تھا۔ کہ ضرور زندہ و سلامت ہے۔ میں بالیقین اس کو دیکھوں گی ÷ میں اپنی اسی ادھیڑبن میں تھی۔ کہ صبح کی روشنی اچھی طرح نمودار ہو گئی۔ فیل بان لوٹ کر آیا۔ دروازہ کھولا۔ اور جو کچھ کھانے پینے کی چیزیں ہمارے واسطے لایا تھا۔ دے کر کہا ÷
فیل بان۔ آپ لوگ ہرگز ہرگز اس کمرے سے نکل کر اِدھر اُدھر نہ گھومیں۔ کیونکہ جو انگریز جوان ہو یا بچہ۔ عورت ہو یا مرد۔ ہندوستانیوں کو مل جاتا ہے۔ بغیر قتل کئے نہیں چھوڑتے۔ جب تک کوئی دہلی کا بادشاہ مقرر نہ ہو۔ اور شہر کا انتظام درست نہ ہو جائے۔ آپ لوگ اپنے کو پوشیدہ ہی رکھیں۔ یہ گھر چونکہ ایک مرد مسلمان کا ہے لہٰذا اگر باغیوں کو تمہارے یہاں پوشیدہ ہونے کا حال معلوم ہو گیا۔ تو وہ نہ صرف تم کو بلکہ مجھے اور گھر والے کو بھی قتل کر ڈالیں گے ÷
بیں۔ محمد تم کیسی باتیں کرتے ہو۔ کیا ہم کو اپنی جان کا پاس نہیں۔ ہم دیوانے

ہیں۔ جو خود اپنی ہلاکت میں کوشاں ہوں گے۔ بس تم میرے ساتھ اتنا سلوک اور کرو۔ کہ میرے بچے کو ڈھونڈ کر لا دو +

فیل بان۔ میں بقسم کہتا ہوں۔ کہ جس طرح ممکن ہوگا۔ آج غروب کے وقت تک میں تمہارے لڑکے کو ڈھونڈ کر لا دوں گا +

اس کمرے میں صرف چھ آدمی تھے۔ ان کے تین حصے ہو گئے۔ وہ دونوں عورتیں جو ہمارے ساتھ آئی تھیں۔ ایک جگہ بیٹھی تھیں۔ میری لڑکی اور وہ چھوٹا لڑکا ایک مقام پر تھے۔ میں اور شوہر ایک گوشے میں +

ایلین کی متحیرانہ حالت دیکھ دیکھ کر میرے اور بھی چھکے چھوٹے جاتے تھے۔ ہر چند میں نے اس بارے میں کوشش کی۔ کہ وہ تھوڑی دیر روئے تاکہ اس کے دل کا بخار کم ہو۔ اور بھری ہوئی طبیعت کچھ ہلکی ہو جائے۔ لیکن وہ خدا کی بندی خاموش بُت بنی بیٹھی رہی۔ کھانا بھی مطلق نہ کھایا۔ ہم نے البتہ تھوڑے سے چاول اور کچھ پھل جان بچانے کے لئے زہر مار کر لئے تھے + پانی ہمارے پاس بہت کم تھا۔ اور باہر سے جا کر ہم میں سے کوئی نہ لا سکتا تھا۔ اس لئے نہایت احتیاط سے خرچ کر رہے تھے۔ مگر وہ دونوں عورتیں مطلق اس کا خیال نہ کرتی تھیں۔ پینے کے علاوہ برابر اپنے زخموں کو دھوئے جاتی تھیں۔ مجبور ہو کر میں نے کہا:۔

میں۔ پیاری بہنو! پانی ذرا دیکھ کر اٹھاؤ۔ اگر ہو چکے گا۔ تو کس نوکر کو بھیجیں گے۔ کہ لے آئے +

ایک۔ (تیوری بدل کر) خوب تو کوئی زخم بھی نہ دھوئے۔ پانی بھی کوئی ایسی بیش بہا چیز ہے۔ کہ اُسے کوئی سوچ سمجھ کر اُٹھائے۔ آئے گا فیل بان ایک ٹھلیا پھر لائے گا۔ نوج کوئی تم جیسا کھسیانا ہو۔ اللہ تیری پناہ +

دوسری۔ اسے اسی نیت کا تو پھل مل رہا ہے۔ کرے ایک بھریں سب۔ بھلا بتاؤ جب زخم نہ دھلیں گے۔ تو اچھے کیسے ہوں گے۔ مگر سچ کسی نے کہا ہے جس تن لاگے۔ وہی تن جانے۔ ان بیچاری کو اس سے کیا غرض ہے۔ چاہے کسی کی جان نکل جائے۔ پانی تو ٹھلیا میں بھرا رہے۔ ابھی اپنے زخم ہوتا۔ تو دیکھیے

کیسے بار بار نہ دھوتیں :۔

ہیں۔ اسے ذرا یہ بھی کوئی بات لڑائی کی ہے میری پاپوش سے خوب بہاؤ۔ خوب دھوؤ۔ پیاسے مریں گے۔ تو سب ہی مریں گے۔ میں ہی تو اکیلی نہیں۔ جاندار تو سب ہی ہیں۔ پیاس تو سب ہی کو معلوم ہو گی۔ رہا محمد فیل بان کا پانی لانا۔ تو یہ خیال دور رکھو۔ وہ بیچارہ کیا کیا کرے گا۔ میری ہمت تو پڑنے کی نہیں۔ کہ میں اس سے کہوں۔ تم جانو تمہارا کام جانے +

ایک۔ خیر بی بی جو ہونا ہو گا ہو رہے گا +

یہ ظاہر کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ دونوں عورتیں جو اس بدبختی کے زمانے میں ہمارے لئے وبال جان ہو گئی تھیں۔ ہم کو حد درجہ نفرت کی نظر سے دیکھتی تھیں۔ حالانکہ ہم نے ہی ان کی جان بچائی۔ ہماری محبت ان کے دل میں ذرا بھی نہ تھی۔ کیا وہ یہ جانتی تھیں۔ کہ اگر ہم ان کے ساتھ مہربانی اور ہمدردی نہ کرتے۔ تو کبھی ہرگز موت کے چنگل سے رہائی نہ ملتی۔ اسی تہہ خانہ میں سڑ سڑ کر مر جاتیں ؟ جانتی تھیں۔ اور ضرور جانتی تھیں۔ مگر اپنی بدطینتی او کمینہ پنی کے باعث غرور و تکبر ہی سے پیش آتی تھیں۔ خاص کر جب ان کو یہ معلوم ہوا۔ کہ ہم کاشتکاری کا پیشہ کرتے ہیں +

میرے شوہر کو چونکہ کسی قدر فن جراحی سے واقفیت تھی۔ اس لئے اس نے ایک کا کٹا ہوا بازو نہایت ہوشیاری کے ساتھ باندھا جس سے خون کا بہنا بند ہوا۔ اور اس کی زندگی کی امید ہو گئی۔ مگر اس احسان کا بدلہ جو میرے شوہر کو اس نے دیا۔ وہ یہی تھا۔ کہ ہمیشہ دشمنی کی نظر سے دیکھتی۔ وہ دوسری عورت جس کے تمام اعضا سالم تھے۔ فقط اس زخم کی وجہ سے جو آنکھ میں برابر روئے جاتی تھی۔ جس سے خوف تھا۔ کہ اس کی آنکھ جاتی رہے گی +

ہم لوگوں نے چونکہ اپنی کسی حالت کو چھپایا نہیں۔ اس لئے ان عورتوں کو ہمارا تو کل حال معلوم ہوا۔ لیکن ہم ان کی بابت کوئی بات معلوم نہ کر سکے۔ کیوں کہ وہ دونوں اس قسم کی گفتگو ہی نہ کرتی تھیں۔ جس سے ان کے حسب و نسب وغیرہ کا پتہ چلتا۔ گو ہم کو ان باتوں کے معلوم کرنے کی کوئی خاص ضرورت تو نہ تھی۔ تاہم یہ

ضرور چاہتے تھے۔ کہ اجمالاً یہ معلوم ہو جائے۔ کہ یہ کس خاندان اور کس طبقہ کی ہیں +
میں نے اس لڑکے کو اپنی گود میں بٹھا کر کچھ ان کا حال معلوم کرنا چاہا۔ لیکن اس نے کہا۔ کہ میں ان عورتوں سے قطعی ناواقف ہوں۔ میں نے اس سے پیشتر کبھی دیکھا ہی نہیں +

اس بچے کی گفتگو سے اتنا تو پتہ چلا۔ کہ یہ اس جج کا بیٹا ہے۔ جس کو ہندوستانیوں نے ہمارے سامنے آگ میں جلایا تھا۔ ابھی تک اس غریب کو اپنے باپ کی ہلاکت کا حال معلوم نہ تھا۔ وہ یہ جانتا تھا۔ کہ اس کا باپ صحیح و سلامت ہے۔ ہندوستانیوں سے لڑنے کے لئے گیا ہوا ہے۔ اسی وجہ سے اس کو اپنے باپ کی آمد کا انتظار تھا۔ چونکہ اس کی ماں چھ برس پہلے مر چکی تھی۔ لہٰذا اس نے اپنی خالہ کی گود میں پرورش پائی تھی۔ وہ بھی اس منحوس گھر میں رہتی تھی۔ جہاں اس کا باپ تھا + بدبختی سے ایک ماہ قبل اس نے کچھ مہمانوں کو بلایا تھا۔ چاہتی تھی۔ کہ دنیوی قرض سے سبکدوش ہو۔ ٹھیک اسی وقت جبکہ بزم دعوت آراستہ تھی۔ اور نوکر چاکر کمربستہ خدمت کے لئے کھڑے تھے۔ باغیوں نے حملہ کر دیا۔ سب پریشان ہو گئے۔ مرد تو مصروف پیکار ہوئے۔ اور عورتیں اور بچے سب کے سب اس تہہ خانے کے اندر گھس گئے +

یہ مختصر سرگزشت اس مکان کی تھی۔ جس کو ہم نے اس لڑکے کی گفتگو سے اخذ کیا۔ اسی درمیان میں جبکہ ہم لڑکے سے یہ گفتگو کر رہے تھے۔ ان دونوں عورتوں میں کچھ نزاع واقع ہوا۔ ایک نے بطور طنز دوسری سے کہا +
ایک۔ بس ذرا مُنہ سنبھال کر بول۔ اتراتی کیا ہے۔ وہ دن گئے۔ کہ خلیل خاں فاختہ مارتے تھے۔ اب ٹکڑا بھی کھانے کو نہ جڑے گا۔ یوں ہی ایک ہاتھ کی ڈنڈ پھرنا۔ بہت باورچی خانے میں رہ کر موٹی ہوئی تھی +

دوسری:۔ یاد رکھنا۔ اگر میرے سامنے زیادہ چپڑ چپڑ کی۔ تو گُدی سے زبان کھینچ لوں گی۔ ٹکے کی آنا میرے سامنے بڑھ بڑھ کے باتیں بناتی ہے +
میں۔ بیبیو! خدا کے واسطے غل نہ مچاؤ۔ ابھی اگر خدانخواستہ کسی نے آواز

سُن لی۔ تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے +

دونوں کی اس باہمی گفتگو سے مجھے معلوم ہوگیا۔ کہ ایک تو ان میں سے باورچن اور دوسری آتا ہے۔ یہ دونوں اپنی میم کے ساتھ اس لڑکے کی خالہ کے ہاں آئی ہوں گی۔ وہاں اس حادثہ میں وہ میم تو ماری گئی۔ اور یہ دونوں مجروح ہو کر بچ گئیں +

بہر حال وہ کوئی بھی تھیں۔ لیکن چونکہ اس وقت ہماری بدبختی میں شریک اور مصیبت میں ساتھی تھیں۔ میں باوجود اس نخوت و غرور کے بھی جوان سے اس وقت تک برابر ظاہر ہوتا رہا۔ اس بات کو انسانیت سے بعید سمجھتی رہی۔ کہ کسی موقع اور محل پر ازروے طعن و طنز ان پر یہ ظاہر کروں۔ کہ وہ کس طبقے اور درجے کی ہیں۔ بلکہ میں تو ہمیشہ ان کو تسلی اور دلاسا دینے اور امکانی آرام پہنچانے کے لئے کوشاں رہتی تھی + نیکی کا بدلہ خدا ہی دینے والا ہے +

سچ کسی نے کہا ہے۔ کہ احسان سرکشوں کی گردن جھکا دیتا ہے۔ آخر کب تک متنفر رہتیں۔ میرے برتاؤ نے ان وحشیوں کو رام کر ہی چھوڑا۔ دن بھر میں کچھ سے کچھ حالت ہوگئی۔ یا تو ہماری طرف سے پشت کر کے بیٹھتی تھیں۔ یا دلداری و غمگساری کی باتیں کرنے لگیں۔ کبھی کبھی ضرورت کے وقت ہمارا کام بھی کر دیتی تھیں +

جب آفتاب عالم تاب نے نقاب شب اُلٹ کر روئے عالم پر نظر ڈالی۔ تو ہم نے بھی آنکھ کھول کر اپنے کمرے کو اچھی طرح دیکھا بھالا۔ یہ ایک بہت بڑا دالان تھا۔ جس کا فرش تمام سنگ مرمر کا تھا۔ اور دیوار و در پر استرکاری ہو رہی تھی۔ اور درمیان میں ایک بڑی سی میز اور اِدھر اُدھر چند چارپائیوں کے سوا اور کوئی سامان ہمیں اس میں دکھائی نہ دیا + جس قدر یہ گھر۔ باغ اور کمرہ جس میں ہم پناہ گزین تھے۔ امن و آرام کا مقام تھا۔ اسی قدر اس کے باہر فتنہ و آشوب زیادہ تھا + اطراف شہر سے برابر توپوں اور بندوقوں کی آواز۔ باغیوں کا غل غپاڑہ سُنائی دے رہا تھا۔ جس سے ہمارے ہوش گم تھے۔ جو توپ کی آواز ہم سُن رہے تھے

وہ یقیناً انگریزی فوج کی طرف سے تھی۔ جو باغیوں کے ڈرانے اور مجمع کے منتشر کرنے کے لئے چھوڑا رہا تھی۔ لیکن افسوس۔ کہ انگریزی فوج کی تعداد اس قدر کم تھی۔ کہ ایک گورا ہزار ہندوستانیوں کا مقابل تھا +

کل اور آج کی حالت از روئے مصائب و آلام ہمارے لئے یکساں تھی ہر وقت دل کو یہ دھڑکا لگا ہوا تھا۔ کہ دیکھئے کیا انجام ہو؟ ہر چند میں عقل پر زور دے کر یہ سوچتی تھی۔ کہ آخر یہ شورش کیوں ہوئی؟ یہ مصیبت ہم پر کس وجہ سے آئی۔ مگر کوئی معقول جواب ذہن میں نہ آتا تھا۔ محض تسلی کے لئے دل میں یہ فرض کر لیتی تھی۔ کہ جو رنج و دکھ ہم کو پہنچ رہا ہے۔ یہ شاید کسی وحشت ناک خواب کی تعبیر ہے۔ یا شاید میرے دماغ میں خلل آگیا ہے جس کے باعث یہ توہمات لایعنی پیدا ہو رہے ہیں۔ اصلیت ان کی کچھ بھی نہیں۔ صرف ایک وہم ہی وہم ہے۔ کبھی کہتی تھی۔ کہ ہم جو صبح کو چائے پیا کرتے ہیں۔ تو شاید کسی نوکر نے اس میں بھنگ ملا دی ہو گی۔ جو یک بیک ایسی حالت ہو گئی۔ یہ بات کوئی تعجب خیز نہیں تھی اکثر ایسا دیکھا گیا ہے۔ کہ جب انسان کے دماغ پر بہت سے مصائب کا بار ایک مرتبہ ہی آگرتا ہے۔ تو اس کی عقل جاتی رہتی ہے۔ اور واقع اور عدم واقعہ میں تمیز باقی نہیں رہتی +

میں تو ان خیالات میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اور میرا شوہر اس خجالت سے کہ کیوں نہ انگریزوں کے ہمراہ ہو کر شریک معرکہ ہوا۔ ایک گوشے میں سر جھکائے خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ میں اس کے پاس گئی۔ اور کہا:۔

میں۔ آپ کس سوچ میں ہیں۔ گردن ذرا اوپر کو اٹھایئے۔ جو کچھ مقدر میں لکھا ہے۔ وہ تو ہو کر رہے گا۔ آخر اس فکر سے کیا حاصل؟

شوہر۔ (آہ سرد بھر کر) دل کا ارمان دل ہی میں رہ گیا +

میں۔ وہ کیا ارمان تھے؟ میں بھی تو سنوں +

شوہر۔ اب کیا بتاؤں۔ کہ کیا دل میں تھی۔ میرا تو مستقل طور سے یہ ارادہ تھا۔ کہ انگریزوں کے گروہ میں شامل ہو کر ان سفاک باغیوں سے خوب جی کھول کر لڑوں۔ کچھ تو دل کا حوصلہ نکل جائے۔ مگر جب تمہاری دربدری اور پریشان حالی کا خیال آتا ہے۔ تو ہمت پست اور جرأت شکستہ ہو جاتی ہے +

میں (آنسو بھر کر) نہیں آپ ہماری وجہ سے اپنا ارادہ فسخ نہ کیجئے۔ ضرور وہاں جا کر دشمنوں سے لڑیئے۔ خدا ہمارا حافظ و نگہبان ہے۔ اسی کی ذات کا اب تو دنیا میں سہارا رہ گیا ہے۔ اگر زندگی کے دن باقی ہیں۔ اور یہ پاؤں تلے کی کرسی نکل گئی۔ تو پھر کہیں مل رہیں گے۔ وائے ہماری بدنصیبی اور بدبختی پر کہ نہ خود اپنے ہم وطنوں کی کوئی مدد کر سکتے ہیں۔ نہ دوسروں کو کرنے دیتے ہیں۔ شکر ہے۔ خدا کا جس حال میں رکھے۔ ہم بے غیرتوں پست ہمتوں میں یہ حوصلہ کہاں۔ کہ وقت بے کسی میں۔ دوسروں کا ساتھ دیں۔ خود ہی بدقسمتی سے دوسروں کی مدد کے محتاج ہیں۔ یا اللہ تو ہماری ناچاری و بے لبسی کا دیکھنے والا۔ اور دلوں کی حالت کا جاننے والا ہے +

شوہر (کسی قدر شرمندہ سا ہو کر) بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ میں تم کو اس حال میں چھوڑ کر چل دوں۔ اگر ایسا شقی وقسی القلب ہوتا۔ تو اب تک کبھی کا چل دیا ہوتا۔ اب تو جو کچھ مقدر میں ہے۔ وہ دیکھیں گے۔ میری غرض یہ نہ تھی۔ کہ میں تم کو چھوڑ کر بھاگ جاؤں۔ بلکہ اپنی اس حالت پر افسوس کر رہا تھا۔ ایک مرد کے لئے اس سے زیادہ اور کیا ننگ ہو سکتا ہے کہ وہ عورتوں کی طرح مکان میں بیٹھ کر چھپ جائے۔ اور ایسا خائف ہو۔ کہ آواز تک منہ سے نہ نکالے۔ مرد کا جوہر یہی ہے۔ کہ جب دشمنوں کا ہجوم ہو۔ تلوار لے کر سامنے آئے خود مرے اور دس بیس کو مار کر خاک پر گرائے۔ تم فضول آزردہ ہوتی ہو۔ میں تو محض بطور افسوس کے یہ گفتگو کر رہا تھا۔ اس شخص کا آزادانہ کوئی کام کرنا کیوں کر ممکن ہے۔ جس کے پیر میں ایک چھوڑ تین تین بیڑیاں پڑی ہوئی ہوں +

شوہر کی یہ گفتگو میرا غم دور کرنے کی غرض سے تھی۔ مگر چونکہ لہجہ سے ملال کا اظہار ہوتا تھا۔ اس لئے میرے دل کو سخت صدمہ پہنچا جس کو اس نے میرے چہرے سے محسوس کیا۔ اور بغرض دل دہی یوں کہنے لگا +

شوہر۔ تم اس قدر پریشان کیوں ہوتی ہو (میری آنکھ سے آنسو پاک کر کے) میں نے آخر کیا کہا۔ جو تم کو اس قدر ملال ہوا۔ یہ تو سب دل لگی کی باتیں تھیں۔ ذرا تمہارے چھیڑنے کو ایسا کہہ رہا تھا۔ بھلا میں یہاں سے کہیں جا سکتا ہوں۔ اور اب بات ہی کیا رہ گئی ہے۔ اگر خدا نے چاہا۔ تو آج ہی گوروں کی پلٹنیں باغیوں کا قلع قمع کر دیں گی۔ اور شام ہی تک

تمام دہلی میں امن وامان قایم ہو جائے گا۔ بہت جلد وہ گورے جو بارود خانہ کے محافظ ہیں نیز وہ وفادار ہندوستانی جنہوں نے باغیوں کے بہکانے سے انگریزوں کا ساتھ نہیں چھوڑا سب مل کر مفسدوں کو بغاوت کا پورا پورا ذائقہ چکھائیں گے۔ یہ بھی نہ معلوم کیا بات تھی۔ کہ ہندوستانیوں کو اس قدر جرأت ہو گئی۔ ورنہ یہ لوگ گورنمنٹ کے مقابلے کی کہاں تاب رکھتے ہیں۔ جس وقت ہندوستانی فوجوں کا باقاعدہ انتظام ہو گیا۔ یہ سب فتنہ دم بھر میں فرد ہو جائے گا۔

ہم لوگ یہ سمجھتے تھے۔ کہ یہ بغاوت صرف دہلی اور میرٹھ ہی میں ہے۔ اس کا پتہ نہ تھا۔ کہ یہ آگ تمام ہندوستان میں بھڑک رہی ہے۔ جس کا قوی سبب مذہب کا اختلاف رسوم ملکی کی مغائرت۔ انگریزی اور ہندوستانی عادات کا فرق تھا۔ بہرحال میرا شوہر نہ اندھا تھا۔ نہ مجنون تھا۔ نہ خفیف العقل۔ ہولناک اخبار کو کانوں سے سنتا تھا۔ شورش وفتنہ کو آنکھ سے دیکھتا تھا۔ سلطنت کی بداقبالی اور شکستگی کو جانتا تھا۔ لیکن اس پر بھی ایسا بھولا بن رہا تھا۔ گویا کچھ جانتا ہی نہیں اس کا کیا سبب تھا۔ صرف یہی کہ میں زیادہ مضطر وپریشان نہ ہوں۔ اور اس واقعہ کو بہت ہی معمولی واقعہ سمجھتے ہوئے انگریزی سلطنت کے قیام وثبات کا اعتقاد دل میں لئے رہوں۔ سب سے زیادہ تعجب خیز تو یہ بات ہے کہ وہ ہم کو اثنائے گفتگو میں اس بات کا یقین دلانا چاہتا تھا۔ کہ ہندوستان میں جلد سے جلد امن وامان قایم ہونے والا ہے۔ جس وقت ایسا ہوا۔ تو ہم لوگ سرکار سے اس نقصان کا بھی عوض پائیں گے۔ جو ہمارے گھر جلنے اور اسباب وغیرہ کی بربادی سے ہوا ہے میں اس کی یہ اطفال کو لبھانے والی باتوں کو سن کر دل ہی دل میں ہنستی تھی۔ ایک بات بھی اگر سچ پوچھو۔ تو میرے دل کو نہ لگتی تھی۔ محض اس کی خاطر سے ہاں میں ہاں ملائے جاتی تھی۔ ابھی یہ گفتگو تمام نہ ہوئی تھی۔ کہ پے در پے توپوں کے دغنے کی آواز ہمارے کان میں آئی۔

شوہر (آواز کی طرف کان لگا کر) ایں یہ کیا؟ یہ توپیں کہاں دغ رہی ہیں۔ کیا پھر باغیوں نے حملہ کر دیا؟

میں۔ خدا ہی جانے کیا معاملہ ہے؟ یہاں تو اب دن رات یہی رہے گا۔ یا اللہ تو ہی بچانے

والا ہے +

شوہر۔ ذرا کان لگا کر سننا۔ مجھے ان توپوں میں گولے بھرے ہوئے نہیں معلوم ہوتے۔ بلکہ چھرہ سا نظر آتا ہے۔ کیا گولے کی ایسی ہی آواز ہوتی ہے؟

میں۔ تم ہی جانو کیا ہے۔ میرے تو ہوش گم ہیں۔ نہ چھرا سمجھ میں آتا ہے۔ نہ گولہ +

شوہر۔ کیا تم نہیں سُن رہی ہو۔ کہ توپ کے دغنے کے بعد لوگوں کا ایک شور سنائی دیتا ہے۔ اور چند منٹ خاموشی کے بعد پھر توپ چھوٹتی ہے۔ اور پھر اسی طرح لوگوں کی آواز کان میں آتی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ جس وقت توپ سے چھرّہ نکلتا ہے۔ اور بہت سے بلوائی زخمی یا ہلاک ہو جاتے ہیں۔ تو چند منٹ کو ان کے حملے سے نجات مل جاتی ہے۔ دوسری بار جب پھر جمع ہو کر ہلہ کرتے ہیں۔ تو پھر توپ چھوٹتی ہے۔ کیا یہ میرا خیال غلط ہے؟

میں۔ ممکن ہے۔ یہی بات ہو۔ مگر یہ آواز آتی کہاں سے ہے؟

شوہر۔ میرے خیال سے سلیم غوری کے قلعہ سے آ رہی ہے +

میں۔ کبھی ہرگز نہیں۔ سلیم غوری کا قلعہ داہنی جانب ہے۔ اور یہ آواز بائیں جانب سے آتی ہے +

شوہر۔ ممکن ہے۔ ایسا ہی ہو +

میں۔ (چونک کر) اور بندوقوں کے چھوٹنے کی آواز نہیں سن رہے؟

شوہر۔ یہ تو بڑی زبردست باڑ چل رہی ہے۔ آج کا معاملہ زیادہ مخدوش نظر آتا ہے۔ خدایا تیری پناہ +

میں۔ ہو نہ ہو۔ یہ لڑائی یا تو کلکتہ دروازہ کے مقابل ہے۔ یا بارود خانہ کے سامنے +

شوہر۔ کان لگا کر) مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ میرٹھ کے توپچی جو ہمارے طرف دار ہیں۔ جمنا کا پل اتر کر شہر میں داخل ہو گئے ہیں۔ اور لشپت کی طرف سے باغیوں پر حملہ کر رہے ہیں اگر خدا نے ایسا ہی کیا۔ تو کام بن گیا۔ گھڑی دو گھڑی میں سب کو خاک پر لٹا دیں گے۔ اور تمام دہلی میں از سر نو امن ہو جائے گا۔ تو پھر تو ہم بھی خوشی خوشی اپنے گھر کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔ تم دیکھ لینا وہیں دایہ ویل کو گود میں لئے موجود ہو گی +

میرے شوہر کی یہ مجنونانہ بڑ اور افیونیوں کی سی گفتگو برابر جاری تھی۔ اور میں دل ہی میں گھٹتی تھی۔ اس کے ملال کی وجہ سے کھل کر نہ کہہ سکتی تھی۔ کہ یہ شیخ چلی کے سے منصوبے پورے ہو چکے۔ اور اب امن کہاں اور اطمینان کیسا۔ نہ معلوم مقدر میں کیا کیا لکھا ہے۔ بھلا یہ تو بدنظمی اور ابتری کی صورت اور پھر فوری امن کی امید میرے شوہر کی عقل گوارا کر رہی تھی۔ گو میں اس کا دل رکھنے کے لئے کہہ دیا کرتی تھی۔ "خدا ایسا ہی کرے"۔ مگر ان الفاظ کو دل ذرا بھی قبول نہ کرتا تھا۔ یہ میرے قلبی اعتقاد کی سچی ترجمانی نہ تھی محض دنیا سازی یا دلداری تھی +

اتفاق کی بات تھوڑی دیر کے بعد توپ اور بندوق کی آواز بالکل جاتی رہی میرا شوہر خوشی سے کودنے لگا۔ بار بار جوش میں میرا ہاتھ پکڑ کر کہتا تھا +

شوہر۔ کہو ہم نہ کہتے تھے۔ کہ اب ہوا بدلی۔ باغیوں کا دھواں اُڑا۔ دیکھ لو توپ رُک گئی +

میں۔ توپ کا رُکنا فتنہ کے فرو ہونے کی دلیل کیسے ہو گیا؟

شوہر۔ (مسکرا کر) تم تو بڑی موٹی عقل کی آدمی معلوم ہوتی ہو۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ کہ جب باغی پسپا ہو کر بھاگ گئے ہوں گے۔ تو پھر توپ کس پر چلائی جاتی؟ در و دیوار پر؟

میں۔ اور کیا ایسے ہی مچھر۔ پسّو تو تھے نا۔ کہ ذرا سا دھواں دکھانے سے بھاگ گئے۔ خدا کے واسطے ذرا ہوش کی لو +

شوہر۔ (جھنجلا کر) خیر صاحب وہ مچھر پسو نہ سہی۔ شبیر سہی۔ تم کو انگریزوں کی کامیابی کا یقین ہی نہیں آتا +

میں۔ یقین تو جب آئے۔ کہ عقل کے نزدیک کوئی صورت ان کی کامیابی کی نکلے۔ یا یوں ہی اعتقاد اگُھلانا چاہتے ہو +

دَن۔ دَن۔ دَن

شوہر (ہکا بکا ہو کر) یہ کیا۔ یہ کیا۔ پھر توپ چلنے لگی +

میں۔ تم کہتے تھے۔ لڑائی ختم ہو گئی۔ انگریز کامیاب ہو گئے۔ ہندوستانی بھاگ

کھڑے ہوئے۔ اب یہ آواز کیسی ہے؟

شوہر (شرمندہ ہو کر) اب غیب کا حال تو خدا ہی جانے۔ اپنی تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

میں۔ ذرا سننا۔ مجھے تو بلوائیوں کے خوشی کے نعرے سنائی پڑتے ہیں۔

شوہر (چیں بجبیں ہو کر) تمہارے کان بجتے ہیں۔ تمہارے خیال سے وہ گویا سارے شہر پر قابض ہو گئے۔ واہ کیا کہنا۔

میں۔ مفت میں غصہ کیوں ہوتے ہو۔ ذرا خاموشی سے سنو تو۔

شوہر۔ (تھوڑی دیر کان لگا کر) بیشک تمہارا ہی خیال ٹھیک ہے۔ پر لیکن یہ کیا ماجرا ہے کیوں یہ خوشی کے نعرے بلند ہو رہے ہیں۔ کیا جو گورے بارود خانے پر متعین تھے وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور وہ جگہ باغیوں کے قبضے میں آگئی۔ یا جو لوگ میرٹھ سے ہماری کمک کو آئے تھے۔ وہ مغلوب ہو گئے؟

بارود خانہ کا نام سنتے ہی ایلن جو ایک گوشے میں بالکل خاموش بیٹھی تھی۔ یکبار گی دیوانوں کی طرح دوڑی اور میرا بازو زور سے پکڑ کر کہنے لگی۔

ایلن۔ آماں! تم نے بارود خانہ کی بابت ابھی کیا کہا؟

میں۔ (نہایت نرم لہجے میں) بیٹی! بارود خانہ کے ذکر سے ہمارا یہ مطلب تھا۔ کہ وہاں بڑے بڑے غیرت مند۔ وفا شعار اور شہ زور خادمانِ ملکہ انگلستان موجود ہیں۔ جب تک ان کے بدنوں میں جان ہے۔ ہرگز قبضہ نہ چھوڑیں گے۔

ایلن۔ جب یہ جانتی ہو۔ تو وہیں کیوں نہیں چلتیں۔ ولیم کی وجہ سے وہاں ہم کو ہر طرح کا اطمینان رہے گا۔ اور اگر خدانخواستہ کوئی آفت آئی بھی۔ تو سب ہوں گے۔ تو ایک دوسرے کی صورت کو ترستے تو نہ جائیں گے۔

میں۔ بیٹی! وہاں تک جانا آسان ہوتا۔ تو اب تک چلے نہ جاتے۔ سن رہی ہو۔ کہ ہندوستانی تمام شہر میں اس طرح ہمیں ڈھونڈ رہے ہیں۔ جس طرح خونخوار درندہ اپنا شکار تلاش کرتا ہے اگر اس خانۂ امن و امان سے نکل کر باہر گئے۔ اور اب سے دور کسی کی نگاہ پڑ گئی۔ تو پھر کیا ہو گا؟

ایلن۔ تو مجھے ولیم کے ملنے سے ناامید ہونا چاہیے (اتنا کہا۔ اور بے اختیار اس

کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے،

میں (پیار سے مُنہ چوم کر) ایلن! ایلن! تم کیسی ناسمجھ ہو۔ یہ کیسے جان لیا۔ کہ اب ہم ولیم سے نہ ملیں گے۔ خدا کو بڑی قدرت ہے۔ دیکھو تو اب وہ وقت آیا۔ کہ ہم اور ولیم ایک جگہ ہوں گے۔ بیٹی کسی پر ہمیشہ مصیبت رہی بھی ہے۔ جو ہم پر بھی رہے گی؟

یک ساعت بیک لحظہ بیک دم۔

دگرگوں مے شود احوال عالم +

شوہر۔ (ایلن کو گلے لگا کر) پیاری بیٹی صبر کر۔ صبر کا اجر خدا دینے والا ہے +

ابھی میرے شوہر کا کلام تمام نہ ہوا تھا۔ کہ یک بارگی ایک نہایت سخت آواز کان میں آئی۔ وہ آواز نہ تھی۔ بلکہ یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ آسمان میں ایک بار ہزار رعد گرجے یا زمین پر ہزار کوہ آتش فشاں شق ہو گئے + انسان کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ زمین اس کی آواز سے دہلنے لگی۔ ہوا تیرو تار ہو گئی۔ نزدیک تھا۔ کہ کمرے کی چھت گر پڑے، ہم لوگوں میں سے کمرے کے اندر بعض تو کھڑے تھے۔ اور بعض بیٹھے تھے۔ اس آواز کے آتے ہی سب پیچھے کو لوٹ گئے۔ اور کئی منٹ تک ہوش نہ ہوا۔ ہر ایک کا کلیجہ دھک ہو رہا تھا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ زبان کو خوف سے بات کرنے کا یارا نہ تھا + یہ آواز بارود خانے میں آگ لگنے کی تھی۔ ہم پوری طرح یہ نہیں بتا سکتے۔ کہ کتنی دیر تک کمرے کے فرش پر بیہوش پڑے رہے۔ جب کسی قدر اوسان درست ہوئے۔ تو خدا سے دعا مانگی۔ اور اپنے اطراف و جوانب میں نگاہ دوڑائی۔ میری لڑکی ایلن مُردوں کی مانند زمین پر پڑی ہوئی تھی۔ میں نے اور میرے شوہر نے اُٹھا کر ایک پلنگ پر لٹا دیا۔ اس کی حالت زار کو دیکھ دیکھ کر اور اپنی تباہی و بربادی کا تصور کر کے میں اس کا سر زانو پر رکھے زار زار رو رہی تھی۔ افسوس کیسی دم بھر میں کایا پلٹی۔ گھر چھوٹا۔ بچہ چھوٹا دولت گئی۔ حکومت گئی۔ اب چلتے چلتے جوان لڑکی بھی ہاتھوں سے جا رہی ہے +

بارود خانے کے آگ لگنے اور اس کے اندر غیرت مند انگریزوں کے جلنے کا مفصل حال مورخین لکھیں گے۔ میں صرف اسی قدر لکھتی ہوں۔ جتنا وہاں موجود

رہنے والے ایک شخص نے مجھ سے بیان کیا تھا۔ وہ کہتا تھا:۔

"۱۱۔ مئی کو تمام شہر دہلی میں باغیوں کا قبضہ تھا۔ جس قدر گورے ہلاک ہونے سے بچے تھے۔ سب کے سب کابلی دروازہ سے فرار ہو کر شہر کے باہر چلے گئے۔ سراج الدین محمد بہادر شاہ کو جو سلسلہ تیموریہ کا آخری بادشاہ تھا۔ ہندوستانیوں نے تخت سلطنت پر بٹھا دیا۔ اور اس کے بعد ہندوستانیوں کا گروہ انگریزوں کے قتل کرنے اور ان کا مال و دولت لوٹنے کے لئے جابجا گھومنے لگا + باوجودیکہ توپ خانہ کے محافظ اور بعض سلح خانے اور بارود خانے کے سردار یہ چاہتے تھے۔ کہ آخر دم تک اس کی نگہبانی کریں۔ اور حتی الامکان اس کو دشمنوں کے قبضے سے بچائیں۔ کہ شاید اس کی وجہ سے بگڑی بات بن جائے۔ لیکن تقدیر پر کسی کا زور نہیں چلتا" +

انہیں سب سرداروں میں جو وہاں جمع تھے۔ اور تادم آخر حفاظت کا بیڑا اٹھائے ہوئے تھے۔ میرا داماد ولیم بھی تھا۔ ان لوگوں نے متفق ہو کر اپنی جماعت میں سے ایک ذی وجاہت اور کبیر السن سردار کو اپنا رئیس بنا لیا تھا۔ اور مقابلے کے لئے بالکل آمادہ ہو گئے تھے۔ ان کو سرداروں نے اپنے تجربے سے یہ یقین دلایا تھا۔ کہ ہندوستانی سپاہی پہلا حملہ تو نہایت دلیری اور جرأت سے کرتے ہیں۔ اگر اس سے دشمن بھاگ گیا۔ تو سبحان اللہ۔ پھر کہنا ہی کیا ہے۔ اور اس نے سختی سے بات پوچھی۔ اور قدم جمائے رہا۔ تو رفتہ رفتہ ان کا جوش ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ اور پائے ثبات اُکھڑ جاتے ہیں +

ان کا ایک خیال یہ بھی تھا۔ کہ اگر کم از کم ۲۴ گھنٹے سلح خانہ اور بارود خانہ ہمارے قبضے میں رہ گیا۔ تو امید ہے۔ کہ دوسری چھاونیاں اس غدر کا حال سن کر دہلی کو پلٹنیں روانہ کر دیں گی۔ اور یہ شہر یقیناً باغیوں کے قبضے سے نکل جائیگا + چونکہ ایک مدت دراز سے ہندوستان میں کوئی غدر نہ ہوا تھا۔ اس لئے بارود خانہ کی محافظت میں کوئی خاص اہتمام نہ کیا جاتا تھا۔ اس بات سے بالکل بے خبر

تھے۔ کہ انسان کو چندروزہ امن اور عارضی آسائش پر غافل نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ ہمہ وقت دشمنوں سے تحفظ کا بندولبست رکھنا چاہئے۔ بہت سے خطرے اکثر ایسے آپڑتے ہیں کہ پہلے سے ان کی آمد کا گمان تک نہیں ہوتا +

خلاصہ یہ کہ دو توپیں اور بہت سی چھرے کی تھیلیاں بارود خانے کے سامنے رکھ دی گئیں تھیں۔ اور توپچیوں کو حکم دیا گیا تھا۔ کہ جب یہ سامان ختم ہو جائے۔ اور کوئی تدبیر دفعیہ کی ممکن نہ ہو۔ تو توپوں کو چھوڑ کر فوراً بارود خانہ کے اندر چلے آئیں۔ اور ایک مورچے میں جو بارود خانے کے اندر بنایا گیا تھا۔ پناہ لیں +

اس مختصر انگریزی فوج نے یہ معاہدہ کر لیا تھا۔ کہ جب تک جسموں میں جان باقی ہے۔ مردانہ کوشش کئے جائیں گے۔ اور بارود خانے کو باغیوں کے ہاتھ میں ہرگز نہ دیں گے۔ لیکن جب طاقت نہ رہے۔ اور مقابلہ اختیار سے باہر ہو جائے۔ تو بارود کے تمام انبار میں ایک بار آگ لگا دی جائے۔ تاکہ ایک چٹکی بھر اس میں سے باغیوں کو نہ ملے۔ اسی غرض سے بارود کے انبار سے لے کر انگریزوں کی پناہ کی جگہ تک برابر ایک خط بارود کا کھینچ دیا گیا تھا۔ اور ان کا سردار اپنے ہاتھ میں ایک بتی جلائے بیٹھا تھا کہ جس وقت باغی اندر گھسیں۔ فوراً بارود میں آگ لگا دی جائے۔ اور خود بھی اسی میں جل کر مر جائیں +

اسی درمیان میں دہلی کے نئے بادشاہ کا ایک عہدہ دار انگریزی سرداروں کے پاس بادشاہ کا یہ پیغام لے کر پہنچا۔ کہ اگر تم لوگ بارود خانے سے دست بردار ہو جاؤ۔ تو ہر طرح سے امان دیدی جائے۔ انگریزی افسر نے اس پیغامبر کو ڈانٹ کر لوٹا دیا۔ اور سب نے مل کر ملکہ وکٹوریا کی سلطنت قایم رہنے کی دعا کی +

جب بادشاہ دہلی کو مایوسی ہوئی۔ تو اس نے بارود خانے پر حملہ کرنے کا حکم دیا حکم سنتے ہی اس قدر کثرت سے لوگ اس پر ٹوٹے۔ کہ اگرچہ کئی توپیں متواتر داغی جا رہی تھیں۔ مگر ان کا ہجوم کسی طرح کم نہ ہوتا تھا۔ انگریزوں نے بہت کوشش کی۔ کہ بارود خانہ ہاتھ سے نہ نکلے لیکن کچھ پیش نہ گئی۔ اور آگ لگانے پر مجبور ہو گئے + وہ وقت بھی اس بدنصیب گروہ کے لئے عجیب ہولناک تھا۔ موت آنکھوں کے سامنے تھی۔ اور ہزاروں

ارمان دل میں ۔ ایک نے دوسرے کو بکمال حسرت و یاس دیکھا۔ اور آنکھوں ہی آنکھوں میں الوداع کہہ دی۔ اس سردار اعظم نے فتیلۂ روشن کو جو ہاتھ میں پکڑا تھا۔ فوراً بارود کے خط پر لگا دیا جس سے ایک چشم زدن میں تمام بارودخانہ بھڑ سے ہو گیا بجز چند آدمیوں کے جن کی جان بچ جانا۔ ایک قسم کا معجزہ ہے۔ اور سب وہیں جل بھن کر رہ گئے۔

خلاصہ یہ کہ چودھویں تاریخ ظہر کے وقت جب فیل بان ہمارے پاس آیا۔ تو بسبب شدت گرسنگی ہم اپنی خودداری کو بھول کر اس کی طرف اس خیال سے دوڑے۔ کہ شاید کوئی چیز کھانے کی ہمارے لئے لایا ہو۔ لیکن جب معلوم ہوا۔ کہ ہاتھ خالی ہیں۔ تو ایک ایک کے چہرے پر مردنی چھا گئی نبضیں ساقط ہو گئیں۔ کلیجہ بیٹھ گیا ۔

پانچواں حادثہ

یہ دنیا کیا ہے؟ اک منظر ہے رنج و یاس و حسرت کا۔\
نمود ہستی موہوم اِک جھونکا ہے غفلت کا ۔

ہم فیل بان کی طرف دوڑے تو اس خیال سے تھے۔ کہ وہ کوئی غذا ہمارے واسطے لایا ہو گا۔ وہاں بدقسمتی رزق بند کر کے ایک اور نئی مصیبت کا پہاڑ سر پر گرانے والی تھی۔ اس کے چہرے پر وحشت و خوف کے آثار معلوم کر کے اور ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ شوہر نے پوچھا ۔

شوہر فیل بان تمہارا کیا حال ہے۔ آج اس قدر چہرہ کیوں اُترا ہوا ہے؟

فیل بان۔ سرکار کیا عرض کروں؟

اتنا کہہ کر وہ سیدھا کمرے کے اندر داخل ہو گیا۔ اور تمام توشکوں اور گدّوں کو اُٹھا کر چارپائیوں پر پھیلانے لگا۔ میں نے کہا محمد یہ کیا کرتا ہے؟

فیل بان۔ تم لوگ بہت جلد ان چارپائیوں کے نیچے گھس جاؤ۔ اور چاروں طرف سے توشکوں کو ڈھک لو ۔

ہم لوگ یہ سنتے ہی پلنگوں کے نیچے ہو رہے ہے۔ مگر میری لڑکی متواتر نالہ و فریاد کئے جاتی تھی۔ اور بار بار کہہ رہی تھی "اگر بارودخانہ جل گیا۔ ہتھیار خانہ بُھک

گیا۔ تو میرا شوہر کیا ہوا۔ للّٰہ بتاؤ کوئی میرا شوہر کیا ہوا؟

ہم نے زبردستی اس کا مُنہ بند کیا۔ اور اپنے ساتھ لے کر پلنگوں کے نیچے چھپ گئے۔ یہ پلنگ چونکہ زمین سے زیادہ اونچے نہ تھے۔ اس لئے مجبوراً پیٹ کے بل زمین پر لیٹنا پڑا۔ فیلبان نے تمام توشکیں ہمارے اوپر ڈال دیں۔ اور تمام سامان جس سے دشمنوں کو کوئی شبہ ہوتا۔ دم بھر میں غایب کر دیا۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ ظالم ہندوستانی دھم دھم کرتے کمرے میں آ گھسے۔ ہم اگرچہ ان کو دیکھتے تو نہ تھے۔ لیکن ہتھیاروں کے باہم ٹکرانے کی آواز پاؤں کی آہٹ اور بات چیت کی صدا برابر سُن رہے تھے۔

ایک ۔ لینا۔ کہاں ہیں۔ کافر بچّے؟

دوسرا ۔ ایک کو زندہ نہ چھوڑنا۔

تیسرا ۔ بھاگ گئے۔

چوتھا ۔ بھاگ کر کہاں جائیں گے۔ اسی کمرے میں ڈھونڈو۔

پانچواں ۔ اس کمرے میں ہوتے۔ تو کیا سوئی تھے۔ جو نہ ملتے؟

اس قسم کی گفتگو کرتے ہوئے۔ وہ دیوانے کتے کی طرح ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر سارے کمرے میں بھاگے بھاگے پھرتے تھے۔ لیکن جب ہمارے ملنے سے مایوسی ہوئی۔ تو سب خاموش ہو گئے۔ اس وقت ہمارے فیل بان کی بن آئی۔ ازروئے تمسخر کہنے لگا:۔

فیل بان ۔ کہو ہم نے کیا کہا تھا۔ دھوکہ کھا کر فضول اپنے آپ کو زحمت و پریشانی میں ڈالا۔ ہماری ایک نہ سُنی۔ میں برابر کہے جاتا تھا۔ کہ وہاں ایک فرنگی بھی نہیں اگر ہوتے۔ تو میں تم سے چھپا رکھتا۔ مگر باوجود مسلمان ہونے کے تم نے میری قسم کا یقین نہ کیا۔ بھلا یہ تو سوچا ہوتا۔ میں اور دشمنوں کو پناہ دیتا۔ تمہارے ساتھ مجھ کو قتل کرنے سے تو گیا۔ اَور الٹا انہیں چھپاتا۔ خدا کو دیکھا نہیں۔ مگر عقل سے تو پہچانا ہے۔ ہم ہندوستانیوں میں یہی تو خرابی ہے۔ کہ ایک کی بات پر ایک کو بھروسہ نہیں۔ خیر خدا کا شکر ہے۔ کہ میرے کلام کی تصدیق ہو گئی۔

حق بات یہ ہے۔ کہ ہندوستان کے مسلمان تمام دنیا کی ملتوں سے کم جھوٹ بولتے ہیں۔ اور جب کسی بات پر قسم کھائی جاتی ہے۔ تو پھر کبھی جھوٹ بولتے ہی نہیں اگرچہ ہمارے فیل بان نے باغیوں کے سامنے قسم کھائی تھی۔ کہ اس کمرے میں کوئی فرنگی نہیں ہے۔ تو وہ ایک حد تک اپنے قول و قسم میں سچا تھا کیونکہ ہم لوگ بظاہر کمرے میں نہ تھے بلکہ توشکوں کے نیچے چھپے ہوئے تھے۔ فیل بان نے اگرچہ بہت کچھ چڑھائی۔ مگر باغیوں کو اطمینان نہ ہوا۔ اور مثل ان چور قلیوں کے جو ریلوے اسٹیشنوں پر بوریوں میں سیخیں مار کر یہ دیکھتے ہیں۔ کہ ان کے اندر کیا مال ہے۔ انہوں نے بھی اپنی تلواریں توشکوں اور چارپائیوں میں گھسانی شروع کر دیں۔ چنانچہ ایک تلوار کی نوک میرے بازوں میں لگی اور خون جاری ہو گیا۔ میں نے خوف و دہشت سے دم نہ مارا۔ فیل بان پریشان تھا۔ کہ مبادا ہم میں سے کوئی بیتاب ہو کر چلا اُٹھے۔ اور سارا بھید کھُل جائے ✦

ایک مرتبہ ہی فیل بان چلایا۔ "لے لینا۔ لے لینا کافروں کے کتے باغ میں نظر آتے ہیں"۔ یہ سنتے ہی وہ سب کے سب نکل کر بھاگے۔ فیل بان کمرے کا دروازہ بند کر کے ان کے پیچھے پیچھے گیا۔ اور غل مچانے لگا۔ "وہ باغ کی دیوار کود گئے نکلے۔ کیا کر رہے ہو جلدی کرو۔ کافر نکلنے نہ پائیں۔ دوڑو جوانو دوڑو"۔ جب باغیوں کی جماعت اس حیلے سے باغ کے باہر ہو گئی۔ تو اس نے فوراً باغ کا دروازہ بند کر دیا اور ہمارے پاس لوٹ آیا۔ اور کہا۔ کہ اب تم لوگ پلنگوں کے نیچے سے نکل آؤ۔ ہم سب نے اس کی اس تدبیر پر تحسین و آفرین کی۔ اور اس ہمدردی کا شکریہ ادا کیا۔ جب کسی قدر دل ٹھکانے سے ہوا۔ تو سب نے بھوک سے بے چینی کا اظہار کیا ✦

میں۔ محمد! اب جان چلی۔ اگر تھوڑی دیر اور غذا نہ ملے گی۔ تو ہم سب ہلاک ہو جائیں گے جس طرح ممکن ہو۔ تھوڑے سے چاول ہمارے لئے بہم پہنچاؤ ✦

فیل بان۔ تاوقتیکہ تاریکی شب پردہ نہ ڈالے۔ یہ ناممکن ہے۔ کہ میں آپ لوگوں کے لئے کوئی غذا فراہم کر سکوں ✦

میں۔ یہ کیوں؟

فیل بان۔ میم صاحب! آپ کو کیا خبر ہے۔ آج داروغہ نے مجھے بلا کر بہت ڈانٹا۔

اور کہا۔ اگر تو نے سچ سچ نہ بتایا۔ کہ تیرے صاحب لوگ کہاں چھپے ہیں۔ اور مجھے معلوم ہو گیا۔ تو یاد رکھنا گردن مار دوں گا۔

میں۔ اچھا پھر تم نے کیا کہا؟

فیل بان۔ کہتا کیا؟ یہی کہا۔ کہ میں بقسم کہتا ہوں۔ مجھے ان کا پتہ صرف دلی دروازہ تک کا معلوم ہے۔ اس کے بعد چونکہ میں ان سے جدا ہو گیا۔ لہٰذا خبر نہیں۔ کہ وہ لوگ کہاں ہیں۔ اور کس حال میں ہیں۔ مر گئے۔ یا جیتے ہیں۔ شہر میں ہیں۔ یا کہیں نکل گئے؟

میں۔ محمد تو نے ہمارے ساتھ بڑی ہمدردی کی۔

فیل بان۔ خیر یہ تو ہو گیا۔ اب سنئے۔ اسی داروغہ نے آج خاص طور سے یہ حکم دیدیا ہے۔ کہ خوب اچھی طرح دہلی میں انگریزوں کی تلاش کرو۔ گوشہ گوشہ ڈھونڈو۔ اور جو انگریز جس جگہ ملے۔ مرد ہو یا عورت۔ جوان ہو۔ یا بوڑھا۔ لڑکا ہو یا لڑکی سب کو تہہ شمشیر کردو۔ کسی ایک کو زندہ نہ چھوڑو۔ جو شخص سر کاٹ کر داروغہ کے پاس لے جائے گا۔ اس کو مرد کے سر کا تین سو روپیہ۔ عورت کے سر کا دو سو پچاس روپیہ اور لڑکے کے سر کا دو سو روپیہ انعام ملے گا۔

ہم لوگ اس خبر کو سنتے ہی کانپ گئے۔ اور کچھ ایسے پریشان ہوئے۔ کہ بھوک پیاس سب جاتی رہی۔ فیل بان ہماری یہ حالت مشاہدہ کرکے اپنی گفتگو پر بے حد پشیمان ہوا۔ اور تسلی خاطر کی غرض سے کہنے لگا۔

فیل بان۔ تم کو بہت زیادہ پریشان نہ ہونا چاہیئے۔ رحمت خدا پر نظر رکھو۔ باغیوں نے ابھی ان ہی لوگوں کو قتل کیا ہے۔ جو شہر کے اندر تھے۔ باہر کے گروہ پر ابھی قبضہ نہیں پایا۔ یقین ہے۔ کہ انگریزی فوج جلد مجتمع ہو کر نہایت قوت و سطوت کے ساتھ دہلی پہنچنے والی ہے۔ اس سے باغیوں کو قرار واقعی سزا مل جائے گی۔ اور تم سب لوگ آزاد ہو جاؤ گے۔ میں تم کو یقین دلاتا ہوں۔ کہ جب تک میری جان میں جان ہے۔ تمہاری رفاقت سے منہ نہ موڑوں گا۔ اور تم کو اس ورطہ ہلاکت میں تنہا نہ چھوڑوں گا۔ ہاں اگر قتل کر ڈالا گیا۔ تو مجبوری ہے۔ اس گھر کا مالک علی جو میرا ہم مذہب اور خالص دوست ہے۔ خفیہ طور پر اس بات کو جانتا ہے۔ کہ تم لوگ یہاں پوشیدہ ہو۔ لیکن وہ اس کو

زبان پر نہیں لاتا۔ اور تجاہل عارفانہ کر رہا ہے + آج صبح جب مجھ سے اور اس سے ملاقات ہوئی۔ تو اس نے کہا۔ کہ میں ان لوگوں کو صرف اڑتالیس گھنٹے اور اپنے گھر میں پناہ دے سکتا ہوں۔ اس مدت کے گزرنے کے بعد اُن کو یقیناً میرا گھر چھوڑ دینا چاہئیے۔ لیکن میں تم سے کہتا ہوں۔ کہ اس کا ذرا غم نہ کرو۔ اور کوئی خطرہ دل میں نہ لاؤ۔ انشاءاللہ میں اسی اڑتالیس گھنٹے کی مدت میں تمہارے لئے کوئی دوسری پناہ کی جگہ تلاش کئے دیتا ہوں۔ بلکہ اس فکر میں تو ابھی جاتا ہوں +

یہ کہہ کر فیل بان چلا گیا۔ اور دن قریب ختم پہنچا۔ اس رات کی صورت ہم لوگوں نے جس اضطراب و پریشانی کے عالم میں دیکھی۔ خدا کسی کو نہ دکھائے + ایلین صبح سے اس وقت تک قالب بے روح کی طرح خاموش پڑی ہوئی تھی۔ نہ کسی سے بولتی تھی۔ نہ کسی کی طرف دیکھتی تھی۔ کبھی کبھی سرد آہوں کے ساتھ یہ الفاظ زبان سے نکل جاتے تھے۔ "ہتیار خانہ جل گیا"۔ صبح سے شام تک اس کو ایک ہی مقام پر بیٹھے گزر گیا تھا۔ صرف اتنی دیر کے لئے قسم کھانے کو اُٹھی تھی۔ جب باغیوں کی آمد کے وقت فیل بان نے زبردستی ہاتھ پکڑ کر پلنگ کے نیچے ڈال دیا تھا +

وہ لڑکا جو ہمارے ساتھ تھا۔ بے خبر پڑا سو رہا تھا۔ اور وہ عورتیں بیچاری اپنے زخموں کی تکلیف سے برابر روئے جاتی تھیں جسم بخار سے پھنک رہے تھے۔ وہ ہماری طرح بہ سبب حرارت کی زیادتی کے بھوک سے بے چین نہ تھیں +

ہمارے شوہر صاحب برابر ٹہلے ہی جاتے تھے۔ ان کا خیال شاید یہ ہوگا کہ حرکت کرنا اور رستہ چلنا جیسا کہ مشہور ہے۔ جملہ اوقات میں بھوک کو بڑھاتا ہے۔ شاید غلبۂ بدبختی کے وقت برخلاف جملہ اوقات کے بھوک کو روک دے + لیکن میں اس قدر فلسفی نہ تھی۔ میرا معدہ خالی اور عقل ہوا تھی۔ کبھی لیٹ جاتی تھی۔ کہ شاید دو گھڑی نیند آجائے۔ اور بھوک کی تکلیف سے کچھ دیر نجات مل جائے۔ کبھی اُٹھ بیٹھتی تھی۔ اور پیارے بچے ویلی کی یاد دل کو برباد دیتی تھی۔ دل میں کہتی تھی۔ نہ معلوم اس معصوم پر کیا گزری ہوگی۔ کس کے پاس ہوگا۔ چاروں طرف نظر اُٹھا اُٹھا کر مجھے دیکھتا ہوگا۔ اور رہ جاتا ہوگا۔ جانے کسی ظالم نے کچھ کھانے کو دیا بھی ہوگا۔ یا میری

طرح سے وہ بھی بھوک سے تلملاتا ہوگا*

بھوک کی شدت سے میری یہ حالت تھی۔ کہ لڑکے کی شکل و صورت میرے خیال سے محو ہوگئی تھی۔ بہت خیال کرتی تھی۔ بہت دماغ پر زور دیتی تھی۔ مگر اس کی صورت کا نقشہ ہی ذہن میں نہ آتا تھا*

کسی حکیم کا قول سچ ہے۔ کہ خصائل انسانی اور خصائل بشری اسی وقت تک اس کی ذات میں ہیں۔ اور خواص باطنیہ اور قوت مدرکہ اسی گھڑی تک اس کے دماغ کے ساتھی ہیں۔ جب تک کہ اس کا بدن اپنی ضروریات سے محروم نہ رکھا جائے۔ اور اگر ایسا نہ ہو۔ یعنی جسم انسانی کسی مصیبت کا شکار۔ یا کسی مانع راحت و آرام کا مورد مقام بن جائے۔ تو اس کے حواس یک قلم ضائع ہو جاتے ہیں۔ اپنے اس کی نظر میں غیر اور قواعد و آئین مذہب اس کے عقیدے میں ایک افسانہ بن جاتے ہیں*

یہ جو لوگ کہتے ہیں۔ کہ وقت جانکنی جب انسان کی زبان بند ہو جاتی ہے اور آنکھوں سے آنسو نکلتے ہیں۔ تو وہ اس درد کی علامت ہیں۔ جو اس کو مفارقت احباب و اعزا سے پہنچ رہا ہے۔ چونکہ کوئی مردہ زندہ ہو کر نہیں آیا۔ کہ ہم کو احتضار کی حالت اور بدن سے افتراق روح کی کیفیت و اذیت کی خبر دیتا۔ اور یہ بتاتا۔ کہ اس کا گریہ کس وجہ سے تھا۔ اس لئے خواہ نخواہ لوگ اس عقیدے پر جمے ہوئے ہیں۔ ورنہ میرا اعتقاد تو یہ ہے۔ کہ وہ گریہ نہ پس ماندوں کے لئے ہوتا ہے نہ دوری احباب کے لئے۔ نہ جورو کے لئے نہ اولاد کے لئے۔ بلکہ اپنی ذات کے لئے ہوتا ہے۔ کہ ایک روشن عالم سے ایک تاریک عالم کی طرف جا رہا ہے جس کی بابت اسے مطلق کچھ معلوم نہیں۔ وہ نہیں جانتا۔ کہ وہاں کیا کیا مصائب اس پر نازل ہوں گے*

اس خیال کا میرے دل میں آنا تھا۔ کہ ایک چیخ منہ سے نکلی۔ اور سینے میں کلیجہ لرز گیا۔ چاہتی تھی۔ کہ اٹھ کر اپنے شوہر کے پاس جاؤں۔ کہ پاؤں لرزے اور سر چکرا کر آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ ڈگمگائی۔ اور بیہوش زمین پر گر پڑی۔

کئی منٹ کے بعد کسی قدر افاقہ سا معلوم ہوا۔ لیکن ابھی بول نہ سکتی تھی۔ نہ پوری طرح دیکھ سکتی تھی۔ اسی نیم غفلت کے عالم میں دیکھا۔ کہ شوہر مجھے زمین پر پڑا دیکھ کر میرے پاس آیا۔ اور اپنا زانو زمین پر رکھ کر سراہنے بیٹھ گیا۔ بار بار جھک جھک کر میرا حال پوچھتا تھا۔ آنکھوں سے برابر اشکوں کے قطرے میرے چہرے پر گر رہے تھے۔ اس کی اس حالت نے میرے قلب کو اور زیادہ ایذا دی۔ چاہتی تھی۔ کہ کچھ بولوں۔ مگر زبان نہ کھلتی تھی۔ بھوک نے بے حد کمزور کر دیا تھا۔ بڑا صبر کر کے آہستہ سے کہا" کیوں روتے ہو۔ میں تو اچھی ہوں"۔

جب اس نے دیکھا۔ کہ اب میں حالت طبعی کی طرف لوٹ رہی ہوں۔ تو مزید تقویت و تسلی کے لئے کہا" فیل بان فیل بان جلدی میم صاحبہ کے لئے کھانا لاؤ"۔ یہ میں جانتی تھی۔ کہ فیل بان کہاں اور کھانا کیسا۔ مگر شوہر کے اتنا کہنے نے دل کو بہت زیادہ قوت پہنچائی۔

پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ پتلون کی جیبوں میں ڈالے اور دو مٹھی اشرفیاں نکال کر مثل اس بھوکے شیر کے جو ایک پنجرے میں بند ہو۔ چاروں طرف پھرنے لگا۔ اور زور زور سے کہتا تھا" جو شخص مجھے اس وقت ایک مٹھی چاول دے دے۔ میں یہ دو مٹھی سونا اس کی نذر کروں۔" اسی طرح کہتا ہوا۔ وہ کمرے کے دروازے کے قریب گیا۔ اور پھر اس کو کھول کر باہر نکل گیا۔ میں نے شور مچانا شروع کیا۔ کہ خدا کے واسطے کوئی ان کو پکڑو۔ یہ کہاں جا رہے ہیں۔ مگر وہاں کون روکتا۔ مجبور ہو کر باوجود ضعف و ناتوانی کے خود ہی روکنے کو اٹھی۔ لیکن بدن میں اتنا کس کہاں۔ دو قدم ہی چلی ہوں گی۔ کہ پھر تیورا کر گر پڑی۔ گو وہ پانچ منٹ سے زیادہ وہاں نہیں ٹھہرا۔ مگر میرے لئے یہ پانچ منٹ پانچ سال کیا بلکہ پانچ قرن سے بھی زیادہ طولانی تھے۔ وہ میری طرف نہایت تیزی سے کوئی چیز اپنے دامن میں بھرے آ رہا تھا۔ جب قریب آیا۔ تو کچھ نارنگیاں اور ہندوستانی میوے اس کے پاس نظر آئے۔

شوہر۔ لو۔ یہ پھل کھاؤ۔ تمہارا تو بھوک سے اور بھی زیادہ پتلا حال ہو گیا۔ دیکھو تو

کیسی رسیلی اور شیریں نارنگیاں ہیں ÷

میں۔ بھلا میں اکیلی کیسے کھالوں۔ میری بچی اور وہ کم سن لڑکا تو بھوکے پڑے ہیں۔ سب سے پہلے میں ہی ہپ کرنے کو بیٹھ جاؤں۔ سب کو بلاؤ میں بھی کھالوں گی یہ خدا کی ایک نعمت ہے۔ جو ہم کو اس وقت بے کسی میں بہم پہنچی ہے۔ اس کا شکریہ یہی ہے۔ کہ سب مل جُل کر کھائیں +

شوہر (دونوں عورتوں۔ ایلن اور لڑکے سے مخاطب ہو کر) آؤ تم سب یہیں چلے آؤ۔ تھوڑا تھوڑا کھا کر دم روک لو +

میرے شوہر کے بلانے سے اور تو سب آ گئے۔ مگر ایلن اپنی جگہ سے نہ ہلی اور اُسی جگہ بیٹھی رہی۔ لڑکا بیچارہ سو رہا تھا۔ اس کو جگانا مناسب نہ سمجھا۔ ہم نے اِن دونوں کا حصّہ علیحدہ کر کے رکھ چھوڑا۔ اور باقی کو شکر خدا کر کے کھالیا۔ دن بھر تو خالی معدہ ہونے کی وجہ سے نیند آتی ہی کیوں۔ اب جو نمدا پہنچی۔ تو خواب نے غلبہ کیا۔ اور ہم سب پڑ کر سو گئے۔ اور صبح تک سوتے رہے + محمد فیل بان نہ تو اس رات کو آیا نہ صبح کو اور اڑتالیس گھنٹے والا وعدہ ختم کے قریب پہنچا۔ ہمیں بالکل علم نہ تھا۔ کہ وہ محبوس ہے یا گرفتار جیتا ہے یا مر گیا۔ جوں جوں وقت گزرتا جاتا تھا۔ ہمارے اضطراب میں زیادتی ہوتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ وہ دن بھی گزر گیا۔ اور رات کی سیاہی صفحہ عالم پر دوڑ گئی۔ میرا شوہر کل کی طرح پھر میوے کی تلاش میں باغ کے اندر گیا۔ اور تھوڑی دیر میں علاوہ میوے کے چند تربوز بھی ہمارے واسطے لایا۔ ہم نے ان کو نہایت خوشی سے کھایا۔ اور فیل بان کے منتظر رہے ÷

تعجب تو مجھے اپنی لڑکی کی حالت پر ہے۔ کہ اس خدا کی بندی کو کچھ کھانے کا غم ہی نہ تھا۔ ہماری یہ حالت تھی۔ کہ بھوک سے پیٹ پیٹتے تھے۔ اور وہ اس کا ذکر بھی زبان پر نہ لاتی تھی۔ میرا خیال یہ ہے۔ کہ چونکہ شوہر کی مفارقت کا صدمہ اس کے دل پر بے حد تھا۔ اس لئے اسے اس تکلیف کے سامنے بھوک کی تکلیف کا احساس ہی نہ ہوتا تھا۔ مجھے بار بار یہ اندیشہ ہوتا تھا۔ کہ ایک تو یہ غم اور پھر اس پر چوبیس گھنٹے صاف اُتر گئے۔ بچے گی یا مرے گی ÷

میں (ایلین سے مخاطب ہو کر) بچی تو کس بلا کی ضدن ہے۔ کل سے ناک رگڑ رہی ہوں۔ کہ کچھ کھالے۔ اوّل تو ہے ہی کیا۔ خود ہی فاقہ پر فاقہ ہو رہا ہے۔ اور جو اچھا بُرا تھوڑا بہت خدا کی عنایت سے بہم پہنچتا ہے۔ تو تو کھاتی نہیں۔ آخر تیری جان کیسے رہے گی۔ (ہاتھ پکڑ کر) اُٹھ چل اب اس غم کو دور کر۔ تیرے نہ کھانے سے کیا۔ جو مقدر میں لکھا ہے۔ مٹ جائیگا؟ اچھی خاصی سمجھ دار ہو کر نادان بنی جاتی ہو۔ اس رنج میں یہ حالت تو بنالی۔ کہ صورت تک نہیں پہچانی جاتی۔ یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ کوئی تپ دق کی بیمار ہے۔ آئینہ ہوتا۔ تو صورت دکھاتی ✣

ایلین۔ اماں جان تم کیوں میرے دکھتے دل کو اور دُکھاتی ہو۔ میں کسی سے کچھ کہتی تو نہیں۔ سب سے الگ ایک کونے میں کلیجہ دبائے بیٹھی ہوں مجھے بھوک ہوتی تو خود مانگ لیتی۔ کھانا پینا سب خوشی میں اچھا لگتا ہے۔ میں تو خدا سے دعائیں مانگتی ہوں۔ کہ جلد مجھے دنیا سے اُٹھالے۔ مگر میں بدنصیب فلک ستائی ایسی خوش قسمت کہاں۔ کہ مر جاؤں۔ ابھی تو نہ معلوم کہاں کہاں جانا۔ کیا کیا جھگڑے جھو۔ لے کھانے باقی ہیں۔ میں تمہارے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ مجھ سے بولو مت۔ چپ بیٹھا رہنے دو۔ میرے کلیجے میں اتنی طاقت نہیں۔ کہ کسی کی بات کا جواب دوں۔ جی چاہتا ہے۔ کہ کپڑے پھاڑ کر کہیں کو بھاگ جاؤں۔ یا اپنے ہاتھوں سے اپنا گلا گھونٹ لوں ✣

میں۔ ایلین! ایلین! مت ایسی دیوانوں کی سی باتیں کر۔ اماں واری گئی۔ ایک ذرا سا تربوز کھالے۔ دیکھ تو تیرے بغیر ہمارے حلق میں ابھی زہر ہو کر اُتر رہا ہے۔ ذرا تو اس سے دل کو تری پہنچے گی۔ کچھ تو قوت آئے گی۔ بس زیادہ ہٹ اچھی نہیں ہوتی کیوں ہم مرتوں کو اس عالم بےکسی میں مارتی ہے ✣

ایلین۔ تم میرے سر ہو گئیں۔ لاؤ کہیں تمہارا کہنا کر چکوں ✣

یہ کہہ کر اس نے قاش تربوز کی میرے ہاتھ سے لی اور کھا گئی۔ اب میرے دل کو کچھ اطمینان ہوا۔ لیکن اس لڑکے نے نہ میوہ کھایا اور نہ تربوز پکے ہوئے چاول برابر مجھ سے مانگے جاتا تھا۔ بدقت تمام میں نے بہلا پھسلا کر کل کے وعدہ پر خاموش کر کے سلا دیا ✣

تین شب و روز ہم اس گھر میں پوشیدہ رہے۔ اس کے سوا اور کوئی تکلیف ہم کو نہ ہوئی۔ اس رات میرا شوہر اور وہ دونوں زخمی عورتیں اور لڑکا سب سویرے ہی سے پڑ کر سو رہے۔ لیکن مجھے نیند نہ آئی۔ چارپائی پر برابر کروٹیں بدلتی رہی۔ اگرچہ مجھ سے بات چیت نہ ہوئی۔ مگر یہ بخوبی جانتی ہوں۔ کہ ایلن بھی برابر میرے ساتھ ساتھ جاگتی رہی ہے۔ دم بھر کو بھی اس کی پلک شاید نہ جھپکی ہوگی۔ گو وہ مجھ سے کچھ فاصلے پر تھی۔ مگر اس کے اُٹھنے بیٹھنے اور کروٹیں بدلنے کی آواز کان میں آ رہی تھی۔ چونکہ ہم دونوں میں سے ہر ایک اپنے اپنے سودے میں غوطہ غپ تھا۔ اس لئے ایک کو دوسرے سے بولنے کی ضرورت نہ ہوئی۔ البتہ فرق اتنا تھا۔ کہ میری لڑکی موجودہ حالت کے خیال ہی میں تھی۔ اور میں آیندہ کی فکر میں۔ کبھی تو اس خیال سے دل کو تسلی دیتی تھی۔ کہ جب انگریزی لشکر باغیوں پر غلبہ حاصل کر لے گا۔ اور شہر دہلی میں امن وامان قایم ہوگا۔ تو پھر اپنے گھر کو ویسا ہی دل فریب اور شاندار بنائیں گے جیسا کہ پہلے تھا۔ میرا داماد اپنی دلیری اور خیر خواہی کی وجہ سے نیابت کے عہدے سے کسی بڑے منصب پر پہنچ جائے گا۔ اور نہایت شان و شکوہ کے ساتھ ایلن کو بیاہنے آئے گا۔ میں اپنے شوہر اور لڑکے کے ساتھ ایک جہاز میں سوار ہو کر انگلستان جاؤں گی۔ اور وہاں اپنے بچے کو بغرض تحصیل علوم کسی اسکول میں داخل کروں گی۔

یہ شیخ علّی کے سے منصوبے میں پڑی پڑی باندھ رہی تھی۔ کہ دروازہ سے ایک صدائے مہیب پیدا ہوئی۔ میں نے خوف سے کوئی جواب نہیں دیا۔ دوبارہ پھر کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں اس مرتبہ بھی دم سادھے پڑی رہی۔ تیسری بار پھر زور سے ایک آواز ہوئی اور باہر کا دروازہ خود کھل گیا۔ اب کی مرتبہ کھٹکھٹاہٹ سے میرے شوہر کی بھی آنکھ کھل گئی۔

شوہر۔ یہ دروازہ کون کھٹکھٹاتا ہے؟

میں۔ خدا جانے کون ہے۔ تین بار یہ آواز آ چکی ہے۔ میں تو جانوں اب کی بار باہر کا دروازہ کھل بھی گیا۔

شوہر۔ (کان لگا کر) یہ تو صحن میں کسی کے چلنے کی آواز آتی ہے۔ غور تو کرو

ایک ہی آدمی ہے۔ یا کئی ہیں؟

میں۔ ایک کیوں۔ یہ تو کئی آدمی معلوم ہوتے ہیں؟

ایک منٹ کے اندر وہ آنے والے کمرے کے دروازے کے قریب آ گئے۔ اور ایک نے دروازہ پر دستک دی۔ میں نے آہستہ سے شوہر سے پوچھا۔ اب کیا کرنا چاہئے۔ اس نے کہا بے کھٹکے دروازہ کھول دو۔ اگر یہ لوگ دشمن ہوتے اور ہماری اذیت کے خیال سے آتے۔ تو اس قدر ہلکے ہلکے قدم نہ رکھتے۔ اور نہ ایسے آہستہ سے دستک دیتے۔ مجھے بھی یہ رائے پسند آئی۔ اُٹھی اور دل کڑا کر کے دروازہ کھول دیا۔ دیکھا کہ دو ہندوستانی عورتیں سفید چادریں سروں پر ڈالے اس طرح کھڑی ہیں۔ جیسے کوئی مردہ قبر سے نکل کر آ رہا ہے۔ دروازہ کھلتے ہی وہ بغیر کچھ کہے سُنے کمرے کے اندر چلی آئیں اور زمین پر بیٹھ گئیں۔ ان میں سے ایک نے ایک صندوقچہ اپنی بغل سے نکالا۔ اور چند سفید چادریں جو ہندوستان میں ہندو مسلمان عورتیں گھر سے باہر نکلتے وقت پردہ کی غرض سے اوڑھتی ہیں۔ نکال کر ہم سے کہا تم لوگ ان چادروں کو اوڑھ لو۔ اور ہمارے پیچھے پیچھے چلی آؤ۔

میرا شوہر۔ ہم کو کہاں تک تمہارے پیچھے پیچھے چلنا ہوگا؟

ایک عورت۔ جہاں محمد فیل بان تمہارا انتظار کر رہا ہے۔

محمد فیل بان کا نام سنتے ہی جان میں جان آ گئی۔ بدظنی و وحشت یک قلم زائل ہو گئی۔ خوشی خوشی سب اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور چادروں کو خوب جسم پر لپیٹ کر ان دونوں عورتوں کے پیچھے چل دیئے۔

چھٹا حادثہ

رگڑوائیں یہ مجھ سے ایڑیاں غربت میں وحشت نے
ہوا مسدود رستہ جادۂ راہِ وطن بگڑا

یہ فلک کا ستایا۔ آفت کا مارا قافلہ دہلی کے کوچے طے کرتا۔ سڑکوں سے گزرتا تباہ حال و پریشان صورت چلا جاتا تھا۔ ہر قدم پر دل کو یہی دھڑکا تھا۔ کہ اگر کسی نے پہچان لیا۔ تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ ہمارے ہم وطنوں کا اس قدر خون بہایا گیا تھا۔ کہ کوچوں کی خاک

خون سے ایسی تر بتر تھی۔ کہ کیسی ہی باد تند چلتی وہاں سے ایک ذرہ گرد و غبار کا بلند نہ ہو سکتا تھا۔ کُتے اور کوّے جا بجا لاشوں کو نوچ نوچ کر کھا رہے تھے۔ کہیں کسی کا ہاتھ کٹا پڑا تھا کہیں کسی کا سر۔ کسی کا دھڑ پارہ پارہ اور کسی کا سینہ چاک چاک تھا۔ کبھی کبھی بہت سے کتّے اور گیدڑ راہ میں ملتے تھے۔ جو اپنی خوراک کی کثرت دیکھ کر خلاف عادت بغیر غرّائے جھنجلائے اتفاق کے ساتھ اپنا اپنا پیٹ بھر رہے تھے۔ اور گِدوں اور کوّوں کے ساتھ مقتولوں کے اعضا کی تقسیم میں شریک تھے۔

اس خوفناک مناظر کو دیکھ کر دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ کلیجے میں ناسور پڑ گئے۔ روئے جتنا رویا گیا۔ افسوس کیا جس قدر ہو سکا۔

الغرض صبح کی روشنی نمودار ہوئی۔ اور شہر دہلی کے رہنے والے خدا کی پرستش کے لئے اپنے اپنے گھروں سے نکل پڑے۔ ہندو اشنان کے لئے دریا کی طرف جاتے تھے۔ اور مسلمان فریضہ سحری ادا کرنے کے لئے مساجد کی طرف چلے تھے۔ کوئی بھی ان دونوں فرقوں میں سے ہماری طرف متوجہ نہیں۔ کیونکہ ان کا ارادہ یہ تھا۔ کہ فریضہ سے فراغت حاصل کر کے اولاً تو ہم کفار پر غلبہ دینے کا شکریہ درگاہ الٰہی میں ادا کریں گے۔ پھر سلاح حرب و ضرب کو درست کر کے ہم لوگوں کی خوں ریزی کی غرض سے شہر کے ایک ایک گھر اور ایک ایک کوچے میں چکر لگائیں گے۔ اور ہم بدبختوں میں سے جہاں جس کو پائیں گے۔ تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں گے۔ وہ ہندوستانی عورت جو ہماری رہنما بنی ہوئی آگے آگے جا رہی تھی کہنے لگی۔ کہ جہاں تک ہو سکے۔ جلدی قدم اُٹھاؤ۔ ایسا نہ ہو۔ کہ دن پھیل جائے۔ ہم اس کی ہدایت کے بموجب نہایت تیزی سے چلے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک بہت بڑے درخت کے نیچے پہنچے۔ جو درمیان راہ میں کھڑا تھا۔ اور اس کی گھنی شاخیں تمام راستے پر چھائی ہوئی تھیں۔

باغیوں کی ایک فوج کو ہم نے دیکھا۔ کہ بندوقیں لئے اس درخت کی مقابل والی مسجد کے سامنے بیٹھی ہوئی ہے۔ سب پریشان ہو گئے۔ کہ اب کیا کریں۔ راستہ ہمارا انہیں لوگوں کے درمیان میں سے ہو کر جاتا تھا۔ میرے شوہر نے اس ہندوستانی عورت سے کہا۔ کہ کیا ہم کسی دوسرے راستے سے نہیں جا سکتے؟ مجھے خوف ہے

کہ اگر ان کے درمیان سے گزرے۔ تو بہ ضرور ان میں سے کوئی نہ کوئی تم کو پہچان لے گا۔
اس نے کہا۔ "اس کے سوا کوئی نجات کی تدبیر نہیں ہو سکتی۔ کہ ہم لوگ اس درخت کے پیچھے اس وقت تک مقیم رہیں گے۔ کہ یہ فوج یہاں سے حرکت کر کے راہ کو خالی کر دے" ؛

یہ بات سب کو پسند آئی۔ اور اسی درخت کی آڑ میں ہو رہے ؛

میں (ہندوستانی عورت سے) کچھ تم کو یہ بھی پتہ ہے۔ کہ یہ فوج یہاں کیوں ٹری ہوئی ہے؟
عورت۔ کل چند انگریز اس مسجد میں پناہ لینے کی غرض سے آ گھسے تھے۔ اطلاع ملنے پر یہ فوج ان کی گرفتاری کے لئے بھیجی گئی تھی۔ شام تک ایک ایک کا کھوج نکال کو سب کو قتل کر ڈالا۔ چونکہ رات ہو گئی تھی۔ اس لئے یہیں شب باش ہو گئے۔ اب طلوع سحر کے منتظر ہیں کہ ذرا روشنی ہو۔ تو کابلی دروازہ کی طرف جا کر انگریزوں کی اس مختصر پلٹن سے جا بھڑیں۔ جو شہر پناہ کے باہر پڑی ہوئی ہے ؛
میں۔ اگر یہ لوگ زیادہ عرصے تک رُکے اور آفتاب نکل آیا۔ تو ہم لوگ ضرور پہچانے جائیں گے۔ کیونکہ ہماری چادریں چھوٹی ہونے کی وجہ سے صرف گھٹنوں ہی تک ہیں نیچے سے عورتوں کا سایہ اور مردوں کا پتلون نظر آتا ہے ؛
عورت۔ فی الحال اس کا تو کوئی بندوبست ہو نہیں سکتا۔ اگر مقدر میں قتل ہی ہونا لکھا ہے تو اس کا روکنے والا کون ؛

بہر حال اس درخت کے تنے کو غنیمت جان کر اور قضائے ربانی پر راضی ہو کر ہم سب پڑ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھے اپنی چادر پر کچھ سرخ سرخ دھبے معلوم ہوئے غور سے دیکھا۔ تو خون ہے۔ سوچی۔ کہ یا الٰہی یہ خون میری چادر پر کہاں سے آیا۔ میرا تو کوئی عضو زخمی بھی نہیں۔ اس فکر ہی میں تھی۔ کہ سر پر ٹپ ٹپ بوندیں گرتی محسوس ہوئیں۔ سر اُٹھا کر دیکھا۔ تو ایک عجیب ہی منظر نظر آیا۔ ہر شاخ میں ایک لاش بے سر کی لٹکی ہوئی تھی۔ جن کے حلقہائے بریدہ سے برابر خون کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ میں گو کتنا ہی آگے پیچھے بڑھی۔ مگر وہاں کوئی مقام ایسا نہ تھا۔ کہ کسی مقتول کی لاش سے خون نہ گر رہا ہو ؛

لوگوں کا بیان ہے۔ کہ ایک سو انیس برس قبل نادر شاہ نے اسی درخت میں محمد شاہ کی فوج کے کشتوں کو لٹکوایا تھا۔ قریب تھا۔ کہ شدت وحشت سے میری جان

نکل جائے۔ سارے بدن میں رعشہ پڑا ہوا تھا۔ دل سینے میں ماہی بے آب کی طرح تڑپتا تھا۔ میں نے آج تک کبھی ان آنکھوں سے ایک لاش بھی نہ دیکھی تھی۔ قسمت نے ایک بار ہی ایسے دل شکن۔ جگر خراش اور غم افزا مناظر سامنے کر دیئے۔ کہ روح ان کے تصور سے چنخیں مارتی ہے۔ مجھی پر موقوف نہیں۔ ہم میں سے ہر ایک کی یہ حالت تھی۔ کہ خوف سے زرد پڑگیا تھا۔ اگر شاید ہمارا قیام کچھ دیر تک وہاں رہتا۔ تو ضرور فرط دہشت سے ایک نہ ایک مرجاتا وہ تو خدا کی کرنی ایسی ہوئی۔ کہ تھوڑی ہی دیر میں حاضری کا بگل بجایا گیا۔ اور ایک طرفۃ العین میں تمام فوج اپنی اپنی بندوقیں سنبھال کابلی دروازے کی طرف چل کھڑی ہوئی۔ اور آنے جانے والوں کے لئے رستہ کھل گیا۔ راہ کے صاف ہوتے ہی ہم چل کھڑے ہوئے۔ کچھ راہ طے کرنے کے بعد ایک ایسے کوچہ میں داخل ہوئے جس کے ایک طرف لکڑیوں کا بہت بڑا انبار لگا ہوا تھا۔ وہ عورت اسی طرف کو چلی۔ اور ایک مقام پر جھک کر لکڑیوں کا پشتارہ جو ایک کنارہ پر جمع تھا۔ ہٹا دیا۔ اور ہم کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ دیکھا۔ کہ ایک دالان کی دہلیز ہے۔ جس کے اندر بہت ہی تنگ راستہ داخل ہونے کا ہے۔ اس نے ہاتھ سے داخل ہونے کا اشارہ کیا۔ ہم سب بہ مشکل تمام اس سوراخ کے ذریعہ سے ایک پٹی ہوئی کوٹھری میں جو مثل ایک غار کے اندھیری گھُپ تھی پہنچ گئے۔ ہوا یا روشنی کے آنے جانے کے لئے کوئی کھڑکی یا روشن دان اس میں نظر نہ آتا تھا۔ صرف دو تین چراغ دھیمی لو سے ٹمٹما رہے تھے جن کی روشنی اس قدر کافی نہ تھیں۔ کہ اس مکان کی ہر ایک چیز اچھی طرح نظر آسکے ؎

اس مکان میں پہلے سے جو لوگ موجود تھے۔ ان کو ہمارا اس مقام پر وارد ہونا بہت شاق گزرا۔ کیونکہ ہر ایک کی تیوری بدلی اور ماتھے پر شکن پڑی ہوئی تھی ؎

ہم ان میں سے کسی ایک سے بھی واقف نہ تھے۔ اور نہ غالباً وہ لوگ ہم سے واقف تھے۔ البتہ جب ہمارے اور ان کے درمیان انگریزی میں گفتگو ہوئی۔ تو آپس میں کچھ انس پیدا ہوا۔ اور ہم نے یہ جانا۔ کہ یہ لوگ بھی ہماری ہی طرح برگشتہ نصیب ہیں۔ جان کے خوف سے یہاں آکر چھپے ہیں۔ وہ بھی ہماری طرف سے یہ خیال کر کے مطمئن ہو گئے۔ کہ یہ بھی ہماری تباہ حالی اور آوارہ گردی کے شریک ہندوستانیوں کی شمشیر کے خوف سے

یہاں آگر پناہ گزین ہوتے ہیں ؛

اس گھر میں سب انگریز ہی انگریز تھے۔ ایک نیک خصلت پارسی نے محض بمقتضائے ہمدردی اس پرآشوب زمانے میں اپنے گھر کے پیچھے ایک خزانہ میں چند انگریزوں کو پناہ دے دی تھی۔ ان غریبوں کا یہ حال تھا۔ کہ کسی کے جسم پر ثابت پوشاک نہ تھی بعضوں کے پاس تو پھٹا پرانا ایک آدھ کپڑا تھا بھی۔ اور بعض تو بالکل ہی عریاں تھے۔ ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس کا باپ یا بھائی۔ لڑکا یا کوئی عزیز ہندوستانیوں نے قتل نہ کر ڈالا ہو میری نگاہ میں ان کی تعداد بیس سے زائد نہ ہوگی ؛

اس جماعت کے درمیان میں جوان عورت کو جو اپنے طفلِ شیر خوار کو بغل میں دبائے خشک پستان سے دودھ پلا رہی تھی۔ ہم نشینی کے لئے انتخاب کر کے پہلو میں جا بیٹھی۔ اس کے لڑکے پر نظر پڑتے ہی مجھے اپنا ڈیل یاد آگیا۔ اور بے اختیار زبان سے ایک پر درد نالہ نکل گیا۔ اس عورت نے میرا یہ حال دیکھ کر کہا ؛

عورت۔ خیر ہے۔ بی بی بڑے ٹھنڈے ٹھنڈے سانس لے رہی ہو۔ کیا تمہارا بچہ مار ڈالا گیا۔ یا کہیں کھو گیا؟

میں۔ نہیں یہ بات نہیں ہے ؛

عورت۔ تم چھپاؤ تو اور بات ہے۔ ورنہ قرینہ تو بتلا رہا ہے۔ کہ ضرور تم داغ فرزندی دل پر لئے ہوئے ہو۔ میرے بچے کو دیکھ کر تمہارا آہ بھرنا ضرور اس کو ظاہر کرتا ہے ؛

میں اس کی یہ بات سُن کر ٹال گئی۔ اور کوئی معقول جواب نہ دیا۔ ایلین اور وہ لڑکا دونوں میرے پاس ہی بیٹھے تھے۔ اور وہ دونوں عورتیں جو ہمارے ساتھ آئیں تھیں۔ ہم سے علیحدہ کسی دوسرے گوشے میں جا بیٹھی تھیں۔ میرا شوہر تنہا حیران و پریشان مکان کے بیچ میں گنہگاروں کی طرح سر جھکائے خاموش کھڑا تھا۔ اور کسی خیال میں ایسا محو تھا۔ گویا اسے کسی جگہ بیٹھنے کی فکر ہی نہیں۔ میں تاڑ گئی۔ کہ اس کی خجالت و شرمساری کا صرف یہ باعث ہے۔ کہ میں مرد ہو کر عورتوں کی طرح اس کوٹھڑی میں کیوں آ چھپا۔ انگریزوں کے گروہ میں مل کر باغیوں سے کیوں نہ لڑا ؛

خلاصہ یہ کہ میں اپنے ڈیل کی یاد میں دیوانوں کی مانند ادھر اُدھر گھوم رہی

تھی۔ اور ہر سوتے ہوئے بچے کو اس خیال سے ٹٹولتی تھی۔ کہ شاید میرے دیل کو دایہ یہاں لے کر آگئی ہو۔ اور وہ پڑا ہوا سو رہا ہو۔ لیکن وہاں دیل کہاں تھا۔ جو میری آواز کا جواب دیتا۔ اس مایوسانہ گردش سے اس قدر فائدہ تو ضرور حاصل ہوا۔ کہ ہمارے ساتھ والے لڑکے کو اس کی ایک رشتہ دار میم نے پہچان کر اپنے پاس بلا لیا۔ اور ہم کو اس کی خبر گیری سے نجات ملی ÷

حکما نے سچ کہا ہے۔ کہ انسان دو وقت میں خود لپسند اور مغرور ہو جاتا ہے۔ ایک انتہائی کامیابی اور خوشی میں۔ اور دوسرے انتہائے اندوہ غم میں۔ میں ان دونوں عورتوں کے علیحدہ ہونے اور اپنے شوہر و دختر کے تنہا رہ جانے سے کسی قدر مطمئن ہوئی کیونکہ تعلقات ذمہ واری کا بوجھ فی المحال ہلکا ہو گیا۔ دل میں کہتی تھی۔ میں جو غیروں کی پرستاری میں اپنے نفس کو تکلیف دوں۔ تو اپنے اور اپنے متعلقین کی آسائش اور آرام کی فکر کیوں نہ کروں ÷

سوکھی گھاس کا وہ پشتارہ جو اس گھر میں ہمارا فرش بنا ہوا تھا۔ مخملی گدوں سے زیادہ آرام دہ معلوم ہوتا تھا۔ خیر اس کی تو کچھ فکر نہ تھی۔ اگر یہ بھی نہ ہوتا۔ تو میں خاک پر سونے کو خوشی سے گوارا کر لیتی۔ البتہ غم اس کا تھا۔ کہ فیل بان کہاں رہ گیا۔ اور کیوں نہ اب تک ہمارے پاس آیا۔ دایہ لڑکے کو لے کر کہاں چلی گئی۔ اور وہ اور دیل کس حال میں ہے ÷

میں (شوہر سے مخاطب ہو کر) دیکھنا۔ اس وقت میرا دل خود بخود بھرا آتا ہے۔ یہ جی میں آتا ہے۔ کہ خوب جی کھول کر روؤں ÷

شوہر۔ کیوں خیر تو ہے۔ کیا کوئی اور تازہ مصیبت نازل ہو گی؟

میں۔ موجودہ مصیبت کیا کم ہے۔ جو اور نئی مصیبت بلا رہے ہو۔ فیل بان کے نہ آنے اور دیل اور دایہ کا پتہ نہ چلنے سے میری پریشانی ہر لحظہ بڑھتی جاتی ہے۔ اُف اگر میرا بچہ نہ ملا۔ تو میں کیسے جیوں گی۔ اگر فیل بان آجاتا۔ تو اس کی خوشامد درآمد کر کے کہیں تو تلاش کرنے بھیجتی۔ ہائے میرا بچہ وہاں مجھے ڈھونڈھتا ہو گا۔ اور میں یہاں اس کی جدائی میں تڑپ رہی ہوں۔ اس کا پیارا مکھڑا آنکھوں کے سامنے پھر رہا ہے ÷

شوہر۔ بی بی! خدا کی مرضی میں کسی کا کیا چارہ ہے۔ اگر داغ فرزند قسمت ہی میں لکھا ہے۔ تو ہمارا کیا زور چل سکتا ہے۔ مگر میرا خیال ہے۔ کہ یہ دونوں ہندوستانی عورتیں جو ہم کو یہاں پہنچا گئی ہیں۔ سیدھی یہاں سے فیل بان کی طرف گئی ہوں گی۔ دیکھ لینا اب تھوڑی دیر میں وہ دوڑا ہوا آتا ہے *

میں۔ خدا تمہاری زبان مبارک کرے *

کھانے پینے کا انتظام ہم لوگوں کے لئے یہ تھا۔ کہ وہی نیک دل پارسی جس کا یہ مکان تھا۔ دن اور رات میں دو دو دیگیں پلاؤ کی اور دو مشکیں پانی کی بھیج دیتا تھا۔ لیکن میں نے یہاں وہ نفرت خیز طریقہ پایا جس کے بیان سے شرم آتی ہے۔ جس وقت اس کے نوکر یہ کھانا لے کر مکان میں آتے تھے۔ تو ہمارے بھوکے ساتھی یکایک ان پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ اور دست خود دہان خود کی ٹھہر جاتی تھی۔ جو آتا بے تامل دیگ میں ہاتھ ڈال دیتا۔ اور گرم گرم کھانا نکال کر نگل جاتا۔ چونکہ پھونک کر کھانے میں تاخیر کا خیال تھا۔ اس لئے ہاتھ علیحدہ جلتا تھا۔ اور منہ علیحدہ پھکتا تھا۔ یہ ذلیل حرکات دیکھ کر میرے شوہر سے ضبط نہ ہو سکا۔ اُٹھا اور چلّا کر کہا *

شوہر "عزیز ہموطنو! ذرا صبر سے کام لو۔ یہ کیا طریقہ حیوانوں کا سا پسند کیا ہے۔ انسان کو چاہئے۔ کہ بدبختی اور ادبار کے وقت بھی نظم و ترتیب اسی طرح قایم رکھے جس طرح نیک بختی و اقبال میں متمدن لوگ عام اس سے کہ ذلت کے گوشہ میں ہوں یا عزت کے تخت پر۔ رسوم انسانیت اور آداب آدمیت کو کبھی فراموش نہیں کرتے۔ انسان کا فرض ہے۔ شرط موافقت اور رسم مواسات کا لحاظ رکھے۔ اور ظلم و خود پرستی سے اپنے کو بچائے۔ تم میں سے ہر ایک آدمی برابر حصہ کا اس کھانے میں شریک ہے۔ پھر کیا وجہ ہے۔ کہ تم خونخوار درندوں کی طرح دوسروں کے حق سے چشم پوشی کر کے اپنا من تازہ کرنا چاہتے ہو* بھائیو! ہم میں سے ایک آدمی کو چاہئے۔ کہ کھڑا ہو کر اس کھانے کو مساوی حصوں میں تقسیم کر دے۔ تا کہ کوئی شخص اپنے حق سے محروم نہ رہے" *

میرے شوہر کی یہ تقریر سن کر بعض تو برملا گالیاں دینے لگے۔ مگر بعض بھلے مانسوں نے تصدیق کی۔ اور کہا۔ تم ہی اس کام کے لئے بہت مناسب ہو۔ بیشک ہمارا موجودہ

طریقہ نہایت وحشیانہ اور ظالمانہ ہے۔ اس کا انسداد ضرور ہونا چاہئے۔ افسوس آزادی کے سلب ہوتے ہی ہماری تہذیب بھی کافور ہو گئی۔ مختصر یہ کہ میرے شوہر نے ایک لکڑیوں کے گٹھر میں سے دو لمبی لمبی لکڑیاں نکالیں۔ اور ان میں سے ایک کو چاقو سے مثل کفگیر کے کنارے پر سے چپٹا بنایا۔ اور دوسری کو نوک دار اور سب سے کہا کہ ایک ایک باری باری میرے پاس آتا جائے۔ اور اپنا حصہ اپنے ہاتھوں میں لے کر چلا جائے۔ چنانچہ جو آتا تھا۔ وہ ایک لکڑی سے چاول نکال کر سب کے ہاتھ پر رکھ دیتا تھا۔ اور دوسرے سے بوٹیاں۔ اس صورت سے سب کے پاس کھانا پہنچ گیا۔ اور کسی کو کمی یا زیادتی کی شکایت نہ ہوئی۔ اور نہ کوئی گڑبڑ پڑی۔

کسی قانون کا جاری کرنا اور انصاف کا رواج پانا ابتداً نہایت دشوار اور ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جب اجرا ہو جاتا ہے۔ تو کچھ ہی مدت کے بعد اس کا شیریں اور خوش گوار پھل ملنے لگتا ہے۔ اور مفید نتائج نظروں کے سامنے آ جاتے ہیں۔ چنانچہ یہ طرز عمل میرے شوہر کا ابتداً تو اس مرہکی جماعت کو پسند نہ آیا۔ لیکن ایک دو ہی وقت کے بعد سب نے پسند کیا۔ اور اس کی برکت سے آپس میں الفت و محبت کا برتاؤ ہونے لگا۔ اب ہر شخص نے بے تکلف ہو کر اپنی سرگزشت بانالہ وزاری و گریہ بیقراری بیان کرنا شروع کی۔ کوئی اپنے باپ کے مارے جانے کا حال سناتا تھا۔ کوئی بھائی کا کوئی لڑکے کا۔ کوئی شوہر کا۔ غرضکہ ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس کو گیارھویں اور بارھویں تاریخ کے سانحہ نے کوئی نہ کوئی داغ دل پر نہ دیا ہو۔

تحقیق سے معلوم ہوا۔ کہ یہ تمام گروہ جو اس تہ خانے کے اندر تھا۔ عورتیں ہی عورتیں تھیں۔ کوئی مرد ان کے درمیان نہ تھا۔ ہمارے یہاں آنے سے دو گھڑی پہلے داروغہ شہر اس مقام پر آیا تھا۔ اور جو تین چار مرد ان عورتوں کے ساتھ تھے۔ سب کو باندھ کر باہر لے گیا۔ اور جلادوں سے ٹکڑے ٹکڑے کرا دیئے۔ اگر ہم دو گھڑی قبل آ گئے ہوتے۔ تو انہیں مقتولوں میں میرا عزیز شوہر بھی ہوتا۔ اور داروغہ کا عورتوں کو زندہ چھوڑ دینا بھی کچھ از روئے رحم و مروت نہ تھا۔ کیونکہ عام طور پر ہندوستانیوں کو ہم انگریزوں سے خواہ وہ کسی طبقے کا ہو۔ کسی سن کا ہو۔ مرد ہو کہ عورت ایک قلبی

قلبی عداوت تھی۔ اور یہ اس حد تک پہنچ گئی تھی۔ کہ ان سے رحم کی امید کرنا امر محال ہو گیا تھا۔ اصل میں داروغہ کا اس میں ایک خاص مطلب تھا۔ اس نے مردوں کو قتل کر کے عورتوں کو اس لئے عام لوگوں کی نظروں سے مخفی کر دیا تھا۔ کہ جنگ کا خاتمہ ہونے پر جب صلح قائم ہو تو عورتوں کو انگریزوں کے حوالے کر کے معقول معاوضہ حاصل کیا جائے +

جہاں تک مجھے علم ہے۔ تیرھویں تاریخ کو بہ نسبت گیارھویں اور بارھویں تاریخ کے کشت وخون کم ہوا۔ اور باغیوں کی آتش کینہ کسی قدر فرو ہوئی۔ مردوں کے ساتھ تو بدسلوکیاں آخر تک رہیں۔ لیکن عورتوں سے قطعاً تعرض کرنا چھوڑ دیا تھا۔ کسی قسم کی کوئی اذیت نہ دی جاتی تھی + اسی تاریخ کو داروغہ کی طرف سے ایک اعلان تمام شہر کی دیواروں پر چسپاں کر دیا گیا تھا جس کا مضمون یہ تھا:۔

چونکہ حضرت ظل اللہ سبحانی خلیفہ صمدانی سلطان المعظم خاقان الکرم بادشاہ عالی جاہ فلک بارگاہ انگریزوں کا قتل وقمع کرنے کے بعد تخت طاؤس پر جو موروثی جلوہ گاہ سلاطین گورگانیہ کی ہے جلوس فرمایا۔ لہذا حکم شاہی صادر ہوا۔ کہ اب انگریزوں کے اموال ونفوس کا قتل وغارت موقوف رکھا جائے۔ اب احکام امن۔ امان جاری ہوں گے۔ اور عدل وانصاف سے کام لیا جائے گا +

اس اعلان کے بموجب یقین ہوتا تھا۔ کہ اب قطعاً خونریزی نہ ہوگی۔ مگر مجھے ان ایام میں جو مفصل سرگزشتیں معلوم ہوئیں۔ ان سے یہ پتہ چلا۔ کہ جو انگریز گیارہ اور بارہ تاریخ کو عمارت سلطانی میں پناہ گزیں ہوئے تھے۔ ان کے قتل کا فوری حکم اس غرض سے نہ دیا گیا۔ کہ ظلم وجور شہرہ کش ہو جائے گا۔ بلکہ ایک محفل شوریٰ قرار دے کر ان بدبختوں کی قسمت کا آخری فیصلہ اس کے قبضے میں دیا گیا۔ چنانچہ اس نے سب قیدیوں کو طلب کر کے اول تو کچھ یوں ہی معمولی سے پوچھ گچھ کی۔ بعد کو خواہ مخواہ کا الزام عائد کر کے سب کے سرتن سے قلم کرا دیئے +

یہ ۹۲ سالہ بادشاہ تو برائے نام ہی تخت پر بٹھا دیا گیا تھا۔ نہ اس کو اقتدار سلطنت حاصل تھا۔ نہ شان شاہی۔ نہ اس کا حکم نافذ تھا۔ نہ امر جاری + البتہ اس کی شاہی کے پردے

مرزا نسل

میں ایک شخص مرزا مغول نامی جو اس کی اولاد میں سے تھا۔ مزے اُڑا رہا تھا۔ اسی کے حکم سے خونریزی ہوئی۔ اسی نے چمکا چمکا کر ہندوستانی فوجوں سے حملہ پر حملہ کرایا۔ داروغہ شہر جو کہ خاندان شاہی سے تھا۔ اور انگریزوں کی طرف سے بھی اسی عہدے پر مامور تھا۔ بہ سبب ہندوستانی ہونے کے اپنے ہم وطنوں کا بے حد خیر خواہ تھا۔ اور اپنے کام میں انتہائی سختی کو بہت پسند کرتا تھا۔ مرزا مغول کے حکم سے جہاں جس انگریز کو پناہ گزیں پاتا تھا۔ اس کو نہایت ذلت سے باہر لا کر اولاً دعوت اسلام دیتا۔ اگر وہ دین مسیحی چھوڑ کر دین محمدی قبول کر لیتا۔ تو اس کے لئے امان تھی۔ ورنہ فوراً تلواروں کی باڑوں میں رکھ لیا جاتا تھا۔

یہ بات بھی مجھے ہمیشہ یاد رہے گی۔ کہ ہمارے بہت سے ہموطنوں نے جان و مال کے خوف سے اپنے آبائی اور اجدادی دین یعنی ملت مسیحی کو ترک کر کے اسلام قبول کر لیا۔ خلاصہ یہ کہ پانچ روز متواتر ہم اس تہ خانے میں رہے۔ لباس اور جسم اس قدر کثیف ہو گیا تھا۔ کہ بدبو سے دماغ پھٹا جاتا تھا۔ آنکھیں اُدھر دیکھنا گوارا نہ کرتی تھیں علاوہ بریں اس مکان میں وہ عفونت تھی۔ کہ خدا کی پناہ ایک تکلیف ہو۔ تو کوئی بیان کرے وہاں تو مصیبت پر مصیبت اور آفت پر آفت تھی۔ جگہ کی عفونت۔ مکان کی تاریکی۔ ہوا کی کمی۔ گرمی کی شدت۔ کپڑوں کی بوسیدگی۔ آدمیوں کی کثرت جان پر بنائے دیتی تھی۔ مختصر یہ کہ دنیا میں ہم نے دوزخ کا نمونہ دیکھ لیا۔

گرمی کی زیادتی سے چونکہ پسینہ بکثرت آتا تھا۔ اس لئے سارا لباس جسم پر گل کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا۔ اگرچہ ہمارے پاس روپیہ پیسہ تھا۔ مگر اس کے ظاہر کرنے کا محل نہ تھا۔ کئی بار دل میں آیا۔ کہ صاحب خانہ سے درخواست کریں۔ کہ ہم سے روپیہ لے کر ہماری پوشاک تیار کرا دو۔ مگر پھر اس خوف سے خاموش ہو گئے۔ کہ مبادا اس کو زر و مال کی فکر و حرص دامن گیر ہو۔ اور ہمارے قتل پر آمادہ ہو جائے۔

اس تہ خانہ میں اتنا فائدہ تو ضرور ہوا۔ کہ میری لڑکی ایلن جو ایک مدت سے بالکل خاموش تھی۔ اور مجھے اس کی زندگی کی امید نہ رہی تھی۔ کچھ تو بہ سبب حرارت جوانی اور کچھ بہ سبب حرارت تہ خانہ ایک مرتبہ ہی شوہر کا نام لے لے کر رونے لگی۔ میں نے

شکر خدا کیا۔ کہ اس گریہ وزاری سے اس کے قلب کی گرمی اتر جائے گی۔ ورنہ خوف تھا۔ کہ کہیں وہ مجنون نہ ہو جائے۔ میں بہت خوش تھی۔ کہ اس کے بعد ایلن کچھ آدمی بنے گی۔ اور میں اور شوہر اور وہ سب مل کر اپنی خلاصی کی تدابیر سوچیں گے +

میں اپنی لڑکی کی جس قدر تعریف کروں۔ وہ نہ بہ سبب علاقہ مادری وفرزندی ہے نہ بباعث مہر ومحبت قلبی۔ بلکہ حق یہ ہے۔ کہ اس کی ذات مستحق تعریف ہے۔ مجھے اس کی عقل وفہم پر ہر موقع پر بھروسہ رہا ہے۔ جب اس کا مزاج درست اور دل کسی خاص صدمے سے خالی ہوتا ہے۔ تو ایسی صائب رائے دیتی ہے۔ کہ دیکھا چاہئے۔ اس کو امور خانہ داری میں ایک خاص تجربہ حاصل ہو گیا تھا۔ ہمارے گھر کا تمام انتظام اسی کے سپرد تھا۔ پھر صبر کرنے والی ایسی۔ کہ کیسا ہی صدمہ ہو۔ رخوں نہ جتائے۔ کیسی ہی تکلیف ہو لب نہ ہلائے۔ مختصر یہ کہ گریہ وزاری کے بعد اس کی اضطرابی حالت میں کچھ تخفیف ہوئی۔ چہرے کی رنگت بدلی۔ دماغ ہلکا ہوا۔ زبان کھلی۔ میرے اور باپ کے پاس آکر یوں مشورہ کرنے لگی :-

ایلن۔ اب کب تک ہم لوگ اس احزان میں پڑے ہوئے اپنی بدقسمتی کا ماتم کریں گے؟

میں۔ بیٹی اس میں میرا یا تمہارا کیا بس ہے۔ تم ہی بتاؤ کہاں جائیں؟

ایلن۔ میرے خیال سے تو یہ بہتر معلوم ہوتا ہے۔ کہ بہت جلد ہم لوگ یہاں سے چل کھڑے ہوں۔ اگر خدانخواستہ داروغہ پھر آگیا۔ تو ابا جان کی خیر نہیں۔ تم اس کو جائے پناہ سمجھ رہی ہو۔ اور میں موت کا گھر۔ جب ہم اس شہر میں رہیں گے۔ چاہے کہیں چھپیں چین ملنے سے رہا۔ میری مانو تو جیسے بنے شہر دہلی سے نکل چلو۔ ممکن ہے۔ کہ راستے میں انگریزی فوج ادھر آتی مل جائے۔ اور ہم اس کی پناہ میں آجائیں +

شوہر۔ بے شک ایلن بیٹا تیری رائے بہت صائب ہے۔ ضرور ہم کو اس پر عمل کرنا چاہئے۔ مگر میرا خیال یہ ہے۔ کہ جب تاریکی شب پردہ ڈالے۔ تو ہم کو خاموشی کے ساتھ یہاں سے نکل کر توکل بخدا اپنے اجڑے گھر کی طرف چلنا چاہئے۔ گو ہندوستانیوں نے اس کے لوٹنے میں کوئی کسر نہ رکھی ہو گی۔ مگر شاید اس پر بھی کچھ چیزیں ایسی دستیاب ہو جائیں۔ کہ ہمارے لئے آیندہ سفر میں کارآمد ہوں +

ایلین۔ ابا جان آپ کی تجویز بالکل ٹھیک ہے +

میں۔ میں بھی اس خیال کی موافقت کرتی ہوں +

شوہر۔ میرا دل یہ گواہی دیتا ہے۔ کہ فیل بان بالضرور وہیں پہنچا ہوگا۔ اور ہمارا منتظر ہوگا +

ایلین۔ کیا بعید ہے؟ بلکہ یہ بھی ممکن ہے۔ کہ ولیم بھی ہتیار خانہ جلنے کے بعد وہیں پہنچ گیا ہوگا۔ میں نے کل رات ایک خواب دیکھا تھا جس کی تعبیر یہ ہے۔ کہ مجھے بہت جلد اپنے شوہر کی ملاقات نصیب ہوگی +

میں۔ جب سب نیک فال منہ سے نکال رہے ہیں۔ تو مجھے بھی یہ کیوں نہ کہنا چاہئے کہ دایہ میرے ویل کو لئے ہوئے وہیں ہمارا انتظار کر رہی ہوگی +

ایلین۔ ہاں اماں جان ضرور ایسا ہی ہوگا۔ اگر خدا نے چاہا۔ تو ہم سب اپنی مراد کو فرو پہنچیں گے +

اتنی گفتگو کے بعد میں نے آنکھ ماری۔ کہ زیادہ بات چیت نہ کرو۔ شاید ان لوگوں میں سے کوئی واقف ہو جائے +

سلسلہ کلام کو بند ہوئے پانچ منٹ بھی نہ گزرے ہوں گے۔ کہ وہی عورت جو ہم کو یہاں تک لائی تھی۔ اندر داخل ہوئی۔ اس وقت کیا بتاؤں۔ کہ میرا خوشی میں کیا حال تھا۔ جھٹ اُٹھ کر دوڑی۔ اور اس کا بازو پکڑ کر پوچھا "ہمارا فیل بان کہاں ہے"۔ یہ ہندوستانی عورتیں جو انگریزوں کی خدمت گاری کرتی ہیں۔ بقدر ضرورت انگریزوں کے چند کلمے اپنے مطلب کے اظہار کے لئے طوطے کی مانند یاد کر لیتی ہیں۔ اگر ان سے کوئی طولانی تقریر کی جائے۔ تو اس کو پوری طرح نہیں سمجھ سکتیں۔ لہذا اس عورت نے میرے سوال کے جواب میں صرف اتنا ہی کہا۔ کہ فیل بان گرفتار ہو گیا۔ اس سے زیادہ مطلب ادا نہ کر سکی۔ ہاتھ کے اشارے سے بتایا۔ کہ لوگ اسے کھینچتے ہوئے لے گئے۔ اور ہلاک کر دیا +

یہ سنتے ہی زمین میرے پاؤں کے نیچے سے نکل گئی۔ آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا + یہ بات بالکل سچ ہے۔ کہ انسان حالت طیش و بدبختی میں اوقات عیش و خوشی

سے زیادہ اپنا ہی خواہ ہو جاتا ہے۔ میں نہایت خجالت و شرمساری سے یہ بات کہوں گی کہ مجھے فیل بان کے قتل ہونے نے اس درجے مغموم و محزون نہیں کیا۔ جس قدر ان فوائد کے مسدود ہو جانے نے۔ جو ہم کو اس کی ذات سے پہنچ رہے تھے۔ اس شخص نے محض از روئے نمک شناسی و وفاداری اپنی پیاری جان کو معرض ہلاکت میں ڈالا۔ اور فقط ہماری وجہ سے اس کو سزائے موت ملی +

اس درمیان میں کہ ہم فیل بان کے مارے جانے پر دل ہی دل میں کڑھ رہے تھے۔ ہندوستانی عورت نے اپنے چاروں طرف نظر کر کے ہمیں اشارہ کیا۔ کہ بے درنگ و تامل اس کے پیچھے تہ خانے کے دروازہ سے نکل کر باہر چلے جائیں۔ ہم نے اس کے اشارہ پر عمل کیا۔ اور اس تیرہ و تار زنداں سے نکل کر ایک کوچہ میں آ گئے۔ وہ عورت نہایت تیزی سے قدم اٹھاتی جاتی تھی۔ اور ہم سب اس کے پیچھے پیچھے رواں تھے + گو ہم کو اہل تہ خانہ کی جدائی کا صدمہ ضرور تھا۔ لیکن بجز اس کے اور چارہ ہی کیا تھا۔ نہ خود ہم وہاں رہ سکتے تھے۔ نہ ان کو اس پُر آشوب زمانے میں جب کہ اپنی جان کا سنبھالنا دوبھر تھا۔ اپنے ساتھ لے سکتے تھے + خیال کرو۔ ایک کشتی جبکہ طوفان میں پھنس کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ اور اس کے مسافر پریشان ہو کر اپنے اپنے بچانے کی تدبیریں کر رہے ہوں۔ پس بقدرت خدا ایک ایسی چھوٹی سی کشتی جس میں صرف دسواں حصہ ان مسافروں کا سوار ہو سکتا ہو۔ نجات کے لئے مل جائے۔ تو یقیناً ایسے وقت میں ہم جنسوں کے ساتھ نیکی کرنا۔ اور حقوق انسانیت کو ملحوظ رکھنا جائز نہ ہوگا۔ ہر شخص اپنا بچانا مقدم سمجھے گا۔ اور جس طرح ہو سکے گا۔ سب سے پہلے اپنے کو اس کشتی میں ڈال دے گا۔ پس اگر ہم تہ خانے کے ساتھیوں کو اپنے جانے کی اطلاع دیتے۔ تو ضرور یہ لوگ ہمارے ساتھ ہو جاتے اور ہماری سلامتی کی امید یاس سے مبدل ہو کر تمام تدبیریں بے سود ہو جاتیں +

خلاصہ یہ کہ کوچہ کی ٹھنڈی اور تازہ ہوا کھا کر ہمارے اوسان کسی قدر درست ہوئے اور بدن میں از سر نو جان آئی۔ ہماری حالت تہ خانے میں بالکل اس مردہ کی سی ہو گئی تھی۔ جس کو قبر کے اندر رکھ دیا ہو۔ اور پھر وہ بقدرت خدا زندہ ہو کر باہر نکال لیا جائے +

وہ ہندوستانی عورت برابر ہم کو لئے چلی جاتی تھی۔ تا اینکہ ایک خرابہ میں پہنچ کر مثل الّو کے ایک آواز اس نے اپنے منہ سے نکالی۔ فوراً اسی قسم کی ایک دوسری آواز خرابہ کے گوشے سے آئی۔ اور چار شخص سفید پوش ہندوستانی لباس میں خرابہ کی دیوار سے کود کر ہمارے سامنے آکھڑے ہوئے۔ چونکہ اس مدت میں طرح طرح کے صدمات ہم پر نازل ہو چکے تھے۔ لہٰذا ان لوگوں کو دیکھتے ہی کلیجہ خوف سے دھک دھک ہونے لگا۔ اور ایک نئی مصیبت کا تصور بندھ گیا۔ ابھی ہم نے اچھی طرح ان چاروں کے چہروں پر نظر بھی نہ ڈالی تھی۔ کہ ان میں سے ایک شخص پہچانا گیا۔ اور ہم سب ایک بار چلا اُٹھے وِلیم وِلیم وِلیم۔ ایلن جلدی سے دوڑ کر اُسے لپٹ گئی۔ اور اس کی گردن میں ہاتھ ڈال کر شدت شوق سے رونے لگی۔ ہم کو اس کی کہاں امید تھی۔ کہ وِلیم صحیح و سلامت ملے گا۔ سمجھتے تھے۔ کہ بارودخانہ کے جلنے میں وہ بھی جل گیا ہوگا۔ اب جو یکایک اس سے ملاقات ہوئی۔ تو ہر ایک کو سکتہ سا ہو گیا۔

یہ موقع ایسا نہ تھا۔ کہ لطف صحبت حاصل کیا جائے۔ اور ہر ایک ہم میں سے اپنے گزشتہ واقعات سنائے۔ یہاں تو فکر بھاگنے کی پڑی ہوئی تھی۔ اسی لئے ولیم ایلن کا ہاتھ پکڑے آگے کو بڑھنے لگا۔ اور ہم سے پیچھے پیچھے آنے کی فہمائش کی۔ ہزار قدم سے زیادہ راہ نہ طے کی ہوگی۔ کہ ایک موقع پر چار گھوڑے زین کسے لگام لگے موجود پائے چار سائیس ان کی باگیں پکڑے ہماری آمد کے منتظر تھے۔ ولیم نے ہم کو سوار ہونے کا اشارہ کیا۔ اور خود بھی سوار ہوا۔ سائیس رخصت ہو گئے۔ اور ہم چاروں نے کلکتیہ دروازہ کی طرف باگیں اُٹھا دیں۔ ولیم کے دوستوں میں سے ایک ہندوستانی اس دروازے کا محافظ تھا۔ اور اس سے ولیم نے اپنے جانے کی بابت پہلے سے کہہ رکھا تھا۔ لہٰذا جس وقت ہم پہنچے دروازہ کھول دیا گیا۔ اور ہم سب شہر سے باہر ہو گئے۔

ساتواں حادثہ

مدت کے بعد پھر ہوا آنا یہاں نصیب
مسکن ہمارا تھا بھلا اے باغباں کہاں

جمنا کے پل پر ہم لوگ پہنچ لئے تھے۔ کہ یکایک عقب سے بندوقوں کی آواز آئی۔

اور ساتھ ہی چند گولیاں ہمارے نزدیک آکر گریں۔ میں نے گھبرا کر ولیم سے پوچھا ؛

میں۔ ولیم! یہ کیا ماجرا ہے۔ کیا یہ لوگ ہمارے تعاقب میں آرہے ہیں؟

ولیم۔ یہ سب ان ہندوستانیوں کی بدمعاشیاں ہیں۔ گو وہ دروازہ کا محافظ میرا دوست ہے۔ مگر اپنی طبیعت کی خباثت اور فطرت کی شرارت دکھانے بغیر نہ رہا۔ دروازہ کھول کر ہمیں نکال تو دیا۔ مگر پھر بدطینتی کی وجہ سے پچتایا ہوگا۔ اس لئے اب پیچھے سے گولیاں چلا رہا ہے ؛

میں۔ یہاں سے بہت جلد بڑھ جاؤ ؛

ہمارے گھوڑے نہایت تیزی کے ساتھ کنوتیوں سے کنوتیاں ملائے چلے جاتے تھے۔ خدا کے فضل سے ہم صحیح و سالم پل سے اتر گئے۔ کسی قسم کا کوئی صدمہ ہم کو یا ہمارے جانوروں کو نہیں پہنچا ؛

راستے میں اگرچہ موقع مفصل گفتگو کا نہ تھا۔ تاہم ہمارے اصرار سے ولیم نے اپنی سرگزشت یوں بیان کرنی شروع کی :-

ولیم۔ بارود گھر جلنے کے بعد جنرل کرو کے ماتحت گورا پلٹن اس بات کی منتظر تھی۔ کہ جنرل بارنارد یہاں پہنچ جائے۔ تو دونوں سردار متفق ہو کر دہلی سے باغیوں کے شر کو دفع کریں۔ میں برابر جنرل کرو کے ساتھ ساتھ تھا۔ مگر تم لوگوں کا خیال ہر وقت مجھے ستاتا رہتا تھا۔ اور کوئی کام جم کر نہ کرنے دیتا تھا۔ روزمرہ دو تین باوفا اور نیک طبیعت ہندوستانی سپاہیوں کے ساتھ شہر دہلی میں آتا تھا۔ اور ہر خرابہ اور ویرانہ میں گھوم گھوم کر تلاش کرتا تھا۔ مگر تمہارا پتہ کہاں؟

میں۔ بیٹا ہمارا پتہ کیسے چل سکتا تھا۔ ہم تو ایسے تہ خانہ میں نہاں تھے۔ کہ وہاں نہ اپنا جا سکتا تھا نہ بیگانہ۔ نہ دوست پہنچ سکتا تھا۔ نہ دشمن ؛

ولیم۔ سنئے تو جب میں تلاش کرتے کرتے عاجز آ گیا۔ اور شہر میں ملنے سے مایوسی ہو گئی تو یہ خیال ہوا۔ کہ شاید تم لوگ اپنے مسکن قدیم کی طرف موقع پا کر نکل گئے ہو۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ میرا یہ خیال الہامی تھا ؛

غرض کہ اسی دھن میں وہاں پہنچا۔ تم لوگ تو نظر نہ آئے۔ فیل بان کو البتہ موجود پایا

جو شہر دہلی سے تمہارے فرار کا سامان مہیا کر رہا تھا۔ تاکہ کسی حیلے سے اکبر آباد پہنچا دے مگر افسوس کہ ہمسایہ کے وحشی اور بدطینت لوگوں نے اس کے ارادے کا حال داروغہ سے بیان کر دیا۔ اس سنگ دل نے بغیر کچھ پوچھے گچھے فوراً گرفتار کر کے اس درخت میں لٹکا دیا۔ جو تمہارے بنگلے کے پہلو میں ہے۔ اور آخر کار اس کو پھانسی دے دی۔

میں۔ ولیم! بخدا جب مجھے فیل بان کی وفاداری کا خیال آتا ہے۔ تو دل پر سانپ سا لوٹ جاتا ہے۔ سچ ہے۔ کہ اس کو ہم سے بڑی محبت تھی۔ یہ کب کا واقعہ ہے؟

ولیم۔ کل ہی رات کا تو اور کب کا؟

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ تھوڑا سا حال اس حسد کا بھی رقم کروں جو ہم حضرت حوا کی لڑکیوں کو اپنی ماں سے میراث میں ملا ہے۔ اور پھر خدا سے دعا کرتی ہوں۔ کہ وہ میرے گناہ کو معاف فرمائے۔ میری لڑکی اور داماد چونکہ کئی روز کے بعد ملے تھے۔ اس لئے نہایت پیار و خلوص کے ساتھ آگے آگے باتیں کرتے چلے جاتے تھے۔ اور ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر ہنستا تھا۔ ولیم کا دل اس قدر ایلن کی طرف جذب ہو رہا تھا۔ کہ جب میں کبھی کبھی اس سے کوئی سوال کرتی تھی۔ تو وہ نہ تو ٹھیک طور سے میری طرف متوجہ ہوتا تھا۔ اور نہ اس کا معقول طریقے سے جواب دیتا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر میری حسد کی آگ حرکت میں آئی۔ جیسا کہ عموماً عورتوں کی عادت ہے۔ اور اس قدر غلبہ کیا۔ کہ میں اپنے دل میں۔ کہنے لگی۔ "کیا اچھا ہوتا۔ اگر میں اسی تہہ خانے میں مر گئی ہوتی۔ اور یہ حالت داماد اور لڑکی کی شفقت کی نہ دیکھتی" جب مجھ سے ضبط نہ ہو سکا۔ تو گھوڑے کو ٹھکرا کر ولیم کے برابر پہنچی۔ اور غصے سے اس کا بازو پکڑ کر کہا "کچھ تجھے میرے ویل اور اس کی دایہ کی بھی خبر ہے" اس نے اس کے جواب میں ایک ایسا فقرہ کہا۔ جس کے سنتے ہی میرا تمام رشک و حسد زائل ہو گیا۔ اور بے اختیار دل چاہا۔ کہ اس کے پیر پکڑ کر چوم لوں۔ وہ فقرہ یہ تھا:۔

"ویل اور دایہ دونوں صحیح سلامت گھر پر موجود ہیں"

یہ فقرہ کیا تھا۔ ایک روح تھی جس نے میرے بے جان قالب کو باکار بنا دیا۔ تمام ضعف و ناتوانی۔ غم و غصہ مسرت۔ قوت سے بدل گیا۔ اور وساوس شیطانی میرے دل

سے دور ہوئے + میں نے خدا سے استغفار کیا۔ اور اپنے نفس کو بے حد ملامت کی۔ کاش کہ اس وقت میرے پر ہوتے۔ کہ آناً فاناً میں اپنے ویران گھر میں پہنچکر بچھڑے لال کو چھاتی سے لگا لیتی + جس قدر مجھ سے ممکن ہوا۔ گھوڑے کو تیز چلایا۔ اور سب سے آگے نکل گئی میری حالت اُس وقت اُس مرغ کی سی تھی۔ جو اپنے آشیانے کی طرف بچوں کو بھرانے کے لئے جاتا ہو۔ مجھے اس وقت نہ کوئی آواز سنائی دیتی تھی۔ نہ کوئی صورت دکھائی دیتی تھی۔ نہ دشمن کا خوف تھا۔ نہ قتل ہونے کا ڈر تھا۔ اپنے بچے کے تصور میں آندھی دھاندی بنی چلی جاتی تھی۔ میرے پیچھے میرا شوہر۔ ایلین اور ولیم گھوڑے ڈپٹتے چلے آ رہے تھے۔ یہاں تک کہ ہم اپنے ویران مکان کے متصل پہنچ گئے +

افسوس جہاں چند روز پہلے عالی شان عمارت نظر آتی تھی۔ جس میں بیس سال کی مدت تک ہم نے عیش و آرام سے زندگی بسر کی تھی۔ وہاں آج ہُو کا عالم تھا۔ گوشہ گوشہ پر اُداسی چھا رہی ہے۔ جہاں عیش و طرب کے جلسے ہوتے تھے۔ وہاں ہر طرف ویرانی اور تباہ حالی نظر آتی ہے۔ ہماری جلوہ گاہیں۔ ہمارے آرام گھر۔ ہماری خواب گاہیں۔ خاک کی ڈھیر ہیں۔ وحشی جانوروں کا مسکن ہیں۔ سگ و خوک کی جولانگاہیں ہیں۔ آہ آہ وہ سبز و شاداب چمن جن سے جان کو فرحت روح کو تازگی ہوتی تھی۔ آنکھوں میں طراوت اور دماغ میں قوت آتی تھی۔ چار ہی دن میں زاغ و بوم کا مسکن بن گیا۔ ظالم باغیوں نے ہرے بھرے پودوں کو ایسا پائمال کیا۔ پھلواریوں کو ایسا کچلا تھا۔ کہ دیکھ دیکھ کر کلیجے پر خنجر چلتے تھے۔ عزیز فرزند کے دیدار کا شوق تو یہ چاہتا تھا۔ کہ قدم اُٹھائے آگے کو چلی جاؤں۔ لیکن یہ وحشت خیز مناظر طبیعت کو پریشان کرکے اِدھر سے رُخ پھرائے دیتے تھے۔ افسوس جس مکان کی راہیں آئینہ سے زیادہ صاف رہتی تھیں۔ آج اس تک پہنچنے کے لئے راستہ نہیں ملتا۔ اندھیری ڈراؤنی رات۔ نہ پاس چراغ نہ بتی۔ جاؤں تو کدھر جاؤں؟ جابجا ٹھوکریں کھاتی اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر چلی جاتی تھی۔ کہ شاید کوئی علامت فرزند گم شدہ کی نظر آ جائے اس تاریکی میں جس قدر میری بیتابی نے کام دیا۔ اپنے مقصد کی تلاش کرتی رہی + جب قوت باصرہ سے کام نہ چلا۔ تو سامعہ سے امداد مانگی۔ اور آواز پر کان لگایا

کہ شاید اس کی آواز ہی سنائی دے جائے۔ مگر وہاں نہ کوئی آواز رہبری کرتی تھی۔ نہ کوئی راستہ۔ مجبور ہو کر قدم ہلکے کر دیئے۔ اور ہمراہیوں کے ورود کی منتظر ہوئی چند منٹ میں ولیم وہاں پہنچ گیا۔ گھوڑے سے اُتر کر باگ اس سپاہی کے ہاتھ میں دی جو دہلی سے ہمارے ساتھ آیا تھا۔ اور مجھے کہا۔ اب آپ میرے ساتھ ساتھ آیئے میں ولیم کے بازو کو پکڑے اس شوق میں جلدی جلدی قدم بڑھائے چلی جاتی تھی۔ کہ اپنے بچّے کے دیدار سے شوق کی آنکھوں کو سیر کروں۔ اور کئی دن کے بچھڑے کو چھاتی سے لگاؤں + میرا شوہر اور ایلن پیچھے پیچھے تھے۔ مقصد تک پہنچنے کا راستہ دس قدم سے زیادہ نہ تھا۔ مگر مکان گر جانے کے باعث سو قدم سے زیادہ چلے۔ تو بھی وہاں تک پہنچ نہ پائے۔ کوئی درخت مکان کے صحن میں باقی نہ رہا تھا۔ بجز ایک پرانے ناردن کے درخت کے۔ اسی میں نیل بان بے چارے کو قتل کر کے لٹکا دیا گیا تھا۔ اندھیری رات میں یہ درخت اپنی ہری بھری شاخوں کو اُٹھائے دور سے ایک گنبد معلوم ہوتا تھا + ہم نہایت آہستہ آہستہ زمین پر پاؤں رکھتے تھے۔ تاکہ کسی نشیب میں اوندھے منہ نہ جا پڑیں۔ اندھوں کی طرح ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ایک قطار میں چلے جا رہے تھے۔ بڑی احتیاط کے ساتھ اس مقام تک پہنچے۔ جہاں چند روز قبل ہماری نشست ہوا کرتی تھی۔ اپنے دل فریب گھر کی ویرانی دیکھ کر بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ جس گوشہ میں جاتے تھے فرط الم سے کلیجہ خون ہو جاتا تھا۔ وہاں کوئی آواز بجز ان جانوروں اور چھوٹے چوپاؤں کے پاؤں کی چاپ کے نہ تھی۔ جو اینٹوں۔ پتھروں یا مٹی چونے کے ڈھیر میں ادھر سے اُدھر جا رہے تھے۔ یا کچھ رات کے پرندوں کی آوازیں تھیں جو ٹوٹی کانسوں۔ شکستہ کولٹوں یا اکھڑی چھتوں میں بیٹھے بے ثباتی عالم پر رو رہے تھے +

جب ہم درخت ناروں کے نزدیک پہنچے۔ ایک نالہ حزیں اور صدائے غمگیں ہمارے کان میں آئی جس سے دحشت بڑھی اور دل کانپا۔ بالخصوص میں چونکہ اس عرصے میں مصائب و آلام برداشت کرتے کرتے بہت زیادہ رقیق القلب

ہوگئی تھی۔ ایک بار گھبرا اُٹھی۔ شوہر اور داماد نے اپنے طمنچے ہاتھ میں لے لئے
اور مقابلے کے لئے آمادہ ہوگئے۔ یہ پُرخوف آواز ایک بڑے جسم سے پیدا ہورہی
تھی۔ جو اس تاریکی شب میں برابر ہماری طرف بڑھتا ہی چلا آتا تھا۔ جب بہت قریب
آگیا۔ تو ولیم نے چاہا۔ کہ طمنچہ کا فیر کرے۔ لیکن میرے شوہر نے بلند آواز سے کہا
شوہر۔ ولیم طمنچہ نہ چلانا۔ یہ ہمارا وفادار ہاتھی ہے۔ جس کے فیل بان کو قتل کر کے
درخت میں لٹکا دیا گیا ہے۔ یہ بیچارہ ہماری آمد کے انتظار میں یہاں نالہ ودرد ناک
بلند کر رہا ہے۔ ہاتھی ہمارے بالکل قریب آگیا۔ اور اپنی سونڈ سے ہم میں سے
ایک ایک کو سلام کیا۔ میرے شوہر نے ہاتھ بڑھا کر آہستہ آہستہ اس کی سونڈ کو سہلایا
اور ہندی زبان میں کہا "یہاں کیا کر رہا ہے"؟ ہاتھی یہ سُن کر ہم سے جدا ہوگیا۔ اور
درخت کے تنے سے جا لپٹا۔ اپنی سونڈ کو بار بار بلند کر کے اس لاش پر لاتا تھا جو
درخت میں لٹکی ہوئی تھی + ولیم نے کہا۔ یہ حیوان بہ سبب اس اُنس کے جو اپنے
فیل بان سے رکھتا تھا۔ اس وقت سے کہ باغیوں نے اس بے چارے کو اس
کی آنکھوں کے سامنے قتل کیا۔ اور درخت میں لٹکایا۔ اسی درخت کے نیچے کھڑا
ہوا ہے۔ اور لاش کے چاروں طرف جا جا کر نالے کرتا ہے۔ شاید یہ لاش سے
اس لئے جدا نہیں ہوتا۔ کہ صحرائی جانور اس کو کھا ڈالیں گے۔ یہ تو ایک مسلمہ امر ہے
کہ ہاتھی جس قدر بڑے ڈیل ڈول کا ہے۔ اسی قدر زیادہ ذی شعور اور صاحب
ادراک ہے۔ بلکہ اس کا ادراک تمام حیوانوں سے زیادہ ہے۔ وہ انسان کی طرح نیکی
بدی۔ محبت اور عداوت کا ادراک کرتا ہے۔ دوستی و غمخواری کے وقت یار و مددگار
ہے۔ اور کینہ و دشمنی کے وقت بلائے جان۔ یہ ہاتھی چونکہ بچہ خریدا گیا تھا۔ اس لئے
فیل بان سے بہت زیادہ مانوس ہوگیا تھا۔ اور اس میں شک نہیں۔ کہ فیل بان
مرحوم نے اس کی خدمت بھی بہت کی تھی +

چونکہ ہاتھی کی قیمت دو ہزار روپے سے زائد تھی۔ باغیوں نے فیل بان کے
قتل کر دینے کے بعد چاہا۔ کہ اس پر قابض ہو جائیں۔ مگر یہ قابو میں نہ آیا۔ دن دن
بھر تو جنگلوں میں مارا مارا پھرتا۔ اور رات کو اپنے قدیم خدمت گار کی لاش کی حفاظت

کے لئے اس درخت کے نیچے آجاتا۔

خلاصہ یہ کہ اس درخت کی نشانی سے اپنے اصل گھر کا راستہ پایا۔ ولیم نے تین ہندوستانی سپاہیوں کو ہندی زبان میں فہمائش کی۔ کہ وہ ہم لوگوں کے واپس آنے تک نہایت ہوشیاری سے اس مقام پر پاسبانی کریں۔ اور جس وقت کوئی خطرہ معلوم ہو۔ فوراً اطلاع دیں۔ اس کے بعد کچھ دور بڑھ کر اس نے اپنے منہ سے ایک آواز نکالی۔ تین منٹ نہ گزرے تھے۔ کہ اس تہہ خانے کی راہ سے جو سابق میں ہمارا شراب خانہ تھا۔ اور فی الحال چھت والے مقامات میں ایک وہی باقی تھا۔ روشنی نمودار ہوئی۔ جو مثل ایک ستارے کے اندھیری رات میں ٹمٹما رہی تھی۔ ہم اس کے سہارے آگے کو چلے۔

عزیز بھائیو! مہربان بہنو! تم سمجھ سکتی ہو۔ کہ ان تمام زحمتوں سے میرا مقصود کیا تھا۔ صرف یہی نا۔ کہ اپنے نور نظر۔ لخت جگر۔ دل کی ٹھنڈک۔ روح کی طاقت ولیم کو چھاتی سے لپٹاؤں۔ اور اس کی بھولی بھالی پیاری پیاری صورت اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔ جوں ہی ہم تہہ خانہ میں پہنچے۔ دیکھا۔ کہ وہ میرے کلیجے کا ٹکڑا ایک گوشہ میں پڑا سو رہا ہے۔ اس کی صورت دیکھتے ہی میں آغوش شوق پھیلائے ہوئے دوڑی۔ دایہ نے آہستہ سے اسے میری گود میں دے دیا۔ اور کان میں کہا۔ "ابھی سویا ہے۔ کچی نیند ہے۔ جگائیے نہیں۔" میں اسے گود میں لئے خداوند کریم کا شکر وسپاس کرتی رہی۔ کبھی اس کے ننھے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر پیار سے دباتی تھی۔ کبھی پیشانی پر بوسہ دیتی تھی۔ دل چاہتا تھا۔ کہ پروانہ وار اس پر نثار ہوں۔ یہ شوق وانبساط کی حالت زیادہ دیر تک نہ رہی تھی۔ کہ شوہر نے میرے قریب آکر کہا۔

شوہر۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ اس نے ہم کو بچھڑے فرزند سے ملا دیا۔ اور داغ جگر سوز کے صدمے سے بچا لیا۔ اب ہم کو چاہیئے۔ کہ بہت جلد ہندوستانی لباس پہن لیں۔ شاید یہی تدبیر دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھے۔

میں۔ مجھے آپ کی رائے سے اتفاق ہے۔ ابھی اٹھتی ہوں۔ ذرا دائی سے دو باتیں

کرلوں + (دائی کی طرف متوجہ ہو کر) تو وہاں سے ویل کو لے کر کیوں بھاگی تھی۔ اس بچے کے گم ہونے نے جس قدر مجھے دیوانہ بنایا تھا۔ میں ہی جانتی ہوں۔ اُف یہ پیدا کئے کی محبت بُری ہوتی ہے۔ آج میں نے جانا ہے۔ کہ میں آدمی ہوں +

دایہ۔ جب تم اس گھر میں پناہ گزین ہوئے۔ تو مجھے یہ یقین ہو گیا۔ کہ آپ کا یہاں سے زندہ نکلنا دشوار ہے۔ کوئی ہندوستانیوں کا گروہ عنقریب ادھر آ نکلے گا۔ اور سب کو قتل کر ڈالے گا۔ میں بہت دیر تک اس بارے میں سوچتی رہی۔ تمہاری نجات کی تو کوئی تدبیر ذہن میں نہ آئی۔ البتہ یہ سوچی۔ کہ اس بچے کو جس نے میرا دودھ پیا ہے۔ اور ایک مدت تک ماں کی طرح خدمت انجام دیتی رہی ہوں۔ کسی صورت سے بچانا چاہئے + میری محبت قلبی نے اس کی اجازت نہ دی۔ کہ ایک دم کے لئے بھی اس سے جدا ہو جاؤں۔ بس یہ بات تھی۔ جو تم سے پوشیدہ طور پر اس کو لے کر فرار ہو گئی

میں۔ ہے ہے تو مجھ سے کہہ کے تو لے جاتی۔ کیا میں اس کی دشمن تھی؟

دایہ۔ بھلا میں کیسے مان لوں۔ کہ اگر میں آپ کو اطلاع دیتی۔ تو آپ اپنا پیارا بچہ اپنی آنکھوں سے اوجھل ہونا گوارا کر لیتیں۔ جب مجھے اس کی مفارقت کی تاب نہ تھی۔ تو بھلا آپ سے کیسے ممکن تھا +

میں۔ اچھا پھر کیا ہوا؟

دایہ۔ غرض کہ میں ویل کو لے کر وہاں سے چل دی۔ اور اپنے ایک عزیز کے گھر میں چھپ رہی + پھر خیال ہوا۔ کہ مجھے تم لوگوں کا حال کیسے معلوم ہو گا۔ اور تم کو میری خبر کیونکر پہنچے گی۔ اتفاقاً ایک روز تمہارے داماد صاحب سے ملاقات ہو گئی۔ میں نے ساری کیفیت ان سے بیان کی۔ اور اپنا پتہ بتا کر ان سے کہہ دیا۔ کہ جس وقت ان کو نجات مل جائے۔ مجھے طلب کر لینا۔ آج صبح خبر ملی۔ کہ تم لوگ یہاں آنے والے ہو۔ لہذا میں یہ بیش قیمت امانت اور نفیس ودیعت سونپنے کو چلی آئی +

جب ویل کی طرف سے ہمیں ہر طرح کا اطمینان ہو گیا۔ تو تبدیلی لباس کی فکر ہوئی۔ سر سے پیر تک ہندوستانی لباس پہننے کے علاوہ چہروں کلائیوں اور پیروں کو بھی ایک زرد رنگ سے جو جلد انسانی سے مشابہ تھا۔ رنگ دیا +

ولیم نے ہم کو تہہ خانے کے ایک گوشے میں چند بندھی ہوئی گٹھریاں دکھائیں جو سفر کے واسطے تیار کی گئی تھیں۔ ان میں کچھ تو کھانے کی چیزیں تھیں۔ اور کچھ پہننے کے کپڑے اور دوسری ضروری چیزیں۔ دو ٹٹو جو تہہ خانے کے باہر بندھے ہوئے تھے۔ نزدیک لائے گئے۔ اور تمام سامان ان پر لاد دیا گیا۔ جس طرح دریا کا مسافر کشتی میں سوار ہو کر اپنے حرکت وسکون کیا۔ بلکہ زندگی و موت کی باگ ناخدا کے ہاتھ میں دے دیتا ہے۔ اسی طرح ہم نے اپنے اختیار کی باگ اس پُر خطر سفر میں اپنے داماد ولیم کے ہاتھ میں دے دی تھی۔ اور اسی کو اپنی ہستی کے سفینہ کا ناخدا بنا دیا تھا۔ اور جملہ افعال و حرکات میں اس کے حکم کے تابع بن گئے تھے + اسباب لادے جانے کے بعد سواری حاضر ہوئی اور ولیم کے ایماء کے مطابق ہم سب سوار ہو گئے +

آٹھواں حادثہ

تیز رکھنا سر ہر خار کو اے دشت جنوں
شاید آ جائے کوئی آبلہ پا میرے بعد

ولیم۔ آپ لوگ سامنے والے راستے پر چلے جائیے۔ تقریباً پانچ فرسنگ راہ طے کرنے کے بعد ایک بہت گھنا جنگل ملے گا۔ وہاں دیا سلائی سے آگ روشن کرنا۔ فوراً ایک کشتی بان جس کو میں تمہاری آمد کی اطلاع دے چکا ہوں۔ اس نشان کو دیکھ کر تمہارے پاس آئے گا۔ اور سب کو مع سامان ایک کشتی میں سوار کرا کر لے جائے گا +

میں۔ یہ کیا؟ کیا تم ہمارے ساتھ نہ چلو گے؟

ولیم۔ بس میں تو یہیں سے رخصت ہوتا ہوں۔ اپنی پلٹن میں شامل ہو کر جب تک بدن میں جان ہے۔ انگریزی جھنڈے کی حمایت میں دل و جان سے کوشش کر کے مٹا دوں گا +

میں۔ واہ ولیم واہ۔ یہ تم نے خوب دھوکا دیا۔ پہلے سے ہم پر اپنا ارادہ ظاہر نہ کیا

اب عین وقت پر یہ غم انگیز الفاظ منہ سے نکال رہے ہو۔ ہم تو یہ خیال کرتے تھے۔ کہ اب ہم سے کبھی جدا نہ ہو گے +

ولیم۔ بے شک میرا دل بھی یہی چاہتا تھا۔ کہ آپ لوگوں کے ساتھ ہی رہوں۔ مگر کیا کروں مجبور ہوں۔ ایسا کرنے میں بہت بڑی خرابی ہے +

ایلین نے جوں ہی مفارقت کا نام سنا۔ دوڑ کر شوہر کے دامن کو پکڑ لیا۔ اور زار زار رونے لگی +

ولیم (ایلین کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر) پیاری ایلین کیوں روتی ہو۔ کیوں اپنے کو ہلکان کیئے دیتے ہو۔ گھبراؤ نہیں۔ اگر خدا نے چاہا۔ تو پھر اسی طرح آ کر ملیں گے +

ایلین۔ ولیم! میں تم کو ہرگز نہ چھوڑوں گی۔ جہاں جاتے ہو مجھے ساتھ لے چلو۔ اب فراق کے صدمے مجھ سے برداشت نہ ہوں گے +

اس وقت میں نے اپنے داماد کی ایک عجیب حالت دیکھی۔ بے چارے کی جان دو خطروں میں تھی۔ نہ تو ہم لوگوں کی محبت ایک منٹ کو جدا ہونے کی اجازت دیتی تھی۔ نہ خدمت کی غیرت اور سرکار کے نمک کا پاس اس کو گوارا کرتا تھا۔ کہ سرکاری قانوں کے خلاف اپنے دستے کو چھوڑ لڑائی سے فرار ہو جایئے۔ عجیب جان کو کشمکش تھی۔ کچھ سوچتا تھا۔ اور رہ جاتا تھا۔ اگر سچ پوچھو۔ تو اتنی دیر بھی اس کا ہمارے ساتھ رہنا۔ از روئے قانون خلاف تھا۔ لیکن ایلین کو ان باتوں کا مطلق خیال نہ تھا۔ اس کا منشا صرف یہ تھا۔ کہ شوہر ایک منٹ کو بھی اس سے جدا نہ ہو۔ اور وصل کی گھڑیاں فراق سے نہ بدلیں +

بالآخر ولیم نے ذرا دل پر جبر کر کے زور کے ساتھ اپنے دامن کو ایلین کے ہاتھ سے چھڑا لیا۔ اور دہلی کی طرف کو بھاگا۔ میری حسرت زدہ لڑکی کی آہ نے اس وقت خاص اثر دکھایا۔ یعنی ولیم چند ہی قدم گیا ہو گا۔ کہ تہ خانے کے ایک ہندوستانی پہرہ دار نے آگے بڑھ کر آہستہ سے کہا "چراغ گل کر دو۔ بہت سے سوار دہلی سے اس سمت آ رہے ہیں +

ولیم۔ کیا یہ بتا سکتے ہو۔ کہ ان لوگوں کی تعداد کس قدر ہو گی ؟

پہرہ دار۔ حضور ٹھیک تو نہیں بتا سکتا۔ البتہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ایک رسالہ ہے۔

اسی درمیان میں ایک اور سپاہی دوڑا ہوا آیا۔ اور کانپتی آواز سے کہا۔ کہ اس مکان کا ہندوستانی سپاہیوں نے محاصرہ کر لیا۔

ایلن۔ پیارے ولیم! بس اپنا جانا اب ملتوی کرو۔ اگر ہم سب ایک ہی جگہ مقتول ہو جائیں۔ تو اس سے کہیں بہتر ہے۔ کہ ایک دوسرے سے جدا ہو کر ہمیشہ درد فرقت سے تڑپیں۔ یہ میری خوش نصیبی ہے۔ کہ سواروں نے اس گھر کا محاصرہ کر لیا۔ اور تم کو دہلی جانے سے روک دیا۔

ولیم۔ (مسکرا کر) ہاں صاحب اب تو یوں ہی کہو گی۔

چونکہ رات بہت زیادہ تاریک تھی۔ اس لئے باغیوں کو بھی یہ تردد تھا۔ کہ کس سمت سے حملہ کریں۔ ہم تو بھاگنے پر آمادہ تھے ہی۔ جب یہ حال دیکھا۔ خدا پر بھروسہ کر کے میرٹھ کی طرف چل دیئے۔ کیونکہ اس طرف لوگوں کی آمد و رفت کم تھی۔ یہ راستہ جو دریائے جمنا کے کنارے کنارے ہے۔ وہی راستہ ہے جس کے درمیان میں چند ہفتے قبل ہمیں ایک سادھو لیٹا ہوا ملا تھا۔ اور اس نے ہمارے واسطے بدفال منہ سے نکالی تھی۔ جوں ہی ہم اس موقع پر پہنچے۔ وہ وقت یاد آگیا۔ اپنے سابقہ عیش و آرام کا موجودہ بدبختی و پریشان حالی سے جو مقابلہ کیا گیا۔ دل بھر آیا۔ آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

ہمارے چلے آنے کے بعد دور تک ہاتھی کے چنگھاڑ کی آواز آتی رہی جس سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ اس کو ہماری جدائی کا بے انتہا قلق تھا۔ یہ سوار ہمارے تعاقب میں اس بنا پر آئے تھے۔ کہ جب ہم شہر دہلی کے دروازے سے باہر نکل گئے۔ تو اس دروازہ کے محافظ نے جو بظاہر ولیم کا دوست تھا۔ اور ہمیں دروازہ کھول کر نکال چکا تھا۔ تمام باغیوں کو ہمارے فرار کی خبر کر دی۔ انہوں نے اسی وقت ایک رسالہ ہماری گرفتاری کے لئے دوڑا دیا۔ اگر ہم سب لوگ اس قدر جلدی بھاگنے پر مجبور نہ ہوتے۔ اور اطمینان کے ساتھ وہاں سے چلتے۔ تو ہاتھی

کو ضرور اپنے ساتھ لے لیتے۔

خلاصہ یہ کہ جس طرح ولیم نے بتایا تھا۔ اور جو دستور العمل اس کا تھا۔ اسی طرح واقع ہوا۔ یعنی ایک طولانی مسافت طے کرنے کے بعد ہم ایک گھنے جنگل میں پہنچ گئے آگ روشن کی۔ فوراً ایک شخص آیا۔ اور ہم سب کو دریا کے کنارے کی طرف جہاں ایک چھوٹی سی کشتی لگی ہوئی تھی۔ لے گیا۔ اس کشتی پر بانسوں اور پتوں سے ایک منڈیا سی چھائی ہوئی تھی۔ اس میں ہم جا کر بیٹھ گئے۔ اور کشتی کا لنگر کھل گیا۔

دہلی سے آگرے تک کی مسافت تقریباً ستر فرسخ ہوگی۔ ہم اس کو چھ دن اور چھ رات میں اس صورت سے طے کیا۔ کہ تمام دن چلتے تھے۔ اور تمام رات دریا کے داہنے یا بائیں آبادی سے دور کسی جا قیام کرتے تھے۔ دن کی گرمی پیاس اور دہشت کے باعث وہ سخت تکلیف اٹھانی پڑتی تھی۔ کہ توبہ ہی بھلی۔ رات کا آنا ہمارے لئے ایک نعمت تھا۔ جس میں تمام دن کی مصیبت سے نجات مل جاتی تھی۔ جس قدر ہمارا راستہ زیادہ طے ہوتا جاتا تھا۔ اسی قدر ہولناک صورتیں زیادہ سامنے آتی جاتی تھیں۔ سواروں کے رسالے۔ پیادوں کی پلٹنیں۔ دریا کے دونوں طرف عبور کرتی تھیں۔ اور جہاں جس فرنگی کو دیکھتی تھیں قتل کر ڈالتی تھیں۔ کئی بار ایسا اتفاق ہوا۔ کہ باغیوں نے ہماری کشتی کو کنارے کی طرف بلایا۔ اور جب ملاح نے التفات نہ کیا۔ تو بندوقیں مارنی شروع کیں۔ یہ خدا کی عنایت تھی۔ کہ کوئی گولی ہم میں سے کسی کے نہ لگی۔ کبھی کبھی اطراف کے دیہات سے باغی لوگ چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں سوار ہو کر ہماری کشتی کے پاس آتے تھے۔ لیکن ہم ایسے چھپے ہوئے تھے۔ کہ ان کو مطلق پتہ ہی نہ چلتا تھا۔

ساتویں روز ہم خدا خدا کر کے دریا کے بائیں کنارے پر اترے۔ اور غروب ہونے والے آفتاب کی زرد شعاعیں آگرے کی مسجد کے میناروں پر ایک فرسنگ کے فاصلے سے نظر آئیں۔ یہ مسجد ہندوستان میں بہت خوب صورت عمارت ہے۔ اکبر بادشاہ کا لال قلعہ بھی جو اب انگریزوں کے قبضے میں ہے دکھائی دے رہا تھا۔ جب ہم کنارے پر اترے۔ تو اور بھی بہت سی کشتیاں وہاں نظر آئیں۔ جن کے ملاح آگرے ہی کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے ہم کو پہچان تو ضرور لیا۔ کہ یہ ہندوستانی نہیں ہیں۔ مگر

زبان سے کہا کچھ نہیں ؛

ولیم چونکہ بنگلہ زبان بہت صاف بولتا تھا۔ ان سے بات چیت کرنے لگا معلوم ہوا۔ کہ آگرے میں بھی دہلی کی طرح فتنہ وفساد ہے۔ تمام انگریز قلعہ میں چھپے ہوئے اس مدد کے منتظر ہیں۔ جو الہ آباد سے آرہی ہے۔ یہ خبر سنتے ہی ہم لوگ بہت پریشاں ہونے لگے ؛

میں۔ ولیم! بیٹا اب کیا کرنا چاہئے۔ میں سمجھتی ہوں۔ کہ تمام ہندوستان میں انگریزوں کی ہوا اکھڑ گئی۔ اب بتاؤ کہاں جائیں۔ کیا کریں ؟

ولیم۔ میری عقل بھی اس وقت چکر میں ہے۔ اگر شہر میں جائیں۔ تو نہ راہ سے واقف نہ وہاں کوئی اپنا یار و آشنا۔ اگر یہیں رہیں۔ تو یہ بالکل کھلا میدان ہے۔ خدا جانے کیا پیش آئے۔ علاوہ اس کے صبح ہی گروہ بغاوت پیشہ ہماری آمد سے مطلع ہو کر یہاں آپہنچے گا۔ اور تلواروں میں رکھ لے گا ؛

شوہر۔ میرے خیال میں یہ بہتر ہے۔ کہ جس طرح بنے اسی دم یہاں سے کوچ کر کے چل پڑیں ؛

میں۔ کس راستہ سے ؟

شوہر۔ یہ سوال ابھی غور طلب ہے۔ انسب تو یہی تھا۔ کہ خشکی کے راستے سے چلتے اور شاہ راہ پر پڑ لیتے۔ اگر کہیں الہ آباد سے آتی ہوئی فوج راہ میں مل جاتی۔ تو بس انہیں کے ساتھ ساتھ آگرے کو لوٹے چلے آتے۔ پھر جو حال سب کا ہوتا۔ وہ ہمارا بھی ہوتا۔ مرگ انبوہ جشنے دارد۔ مگر دقت یہ ہے۔ کہ ہمارے پاس کوئی سواری نہیں ؛

میں۔ کیا کوئی سواری یہاں کہیں سے نہیں مل سکتی ؟

ولیم۔ اس پرآشوب زمانے میں ناممکن ہے۔ کہ کوئی سواری ملے۔ اگر ہم تلاش کو نکلے اور کہیں خدانخواستہ پہچان لئے گئے۔ تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ اب تو یہ بہتر معلوم ہوتا ہے۔ کہ دریا کی راہ سے شہر کانپور کو چلے جائیں۔ وہاں جنرل کرو بھی مقیم ہے۔ اس کی وجہ سے بڑی مدد ملے گی ؛

یہ رائے پاس ہو گئی۔ اور ہم سب ایک نئے سفر کے لیئے آمادہ ہوتے۔ مگر بڑا

ہوا اس کم بخت ملاح کا جس نے کسی طرح وہاں سے بڑھنا گوارا نہ کیا۔ لاکھ لاکھ میرے شوہر اور داماد نے سمجھایا۔ ایک ہزار روپیہ دینا کیا۔ مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ تب مجبوراً اس سے کہا گیا۔ کہ اگر تجھے ہمارے ساتھ چلنا منظور نہیں۔ تو اپنی کشتی ہی ہمارے ہاتھ فروخت کر ڈال۔ ہم ہی اس کو کھے کر لے جائیں گے۔ یہ سُن کر آثار بشاشت اس کے چہرے پر نمودار ہوئے جس سے ہم نے سمجھا۔ کہ اس کا دلی منشا یہی تھا۔ کیونکہ کسی موقعے سے اس پر یہ ظاہر ہو گیا تھا۔ کہ ہمارے پاس بہت کچھ جواہرات اور نقد زر و سیم ہے۔ حالانکہ ہم ہمیشہ یہی اظہار کرتے رہے۔ کہ ہمارے پاس ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے۔ وہ پرانی کشتی کسی طرح دو سو روپے سے زیادہ قیمت کی نہ تھی۔ مگر اس نے ہم کو متمول اور غرض باؤلا سمجھ کر پانسو روپیہ مانگا + ہرچند ہم نے چاہا۔ کہ کچھ کم کر دے۔ مگر وہ کہاں ماننے والا تھا؟ مجبوراً وہی مقدار دے کر وہ کہنہ کشتی لے لی + تقتضائے عقل و احتیاط یہی تھا۔ کہ ہم لوگ طلوع سحر سے پہلے ہی سرزمین آگرے سے دور ہو جائیں۔ اس لئے سارا اسباب کشتی میں رکھ کر چاہا۔ کہ روانہ ہوں۔ اتنے میں دو ہندوستانی ملاح جن کی کشتیاں ہماری کشتی کے نزدیک تھیں۔ ہمارے پاس آئے۔ اور کشتی کے کھینے اور کانپور تک ساتھ ساتھ چلنے کا وعدہ کرنے لگے۔ ولیم اور میرے شوہر نے ان کی درخواست کو اس وجہ سے مسترد کر دیا۔ کہ ان کے ظاہر حال سے صداقت و مروت کے آثار مشاہدہ نہ ہوتے تھے میں (شوہر سے مخاطب ہو کر) کیوں تم ان لوگوں سے انکار کر رہے ہو۔ خدا کے واسطے منظور کر لو۔ یہ تو دن میں قیامت کی دھوپ پڑتی ہے۔ اور یہ گرم لو چلتی ہے۔ میں تو کبھی ہرگز بھی تمہیں یا ولیم کو اس کی اجازت نہ دوں گی۔ کہ صبح سے شام تک سورج کے مقابل کھڑے کشتی ڈنڈیاؤ۔ اگر اب سے دور کوئی ماندہ ہو گیا۔ تو آؤ ذر لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ تم نے کیسے جان لیا۔ کہ یہ لوگ مکار و دغاباز ہیں۔ کیا ان کی پیشانی پر لکھا ہے +

شوہر (جھنجھلا کر) تم ہر معاملے میں اپنی رائے اڑا دیتی۔ نہ ہندوستانیوں کے چال چلن سے واقف۔ نہ عادات و خصائل سے آگاہ۔ رائے زنی کرنے لگیں۔ تم تو ہر ایک کا ظاہر و باطن ایک ہی سا سمجھتی ہو۔ اس وقت ان کی خوشامد کا خیال کر کے اگر ساتھ لے لیا۔

اور راستہ میں ان کی بدطینتی کچھ رنگ لائی۔ تو پھر کیا ہوگا۔ جانتی ہو۔ کہ ہر ایک ہندوستانی آج کل ہمارا جانی دشمن بنا ہوا ہے۔ مجھے وہ دن بھر دھوپ میں کھڑا رہنا گوارا ہے۔ مگر یہ منظور نہیں۔ کہ ان کمینہ خصلتوں کے ہاتھ سے دھوکہ میں مارا جاؤں۔ یا یہ کہ ذلت و حقارت کے ساتھ گرفتار ہو جاؤں +

میں۔ ایسی بھی بدگمانی اچھی نہیں۔ جب ہم کو انہیں لوگوں میں رہنا ہے۔ تو انہیں پر بھروسہ کرنا ہوگا۔ میں تو ان میں خیانت و بدعہدی کا کوئی نشان نہیں پاتی۔ اگر یہ اس قسم کے لوگ ہوتے۔ تو اب تک ہماری آمد کی اطلاع باغیوں کو دے بھی چکتے۔ یوں خواہ مخواہ کی بدگمانی کا کوئی علاج نہیں۔ جس کی طرف سے انسان چاہے دم بھر میں بدگمان ہو جائے۔ میں تو ضرور ان کو ساتھ لوں گی +

شوہر۔ بعض اوقات تمہاری ہٹ بالکل بچوں کی سی ہونے لگتی ہے۔ تم کو اس سے کیا غرض۔ جو کچھ زحمت ہوگی ہم برداشت کر لیں گے +

میرے شوہر اور داماد نے محض میرے اصرار پر ان دونوں شخصوں کو اجرت پر ساتھ لے لیا۔ مگر ان سے مہادیو کی قسم دے کر یہ عہد کرایا۔ کہ وہ کسی وقت ہم سے خیانت و بے وفائی نہ کریں گے + مہادیو ایک ہندوؤں کے دیوتا کا نام ہے جس کی پوجا کی جاتی ہے۔ مگر ہم لوگوں کو یہ معلوم نہ تھا۔ کہ ہندوؤں کے فرقوں میں باہمی اختلاف کے باعث بعض مہادیو کو نہیں بھی مانتے۔ بدقسمتی سے یہ دونوں نہ ماننے والوں ہی گروہ میں تھے۔ لہذا اس قسم کے خلاف کرنا ان کے لئے ذرا بھی ناروا نہ تھا +

خلاصہ یہ کہ ہم نے اس مقام سے آیندہ بہبودی کی امید پر حرکت کی۔ جب قلعہ آگرہ کے مقابل سے گزرے۔ تو چند منٹ اس امید میں ٹھہرے رہے۔ کہ شاید قلعہ کے اندر پناہ لینے والے انگریز ہمارے اس طرف سے عبور کرنے پر مطلع ہو کر دریا کے پاس آجائیں۔ اور ہم کو قلعہ ہی میں داخل کر لیں۔ لیکن افسوس ہے۔ کہ یہ انتظار بالکل بے سود ہوا۔ قلعہ کی طرف سے کوئی اشارہ نہ ملا۔ ہم کچھ دیر اور بھی ٹھہرے۔ مگر چونکہ صبح کی روشنی دم بدم بڑھتی جاتی تھی۔ لہذا مجبوراً کشتی آگے کو بڑھا دی۔ بہ نسبت سابق کشتی کے اس میں ہم لوگوں کو زیادہ آرام ملا۔ کیونکہ اس پر جو بانس اور گھاس

سے چھپر ڈالا گیا تھا۔ وہ خاصہ چوڑا اور آرام دہ تھا۔ اس میں ہم لباس بھی تبدیل کر سکتے تھے۔ نہا بھی سکتے تھے۔ لیٹ بھی سکتے تھے۔ کبھی کبھی میرا شوہر اور داماد دریا کے دائیں کنارے سے بائیں کنارے پر جا کر دریائی جانور مور اور طوطے۔ بندر کے نیچے شکار کر کے کشتی پر لے آتے تھے۔ اور ہم تازہ گوشت کے کباب کھاتے تھے + آگرہ سے کانپور تک دریا کی راہ سے ستر گھنٹے کی مسافت ہے۔ لیکن یہ ملاح قصداً ہم کو آہستہ آہستہ لے جا رہے تھے۔ کئی بار تیز چلانے کو کہا بھی گیا۔ مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا +

دوسری رات کو ایک مرتبہ ہی کشتی دریا کے بائیں کنارے پر جہاں سے ساحل بخط عمودی قطع ہوا تھا۔ ٹوٹ گئی۔ اور پانی اندر داخل ہونے لگا۔ ہم جلدی جلدی کود کر کنارے پر اُترے۔ اور جو کچھ ضروری سامان کنارے تک لے جانا ممکن ہوا۔ اُتار کر لے گئے +

میں ہر چند غور کرتی تھی۔ کہ کشتی کے ٹوٹنے کا سبب کیا ہے۔ سوائے بدبختی اور تیرہ روزی کے اور کوئی وجہ ذہن میں نہ آتی تھی۔ ولیم کی رائے کے مطابق ہم کنارے سے روانہ ہو کر جنگل کے ایک حصے میں جو درختوں سے خالی تھا۔ گئے۔ رات ہونے آ ہی گئی تھی۔ ہم نے بہت سی لکڑیاں اکٹھا کر کے اپنے گرداگرد آگ روشن کر دی۔ تاکہ درندہ و حیوانات کی ایذا سے محفوظ رہیں۔ بالخصوص مچھروں کی نیش زنی سے جو اس سرزمین پر کثرت سے پائے جاتے تھے +

دن کا حصہ بالکل ختم ہو گیا۔ ہم لوگ شام کی عبادت سے بالکل فارغ ہو کر بیٹھے۔ یہ رائے قرار پائی۔ کہ ایک ایک آدمی باری باری بیدار رہ کر سونے والوں کا پہرہ دے۔ ایک چادر کو بطور خیمہ لگا کر سب اس کے اندر ہو رہے۔ آنے والے زمانے کی بدبختی نے ہم کو ایسا پریشان حال اور مضطرب الخیال کر دیا تھا۔ کہ آرام ہم سے کوسوں دور ہو گیا تھا۔ میں دل میں بار بار کہتی تھی۔ کہ اس کے بعد کیونکر سفر کریں گے کس طرح کشتی میسر آئے گی۔ اگر بالفرض کشتی نہ ملی۔ تو خدا جانے کوئی اور سواری بھی دستیاب ہو گی یا نہیں۔ اس پریشان خیالی میں ایک گھنٹے سے زائد ہو گیا۔ پلک جھپکنا کیسا۔ نیند کا خیال بھی نہ آیا۔ میری طرح ایلن۔ اور میرا شوہر بھی جاگ رہا تھا۔ غالباً اس قسم کے وسوسے ان کو بھی بے چین کر رہے ہوں گے + چونکہ یہ قاعدہ ہے۔ کہ ایک کو سوتا دیکھ کر دوسرے بھی خواب

کی طرف مایل ہو تے ہیں۔ لہذا میں نے یہ تکلیف گوارا کی اور اپنے کو سوتا ہوا بنایا۔ تاکہ ایلین اور اس کا باپ دونوں سو جائیں۔ اور فی الجملہ اس غم والم سے نجات ملے۔ غالباً اسی خیال کو پیش نظر رکھ کر میرے سلانے کی وجہ سے انہوں نے بھی بہ تکلیف اپنے کو خفتہ بنایا۔ ہم بدبختوں کے گروہ میں صرف ایک شخص ایسا تھا۔ جو اطمینان قلب کے ساتھ گہری نیند لے رہا تھا۔ اور وہ میرا بچہ ویل تھا۔

ولیم خیمہ سے باہر پاسبانی میں مشغول تھا۔ کیونکہ دس بجے سے بارہ بجے تک اسی کی باری تھی۔ بارہ سے دو بجے تک میرا شوہر پاسبان تھا۔ اس کے بعد میرا + وہ دونوں ہندوستانی جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اپنے بڑے بڑے منڈاسے (پگڑیاں) سر پر لپیٹے ایک گوشے میں سو رہے تھے۔ خیمے سے باہر انہوں نے بھی درندوں کے خوف سے ایک اَوُلا میں بہت سی لکڑیاں سلگا دی تھیں۔ سونے سے پیشتر ایک نے ہم سے یہ وعدہ کیا تھا۔ کہ کل کو علی الصبح ہم یا تو تمہارے واسطے دوسری کشتی کہیں سے لائیں گے۔ یا کوئی سواری۔

آہ آہ یہ بارہ گھنٹے کی رات مجھ دُکھیا آفت رسیدہ وطن آوارہ کی نظر میں کس قدر طولانی ہو گئی تھی۔ رنج وغم میں نیند کہاں۔ جو کچھ وقت چین سے گزر جائے۔ خیمے کے کنارے سے ملی ہوئی اپنے بچے کو چھاتی پر لٹائے پڑی تھی۔ اور صبح تک یوں ہی پڑی رہی۔ کبھی انقلاب روزگار کا خیال کرتی تھی۔ کبھی ایام گزشتہ کی سختیوں کو یاد کرتی تھی۔ کبھی آیندہ زمانہ میں خوشحالی کے پلٹ آنے اور مافات کی تلافی ہونے کا تصور کر کے ٹوٹے دل کو تسکین دے لیتی تھی۔ اس کے ساتھ شوہر اور دختر کے حال سے بھی بے خبر نہ تھی۔ بلکہ ان کے سانس تک گنتی تھی۔ اور کبھی کسی بہانے سے سینے پر ہاتھ رکھ کر قلب کی حرکت دیکھتی تھی۔ کبھی نبض کی سرعت کا اندازہ کرتی تھی۔ جب ان کا سانس قرینے سے چلتا پاتی۔ اور نبض درست تو ذرا مطمئن ہو جاتی۔ اور جہاں کسی کی حالت میں اضطراب۔ دل کی حرکت میں سرعت نبض میں تیزی محسوس ہوتی۔ رنج وغم سے مثل مار گزیدہ پیچ وتاب کھاتی۔ جن لوگوں کے دل اولاد کے شیدائی اور احباب کے فدائی ہیں۔ وہ ہی اچھی طرح جان سکتے ہیں۔ کہ میں کیا کہتی ہوں۔ اور میری حالت اس وقت کیا ہو گی۔

خلاصہ یہ کہ نصف شب کے بعد میرے شوہر کی پاسبانی کی نوبت آئی۔ اور وہ اُٹھ کر خیمے سے باہر چلا گیا + ولیم اندر آیا۔ اور اس کی جگہ لیٹ رہا۔ میں نے بھر تکلیف اپنے کو سوتا ہوا بنایا۔ گویا مجھے شوہر کے جانے اور داماد کے آنے کی خبر ہی نہیں۔ اسی طرح بہت دیر تک خاموش پڑی رہی۔ کسی قدر خواب کا غلبہ ہوا بھی۔ مگر میں اس خیال سے نہ سوئی۔ کہ چونکہ شوہر کو میرے ساتھ بے حد اُنس ہے۔ لہذا اگر سو گئی۔ اور اپنی پاسبانی کے وقت پر آنکھ نہ کھلی۔ تو وہ میرے آرام کے درپے ہو کر کبھی ہرگز نہ جگائیگا لیکن انسان کی طبیعت بھی عجیب واقع ہوئی ہے۔ جس کام سے اسے باز رکھا جاتا ہے۔ وہ اسی کو کرتا ہے۔ اور جس کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس کو نہیں کرتا۔ مثل مشہور ہے۔ الانسان حریصٌ علیٰ ما مُنع۔ میں اول شام سے نصف شب تک سونے کے لئے بالکل آزاد تھی۔ لیکن ذرا اس طرف متوجہ نہ ہوئی۔ اور ایک منٹ کو نہ سوئی۔ اب جب کہ میری پاسبانی کا وقت قریب آگیا۔ خواب نے یکایک ایسا غلبہ کیا۔ کہ اختیار کی باگ ہاتھ سے نکل گئی۔ اور ایک مرتبہ ہی آنکھیں جھپک گئیں + نیند آنے سے قبل میں نے بہت چاہا کہ کائنات عالم کی طرف دل لگا کر اس خیال کو دور کروں۔ مگر اس وقت نہ گیدڑوں کی آواز تھی نہ شیر کی دھاڑ۔ نہ ہندوستانی بڑی چمگادڑوں کی پرواز تھی۔ نہ گھاس میں رہنے والے چوپاؤں کی پیر کی آہٹ۔ نہ جمنا کے پانی میں تلاطم تھا۔ نہ ہوا میں زور۔ جن کا مشاہدہ ایک شاعر روشن خیال کے دماغ کو گھنٹوں اپنی طرف جذب کئے رہتا ہے۔ اور کبھی محویت کا یہ عالم ہو جاتا ہے۔ کہ اس کو دنیا و مافیہا کسی چیز کی خبر نہیں ہوتی۔ ان باتوں کے مفقود ہونے سے دم بدم نیند کا غلبہ ہوتا گیا۔ اور بالآخر میں ایک بار ہی بے خبر ہو گئی ؛

سوتے سوتے ایک بار ہی مثل اس کے کہ کوئی شخص الہام کرتا ہے۔ میں اپنی جگہ سے اُٹھ بیٹھی اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ اس شب تار میں بجز اس کے اور کچھ نظر نہ آیا۔ کہ دو شخص ہمارے خیمے کے گرد پھر رہے ہیں۔ اور آہستہ آہستہ میرے نزدیک آتے ہیں۔ معاً مجھے خیال گزرا۔ کہ ہو نہ ہو یہ دونوں اس گروہ کے ہیں۔ جو اپنے غیر مذہب والے انسان کو قتل کرنا کار ثواب سمجھتے ہیں۔ یہ ہمارے اس مقام پر شب باش ہونے کی اطلاع پا کر آ گئے ہیں۔ تاکہ غفلت میں سب کو قتل کر ڈالیں۔ اس خیال نے میرے

قلب کو کچھ ایسا مرعوب کیا۔ کہ مثل مُردوں کے ہوگئی۔ اور ذرا حرکت و قیام کی قوت نہ رہی۔ اس درمیان میں ڈیل کلبلا کر یکایک رونے لگا۔ شوہر اور داماد نے بیدار ہو کر مجھے پکارا۔ اور اس کی حالت کی طرف متوجہ کیا۔ ان کی آواز سے ذرا مجھے ڈھارس ہوئی۔ اور دل قابو میں آیا۔ پہلے تو ڈیل کو بہ شفقت تھپتھپایا۔ پھر اپنی جگہ سے اُٹھی۔ اور سارا واقعہ شوہر داماد سے بیان کیا۔ ان دونوں نے حسب عادت میرا مذاق اُڑانا شروع کیا۔ اور جنون کی طرف نسبت دی۔ جس پر مجھے ملال تو بہت ہوا۔ مگر خاموش ہوگئی +

الاؤ میں جو باہر آگ جل رہی تھی۔ وہ اتفاق سے بجھ گئی۔ میں نے تھوڑا سا گھاس پھونس اس میں ڈال کر پھونکنا شروع کیا۔ جب آگ کے شعلے بلند ہوئے۔ اور روشنی پھیلی۔ تو میں نے دیکھا۔ کہ وہی دونوں ہندوستانی جو ہمارے ساتھ تھے۔ اور الاؤ کے قریب چپ پڑے ہوئے تھے۔ اس وقت ہماری پاسبانی کے لئے کھڑے تھے۔ جس میں در پردہ ان کا مطالبہ یہ تھا۔ کہ جس وقت ہم کو غافل پائیں۔ جو ہاتھ لگے لے کر چمپت ہوں۔ ان دونوں کے تیوروں سے ہم سب کو اس کا یقین ہوگیا تھا۔ کہ یہ یا تو اُسی طائفہ باغی سے ہیں۔ کہ عمداً ہم کو اسی مقام پر قتل کرنے کے لئے لائے ہیں۔ یا چور ہیں۔ کہ ہمارے نقد و جواہر کا پتہ لگا کر پیچھے ہوئے ہیں۔ اور اسی غرض سے انہوں نے کشتی کو آبادی سے دور کنارہ پر توڑ دیا ہے۔ تاکہ ہم جب سو جائیں۔ تو سارا مال لے کر چمپت ہوں۔ خدا کی مہربانی شامل حال تھی۔ کہ میرا ڈیل عین وقت پر بیدار ہوگیا۔ اور دونوں اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ جب انہوں نے دیکھا۔ کہ ہم سب بیدار ہوگئے۔ تو ایک بار ہی بھاگ کھڑے ہوئے

خیال کرو۔ کہ اس واقعہ کے بعد میں کیا خاک سو سکتی تھی۔ تمام رات آنکھوں میں نکل گئی۔ یہاں تک کہ صبح کا تارہ چمکا۔ میں اور شوہر خیمے سے نکل کر الاؤ پر آکر بیٹھے۔ اور چلنے کی بابت مشورہ کرنے لگے۔ ولیم چونکہ ہندوستان کے راستوں سے خوب واقف تھا کہنے لگا۔ ولیم۔ ابھی ہم نے کانپور کا نصف راستہ بھی طے نہیں کیا۔ اب میری رائے میں شاہ راہ پر ہو لینا چاہئے۔ کیونکہ یہ بڑی سڑک ابھی باغیوں کے قبضے میں نہیں۔ ممکن ہے۔ ہم لوگ باطمینان گزر سکیں +

ہیں۔ افسوس ہے۔ کہ ہم جمنا کے داہنے کنارے پر کیوں نہ مقیم ہوئے۔ وہاں آبادی

بھی کم تھی۔ اور راہگیروں کی آمد ورفت کا بھی خوف کم تھا۔

شوہر کہا ہم یہاں اپنے اختیار سے آئے ہیں۔ جو افسوس کریں۔ یا دغا باز ملاحوں نے کشتی کو شکستہ کر کے اس طرف لا ڈالا تاکہ ہمیں قتل کر کے سارا مال واسباب اس بڑی سڑک سے لے کر چل دیں۔

میں۔ ولیم تو کیا یہ بڑی سڑک بالکل محفوظ ہے؟

ولیم۔ یہ تو ناممکن ہے۔ کہ ہندوستان کی کوئی راہ آج کل بالکل محفوظ ہو۔ مگر ہاں میرا خیال یہ ہے۔ کہ چونکہ یہ شاہ راہ ہے۔ شاید باغی اس خیال سے ادھر زیادہ نہ آتے ہوں۔ کہ کسی انگریزی پلٹن کا مقابلہ ہو جائے۔

میں۔ پھر کیا کرنا چاہئے۔ اگر خدانخواستہ باغی کہیں مل گئے۔ تو کبھی ہرگز زندہ نہ چھوڑینگے

ولیم۔ پھر یہ خطرہ تو ہر وقت ہی لگا ہوا ہے۔

میں۔ ولیم تمہیں کچھ یہ بھی معلوم ہے۔ کہ یہ کون لوگ ہیں۔ جو دوسرے مذہب والوں کا قتل ثواب سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ کیا کرتے ہیں؟

ولیم۔ سنا گیا ہے۔ ان کا گروہ سات آدمیوں کا ہوتا ہے۔ ان باتوں کا کام ان کے دینی پیشوا کے حکم کے مطابق جداگانہ ہوتا ہے۔ ان میں ایک تو مرشد اور رئیس کہلاتا ہے۔ باقی اس کے ماتحت۔ رئیس اپنے مقام پر بیٹھا تدابیر سوچتا ہے۔ اور ماتحت شکار کی جستجو میں ادھر ادھر پھرا کرتے ہیں۔ اور جس طرح ممکن ہوتا ہے۔ لوگوں کو دام فریب میں پھانس کر لاتے ہیں۔ ان میں ایک شخص سادھو ہوتا ہے۔ جو کسی نفس کی ہلاکت پر دیوتا (کالی) کی تعریف میں ایک مخصوص منتر پڑھتا ہے۔ دو آدمی اس لئے ہوتے ہیں۔ کہ ایک گڑھا کھود کر تیار رکھیں۔ جس کے اندر مقتولوں کی لاشوں کو چھپا دیا جائے۔ دو آدمی قتل کرنے کرنے والے یا گلا گھوٹنے والے ہوتے ہیں۔

میں۔ خدا کی پناہ کیسے سخت دل لوگ ہیں۔ ان پر ہو خدا کی مار۔ ذرا رحم نہیں کھاتے۔ اچھا پھر کیا کرتے ہیں؟

ولیم۔ مار ڈالنے کے بعد اس صورت سے گڑھے میں لٹاتے ہیں۔ کہ اولاً ایک آدمی کو سیدھا لٹایا۔ پھر دوسرے کو شکم کی طرف سے اس پر رکھا۔ مگر اس طرح۔ کہ جس طرف پہلے

کا سر رکھا ہو۔ دوسرے کے پیر ہوں۔ اور جس طرف پہلے کے پیر ہوں۔ اس طرف دوسرے کا سر ہو۔ اسی طرح جتنے مقتول ہوں سب کو تلے اوپر رکھتے چلے جاتے ہیں۔ بعد کو مٹی ڈال کر گڑھا بند کر دیتے ہیں +

میں۔ یا اللہ کسی کو ان موذیوں کے قبضے میں نہ ڈالنا۔ ہئے ہئے زندگی تو جاتی ہی ہے۔ گور گڑھا بھی ٹھیک نہیں ہوتا۔ ولیم اگر خدانخواستہ یہ لوگ کہیں راہ میں مل گئے۔ تو کیا ہوگا۔ اُف صورت دیکھتے ہی میرا دم نکل جائے گا۔ نا بھائی چاہے کچھ ہو۔ میں ہرگز خشکی کے راستے سے نہ جاؤں گی +

ولیم۔ گھبرائیے نہیں۔ میں ان لوگوں کا طریقہ خوب جانتا ہوں۔ یہ کبھی ظاہر بظاہر نہیں لڑتے۔ ہمیشہ مکر و حیلہ سے پھانسی ڈال کر ہلاک کرتے ہیں +

یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی۔ کہ ایک مرتبہ ہی سوکھی گھاس اور خشک لکڑیوں پر کسی کے چلنے کی آہٹ معلوم ہوئی۔ میں سمجھی۔ کہ وہی ستم پیشہ آ گئے۔ خوف سے سارا بدن تھر تھر کانپنے لگا۔ میرے شوہر اور ولیم نے فوراً اپنی بندوقوں کو اٹھا لیا۔ اور آواز کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو گئے۔ ناگاہ اس طرف کے درختوں میں سے ایک بارہ سنگھا نکل کر سامنے آیا۔ مگر جون ہی اس نے دور سے ہمارے الاؤ میں آگ روشن دیکھی پریشان ہو کر ایسا بھاگا۔ کہ پتہ ہی نہ چلا۔ میرے شوہر نے کہا قرینے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ اپنی مادہ کی تلاش میں ہے۔ جس طرح ہم باغیوں کے ہاتھوں سے پریشان ہو کر بھاگے ہیں۔ اسی طرح یہ بے چارہ جانور بھی شیر کے خوف سے متوحش معلوم ہوتا ہے +

غرضکہ صبح ہو گئی۔ اور ابھی تک یہ رائے قائم نہ ہوئی۔ کہ ہم کو کس راہ سے چلنا چاہیے۔ ولیم کی تو رائے یہی تھی۔ کہ بڑی سڑک سے چلنا چاہیے۔ شاید نصیبہ برسر یاری ہو۔ اور آگرہ چھاؤنی جانے والی فوج سے مڈبھیڑ ہو جائے۔ اس کا عقیدہ نہ تھا۔ کہ اطراف الہ آباد میں بہ نسبت دہلی اور میرٹھ کے امن ہو گا +

میں۔ ولیم تم کو یہ کیوں کر معلوم ہو گا۔ کہ وہاں امن ہے۔ یا نہیں۔ اگر آگرہ کی طرح وہاں پہنچ کر بھی یہی فتنہ و فساد نظر آیا۔ تو کیا کرو گے؟

ولیم۔ یہ پتہ چلانا کچھ دشوار امر نہیں۔ راستے میں کسی ہندوستانی کو کچھ دے دلا کر معلوم کر لیں

گے۔ بلکہ اسی کے ذریعے سے کھانا۔ لباس اور سواری وغیرہ بھی منگالیں گے +
شوہر۔ میری رائے اس کے خلاف ہے۔ مجھے ہندوستانی پر بھروسہ نہیں۔ ہمارے حق میں یہی بہتر معلوم ہوتا ہے۔ کہ عام راستے کو چھوڑ کر کسی غیر معروف راہ کو اختیار کریں۔ اور کسی ہندوستانی سے اپنا بھید نہ کہیں۔ الہ آباد جانے سے تو سندھ کی طرف چلنا بہتر ہے۔ کیونکہ وہاں بہت سے انگریز کاشتکار اور تاجر لوگ میرے جان پہچان کیا۔ بلکہ سچے دوست ہیں۔ بے شبہ اگر ہم وہاں پہنچ گئے۔ تو وہ نہایت خندہ پیشانی سے ہمارا خیر مقدم ادا کر کے اپنے گھروں میں پناہ دیں گے +

مجھے اپنے شوہر کے مزاج میں ایک خاص طرح کا دخل تھا۔ مگر نہ اس طرح کا جیسا فرانس کی عورتیں عموماً اپنا تسلط اپنے شوہروں پر رکھتی ہیں۔ جب سے میری شادی اس کے ساتھ ہوئی تھی۔ ہم برابر یکجہتی اور یک دلی کے ساتھ ایک دوسرے کے شادی وغم میں شریک رہے۔ اور میں نے آج تک کبھی اس کے مال و اسباب یا آبرو میں خیانت نہیں کی۔ اور ہمیشہ طریقۂ عصمت و وفاداری کو ملحوظ رکھا۔ اسی وجہ سے اس کو میری عقل ورائے اور صداقت و محبت پر پورا پورا بھروسہ تھا۔ چنانچہ اس وقت بھی جبکہ داماد اور شوہر کی رائے میں اختلاف واقع ہوا۔ اس نے میری رائے طلب کی۔ میں نے تھوڑی دیر تک تو اس معاملے میں غور کیا۔ پھر خدا سے مدد مانگ کر اور اس پر بھروسہ کر کے کہا +
میں۔ میرے نزدیک سب سے بہتر راستہ جمنا کے کنارے ہے +

اس رائے کو دونوں نے پسند کیا۔ اور صبح ہی کوچ کرنے کی ٹھہر گئی۔ افسوس کونسی وہ منحوس گھڑی تھی۔ کونسی وہ بدساعت تھی۔ جب یہ الفاظ میرے منہ سے نکلے تھے۔ کاش میں اس رائے زنی سے قبل ہی دنیا سے اُٹھ جاتی۔ تاکہ اپنے کنبے کی تباہی و بربادی کا خوفناک منظر میری آنکھوں کے سامنے نہ آتا۔ میں بہتری اور خوش حالی کی متوالی اس سے بالکل بے خبر تھی۔ کہ قلم قضا و قدر ہماری مرضی کے مطابق جاری نہیں ہوا + شوہر اور داماد کی رائیں تو مسترد ہو گئیں۔ اور میری وہ رائے جس کی گردن پر آئندہ کی تمام بدحالی کا بار ہے۔ پاس ہو گئی +

اگر ہم وہ راہ اختیار کرتے۔ جو شوہر نے تجویز کیا تھا۔ تو بہت ممکن تھا۔ کہ صحیح سالم

نکل جاتے۔ اور کسی خطرے سے دوچار ہونے کی نوبت نہ آتی لیکن ایسا ہوتا کیونکر؟ میری تقدیر میں تو یہ لکھا تھا۔ کہ اپنی تمام عمر کانٹوں میں تڑپ کر انگاروں میں لوٹ کر گنواؤں حسرت زدہ اس دل سے پہروں ٹھنڈے سانس منہ سے نکالوں۔ اور تا زیست اپنی اس حماقت پر ملامت کئے جاؤں۔ اگر میں کم بخت یہ ناصواب رائے نہ دیتی۔ تو آج اس روز بد کا منہ ہی کیوں دیکھتی؟

ماہ مئی کی ۲۸-۲۹ تاریخ ہوگئی۔ اور ہم بے کسوں کو اب تک چین نہیں۔ یوں مجھے اپنی غم انگیز کہانی کا ایک ایک حصہ برسوں رُلانے کے لئے کافی ہے۔ مگر ان تاریخوں میں تو وہ کاری چوٹیں دل پر لگی ہیں۔ وہ گہرے نشتر کلیجے میں چبھے ہیں۔ کہ اگر تا قیامت زندہ رہوں گی۔ تب بھی ان دو منحوس تاریخوں کو نہ بھولوں گی *

بالجملہ صبح ہوتے ہی ہم لوگ چل پڑے۔ تھوڑی دور ہی گئے ہوں گے۔ کہ راستہ بھول گئے۔ دو۔ گھنٹے تک متواتر ادھر اُدھر ٹکراتے رہے۔ نہ ساتھ کوئی رہبر نہ خود راہ سے واقف۔ کبھی گڑھے میں پاؤں جا پڑا۔ کہیں کیچڑ میں پھنس گئے۔ کبھی جھاڑیوں سے دامن اُلجھے۔ کبھی کانٹوں سے پاؤں لہولہان ہوتے۔ کچھ دیر کسی جنگل میں گھومے کچھ دیر کسی میدان میں مچھروں نے اس قدر کاٹا۔ کہ چہروں پر ورم آگیا۔ میدانوں کی دھوپ نے وہ تیزیاں دکھائیں۔ کہ ہوش باختہ ہو گئے۔ ایک آفت ہو۔ تو کوئی اس کو جھیل بھی لے۔ یہاں تو ایک جان اور ہزار جنجال کا مصداق تھا۔ ادھر تو دھوپ کی تیزی۔ پھر ہوا کی تندی۔ لو کی لپٹیں اور زمین کا پھکنا۔ خدایا تیری پناہ۔ کاہے کو آج تک ان روح فرسا اور جاں شکن مصائب کا سامنا ہوا تھا۔ بلا مبالغہ کہتی ہوں۔ کہ زمین سے ایسی شعلہ انگیزی ہو رہی تھی۔ گویا ایک تنور تھا۔ کہ اس کے اندر اگر لوہا ڈال دیا جاتا۔ تو فوراً پگھل جاتا + اس وقت میں جو بے چینی مجھے اور میرے کنبے کو بالخصوص میرے چھوٹے بچے ولی کو تھی۔ اس کو بس میں خوب جانتی ہوں۔ بمشکل تمام ہم ایک ایسے جنگل میں داخل ہوئے جہاں سے کئی پگڈنڈیاں مختلف مقامات پر گئی تھیں۔ داہنی جانب کو ایک وسیع صحرا میں جانے کا راستہ تھا۔ اور بائیں جانب جدھر جمنا کا کنارہ چلا گیا تھا۔ خستگی ہم پر بہت زیادہ اثر کئے ہوئے تھی۔ بالخصوص شوہر اور داماد پر جو صبح سے برابر سامان کی گٹھریاں سر اور

پشت پر لادے چلے آتے تھے۔ اس لئے اب چلنے سے عاری ہو گئے۔ اور ایک قدم
آگے بڑھانے کی طاقت نہ رہی۔ میں اور ایلین باری باری ویل کو گود میں لیتے تھے۔ بچہ
ہوا گرمی اور دھوپ کی تیزی سے پیاسا ہوا۔ دریا کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے مم مم کی
صدا بلند کرتا تھا۔ اس کی اس بے چینی نے مجھے بے قرار تو بہت کیا۔ مگر تپ مہلک عارض
ہونے کے خوف سے میرے دل کو یہ گوارا نہ ہوا۔ کہ جمنا کے میلے پانی سے اُسے
سیراب کر دوں۔ اس کے بلکنے سے چھاتی پھٹی جاتی تھی۔ کلیجہ منہ کو آتا تھا۔ مگر مجھے کسی
طرح جرات نہ ہوتی تھی۔ افسوس اس بات کا ہے۔ کہ بکثرت ناریل درختوں میں لگے
ہوئے تھے۔ مگر ہم میں سے کسی کا ہاتھ وہاں تک پہنچا ہی نہیں۔ اگر کسی صورت سے ایک
پھل بھی ہاتھ آجاتا۔ تو میں اس کے عرق سے ویل کی پیاس بجھا دیتی۔ مجھے یہ اندیشہ اور
بھی کھائے جاتا تھا۔ کہ اگر اسی طرح ہم کو تمام دن چلنا پڑ گیا۔ اور کسی جگہ قیام کے لئے
مناسب جگہ نہ ملی۔ تو میرا پلا پلایا بچہ تڑپ کر ہی مر جائے گا۔

عالم اضطراب و پریشانی میں مجھے ایک تصویر کا خیال آگیا۔ جو ہمارے ملاقات
کے کمرے میں لٹکی رہا کرتی تھی۔ اس کو فرانس کے ایک بڑے ماہر فن نقاش نے بنایا
تھا جس میں ایک انگریز کاشتکار اور اس کے اہل و عیال کی خانہ بربادی اور تباہ حالی کو
دکھایا گیا تھا۔ یعنی جس وقت وہ غمگین اور آفت زدہ کنبہ افلاس کی سختی سے ترک وطن کر کے
کسی دوسرے ملک کو جانے لگا۔ تو یہ حالت تھی۔ کہ باپ سر جھکائے محزون و مغموم آنکھوں
میں آنسو بھرے آگے آگے تھا۔ ماں جگر سوختہ عسرت زدہ باحال پریشان شیر خوار
بچے کو گود میں لئے پیچھے پیچھے ماں کے عقب میں ایک چودہ پندرہ سالہ لڑکی بوسیدہ لباس
پہنے۔ اس کے پیچھے دس بارہ سال کا ایک لڑکا اثاث البیت کی گاڑی کھینچتا ہوا جب
وقت میں اس پردہ تصویر کو دیکھا کرتی تھی۔ ایک حزن و ملال کی سی کیفیت مجھ پر طاری
ہوتی تھی۔ مجھے اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ کہ میری حالت بھی ایک دن ایسی ہی ہو گی۔
اور یہ نقل میرے لئے اصل ہو جائے گی۔

جب چلتے چلتے ہم لوگ تھک گئے۔ تو تھوڑی دیر ستانے کو ایک انجیر کے
درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ اور تھوڑے سے پکے پکے پھل توڑ کر کھائے۔ ولیم نے

جیسا کہ نامزد دامادوں کا قاعدہ ہے۔ کہ عروس کے عزیز و اقارب کی خدمت سے خوش ہوتے ہیں۔ زمین کو ہمارے لئے جھاڑنا شروع کیا۔ اور تمام گھاس پات جمع کر کے آگ لگا دی۔ کہ حشرات الارض اور دوسرے گزندہ جانور اس قطعہ سے دور ہو جائیں۔ خاص کر بچھو جو نہایت موذی جانور ہے + گھاس جل جانے کے بعد اس نے درخت کی پتلی پتلی شاخوں سے اس راکھ کو سمیٹ کر ایک جگہ کر دیا۔ اور درختوں کے چوڑے چوڑے پتے لاکر تمام زمین پر فرش کی طرح بچھا دیئے۔ اور بکمال ادب محبہ سے اور ایلین سے اس لبادۂ درویشی پر بیٹھنے کی درخواست کی + میرا شوہر بندوق کندھے پر رکھے شکار کی جستجو میں ایک سمت کو چلا گیا۔ تھوڑی دور ایک شیریں چشمہ تھا۔ جہاں پرندے بکثرت پانی پی رہے تھے۔ ان میں سے چند چڑیاں شکار کر کے معہ جنگلی پھلوں کے واپس آیا۔ اور ہمارے سامنے لاکر رکھ دیا۔ اس مقام پر ہم لوگوں کو کچھ تھوڑا سا آرام ضرور ملا۔ کھانا بھی شکم سیر ہو کر کھایا۔ پانی بھی ٹھنڈا اور میٹھا پیا۔ گھڑی بھر کو سو بھی گئے تین بجے کے قریب پھر چلنے کی فکر ہوئی۔ مگر یہ سوچتے تھے کدھر کو جائیں۔ اگر اس صحرا میں سے گزریں۔ تو یہ کوسوں لمبا ہے۔ ہم میں اتنی طاقت کہاں ہمارے لئے دو ہی راستے تھے۔ یا تو جمنا کے کنارے کنارے یا اس صحرا کے درمیان۔ میں نے کہا۔ چاہے کسی راستے پر چلو مگر شب باشی جنگل میں نہ ہونی چاہئے۔ ہندوستان و انگلستان کے حکماء شعرا نے اکثر مقام پر اپنے کلام میں ۔۔۔ ظاہر کر دیا ہے۔ کہ "جنگل میں زندگانی پر خطر ہے۔ اور وہاں رات ۔۔۔ ضرر"

بہت سی فکر کے بعد آخر الامر اسی جنگل کی راہ سے جانا قرار پایا۔ درندے اور ایذا ۔۔۔ جانور ہندوستان کے جنگلوں میں بے شمار ہیں۔ قسم قسم کے زہریلے ناگ۔ کالے چتلے موٹے۔ پتلے۔ شیر۔ ریچھ۔ گینڈے۔ سور۔ ہاتھی۔ گیدڑ۔ بندر وغیرہ وغیرہ ان کے علاوہ مچھر۔ پسو۔ زہریلی مکھیاں جو آدمی کی جانی دشمن ہیں۔ بکثرت پائی جاتی ہیں۔ پھر زمینوں کی ناہمواری۔ کہیں کھائی کہیں خندق۔ کہیں پشتہ کہیں ٹیلہ۔ کہیں کھائیوں اور نالوں میں اس قدر کثیف اور گندہ پانی جمع رہتا ہے۔ کہ آس پاس کی ہوا زہریلی اور متعفن ہو جاتی ہے گڑھوں کے کناروں پر چونکہ اکثر بیل دار گھاس ۔۔۔ ہے۔ اور وہ ان کے منہ پر چھا جاتی ہے۔ لہذا ایک ناواقف راہ گیر اوندھے منہ ان ۔۔۔ رہتا ہے۔ اور غریب کی ہڈیاں پسلیاں

ٹوٹ جاتی ہیں۔ اسی خوف میں ہماری یہ کوشش تھی۔ کہ جس طرح بنے دن ہی دن میں اس جنگل سے باہر ہو کر کسی گاؤں میں قیام پذیر ہوں۔ یا اگر آبادی میں پہنچنا ممکن نہ ہو۔ تو کسی کھلے میدان میں درخت کے نیچے ڈیرے ڈال کر رات بسر کریں ؂

وہ راستہ تو کچھ ایسا زیادہ طولانی نہ تھا۔ مگر ہمارا وہم اس کو کوسوں دور پھیلا ہوا سمجھ رہا تھا۔ ہر وقت یہی خوف تھا۔ کہ نہ معلوم دن کی روشنی میں اس سے باہر ہو بھی جائیں گے۔ یا نہیں ایک گھنٹہ زیادہ سے زیادہ ہم چلے ہوں گے۔ کہ جنگل کا سلسلہ کم ہونا شروع ہو گیا۔ ایک بلند ٹیلے پر پہنچکر ہم نے دیکھا۔ کہ دور تک ایک وسیع سلسلہ میدان چلا جاتا ہے۔ جس میں جا بجا سبزہ لہلہاتا ہے۔ ہرے بھرے کھیت نظر آتے ہیں۔ جن کے قرب و جوار میں کچھ آبادی سی بھی معلوم ہوتی۔ اس منظر نے ہم کو بہت فرحت بخشی۔ جیسا میدان دل ڈھونڈھتا تھا۔ ویسا ہی ملا۔ اس کے بیچوں بیچ میں ہوتی ہوئی۔ ایک بڑی سڑک میدان کے آخری کنارہ تک چلی گئی تھی۔ جس سے پتہ چلتا تھا۔ کہ کوئی بڑی بستی یہاں آباد ہے۔ مسجدوں کے مینار اور مندروں کے گنبد بھی نظر آرہے تھے ؂

میں۔ ولیم! یہ سڑک کس بستی کو گئی ہے؟

ولیم۔ یہ شہر اناؤ ہے ؂

میں۔ بھلا اب یہاں سے کانپور کتنی دور ہے؟

ولیم۔ اوہ! کانپور اور اناؤ تو ملے ہی ہوئے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ بارہ تیرہ میل ہوگا۔

شوہر۔ چلو بس اس میدان کو طے کر کے آبادی میں داخل ہو جائیں۔ اور شہر کے کنارہ ہی پر کسی ہندو یا مسلمان کے گھر میں کچھ دن بسر کریں۔ گو ہندوستانیوں کا ہمارے ساتھ خلق و مدارات سے پیش آنا محال معلوم ہوتا ہے۔ لیکن قسمت آزمائی ضرور ہے۔ کیا بعید ہے۔ کہ کوئی خدا کا بندہ کچھ انسانیت کو کام میں لے آئے۔ اور مہمان نوازی و غریب پروری کو روا رکھے۔ اس کے سوا اس پر آشوب زمانے میں بچنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ جہاں تک میرا خیال ہے۔ اس طرف فتنہ کے آثار بہت کم پائے جاتے ہیں۔ اور یہ مقام پرخوف نہیں معلوم ہوتا۔ دیکھو ولیم! د[illegible]ب پرائیوٹ مال تجارت سے لدے ہوئے جا رہے ہیں۔ اس طرف دیکھو۔ ہاتھی کس اطمینان سے راستہ طے کر رہے ہیں۔

یہ سامنے بیل گاڑیاں بھی نہایت بے فکری سے جا رہی ہیں۔ داہنی طرف دیکھو۔ وہ چند سوار کیسے آہستہ آہستہ گھوڑوں پر چلے آ رہے ہیں۔ ان سب سے پتہ چلتا ہے۔ کہ یہاں ہر طرح امن و امان ہے؛

غرضکہ ہم لوگ شوہر کی رائے کے موافق وہاں سے چلے اور قریب آبادی کے پہنچے۔ میرے شوہر نے پھر وہی اپنی چرخی چلانی شروع کی۔ کہ دیکھو یہ پالکیاں اور محملیں کہار کیسے اپنے کندھوں پر لئے خوشی خوشی جا رہے ہیں۔ وہ دیکھو ہندو مسلمان فقیر کیسے اطمینان سے بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔ کسان وہ سامنے والے کھیت میں ہل چلا رہا ہے۔ یہ دیکھو کنوئیں سے ہندوستانی عورتیں پانی بھر بھر کر کیسی خراماں جا رہی ہیں۔ دیہاتیوں کے بچے بھی راستے میں خوشی سے کھیل رہے ہیں۔ کیوں ولیم کیا یہ سب باتیں سلطنت کے امن کی علامت اور رعایا کی آسودگی کا نشان نہیں ہیں؟

ایک مدت ہوگئی تھی۔ کہ میں نے اپنے شوہر بے چارہ سے اس قسم کی باتیں نہ سنی تھیں۔ کیونکہ وہ ہمارے ساتھ رہنے اور انگریزوں کے گروہ میں نہ ملنے سے بے حد ملول تھا۔ اب جب اس نے ہراس کا غلبہ ہمارے اوپر دیکھا۔ تو یہ کلمات ہمیں تسکین دینے کی غرض سے کہنے لگا۔ گویا اس کا مطلب یہ تھا۔ کہ ایام رنج و تعب انتہا کو پہنچ گئے۔ اور مصیبت کا زمانہ ختم ہوگیا۔ لیکن سچ بات تو یہ ہے۔ کہ اس کی تمام باتیں میرے کان کو ذرا بھی نہ لگیں۔ بلکہ جس قدر وہ اپنے خیال کی تائید میں زیادہ نظیریں پیش کرتا تھا۔ اسی قدر میں دل ہی دل میں گھٹی جاتی تھی۔ گویا میں نے لوح قسمت سے یہ پڑھ لیا تھا۔ کہ ہماری بدبختی اور مصیبت دم بدم زیادہ ہی ہوگی؛

نواں حادثہ

خدایا فلک نے ستایا ہمیں
نہ دیکھا تھا جو کچھ دکھایا ہمیں

ہم سے سو گز کے فاصلے پر ایک باغ کے درمیان سے دو راستے جاتے تھے۔ ایک گاؤں کی طرف اور دوسرا شارع عام کی جانب۔ میں اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ کہ کچھ

دور پر ایک سیاہی سی نظر آئی۔ بہت کچھ نظر جمائی۔ مگر صاف معلوم نہ ہوا۔ کبھی دل میں کہتی تھی کہ یہ بکریوں کا گلہ ہے۔ چرواہا ان کو بستی کی جانب لا رہا ہے۔ کبھی آتی تھی۔ ہو نہ ہو۔ یہاں گائیں بھینسیں چر رہی ہیں۔ پھر خیال ہوا نہیں۔ یہ تو کچھ سوار سے معلوم ہوتے ہیں۔ خدا جانے ہمارے موافق ہیں۔ یا مخالف۔ انہوں نے ہم کو دیکھ تو ضرور لیا ہوگا۔

شوہر۔ (مجھ سے مخاطب ہو کر) یہ اس طرف تم کیا برابر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی ہو؟

میں۔ دیکھو تو یہ سامنے کیا چیز نظر آتی ہے؟

شوہر۔ (پیشانی پر ہاتھ رکھ کر) ہاں کچھ ہے تو۔ مگر صاف سمجھ میں نہیں آتا۔

ولیم۔ کس طرف۔ میں بھی دیکھوں؟

میں۔ یہی سامنے دیکھو۔ وہ کیا سیاہی سی نظر آ رہی ہے۔ اگر خدا نخواستہ باغیوں کا گروہ ہمارے تعاقب میں آیا ہے۔ تو بڑی مصیبت آئی۔ یہاں تو کہیں بھاگنے کا توقع بھی نہیں۔

شوہر۔ تمہیں تو وہم ہو گیا ہے۔ اس خشکی دماغ کا خدا ہی حافظ ہے۔

ولیم۔ آیئے۔ وہاں چل کر دیکھ ہی کیوں نہ لیں۔ بہر حال یوں بھی مرنا ہے۔ یوں بھی۔ اگر دشمن ہیں۔ تو نہ یہاں سے بھاگ کر کہیں جا سکتے ہیں۔ نہ وہاں سے۔ اور اگر کوئی اور معاملہ ہے۔ تو دل کا وسوسہ ہی مٹ جائے گا۔ راستہ بھی تو ہمارا ادھر ہی سے ہے۔

ولیم کے قول کے موافق ہم اس طرف کو چل پڑے۔ جتنا ہم قریب ہوتے جاتے تھے۔ ہماری حیرت بڑھتی جاتی تھی۔ کیونکہ وہاں سے ایسی سخت بُو آ رہی تھی۔ کہ دماغ پریشان ہوتے جاتے تھے۔ آگے بڑھے تو وہی نقشہ نظر آیا۔ جو دہلی کے کوچوں میں انگریزوں کے قتل کے وقت دیکھا گیا تھا یعنی بہت سے ہمارے ہم وطن خاک پر گلا کٹائے خون میں نہائے پڑے تھے۔ قرینے سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ کل یا پرسوں یہاں ان کی باغیوں سے مڈبھیڑ ہو گئی ہوگی۔ یہ تقریباً بیس آدمیوں کی لاشیں ہوں گی۔ باغیوں نے اپنے مقتولوں کو یا تو گنگا میں بہا دیا تھا۔ یا زمین میں دفن کر دیا تھا۔ لیکن بے چارے انگریزوں کی لاشیں زمین پر پڑی ہوئی طعمۂ زاغ و زغن ہو رہی تھیں۔ وہ جماعت جو ہم کو دور سے معلوم ہوتی تھی۔ گوشت خور پرندے اور وحشی درندے تھے۔ جو ہمارے ہم وطنوں کی لاشوں کو پنجوں میں دبائے زہر مار کر رہے تھے۔ میرے

شوہر اور داماد نے یہ دیکھ کر اپنی بندوقیں سنبھالیں۔ اور فیر کرنا شروع کیا۔ بہت سے گدھ تو مر گئے اور گیدڑ خاک پر لوٹنے لگے۔ جب ہم ذرا اور آگے بڑھے۔ اور لاشوں کے بالکل نزدیک پہنچ گئے۔ تو دیکھا۔ کہ چند بدہیکل اور قوی الجثہ گدھ لاشوں پر ٹوٹے پڑے ہیں۔ اور اس قدر گوشت کھا چکے ہیں۔ کہ حرکت تک نہیں کر سکتے۔ ولیم اور میرا شوہر ان کو بندوقوں کی نالوں سے مار مار کر ہٹانے لگے۔ جب ہمارے جانے کا راستہ کھل گیا۔ تو میں ویل کو گود میں لئے۔ ایلین کا ہاتھ پکڑے ان کشتگان ظلم کے درمیان سے گزری۔ وفور غم سے کلیجہ پاش پاش۔ کثرت حزن سے آنکھیں نمناک تھیں سبحان اللہ میرے شوہر کے سخنان بشارت آمیز سے کیا اچھی مسرت حاصل ہوئی۔ کیا خوب امن وامان دیکھا۔ سو قدم بھی نہ گئے۔ کہ اس کے خیال کی تکذیب ہو گئی۔ قرینے سے معلوم ہوا۔ کہ اس نواح میں بدامنی روز بروز زیادہ ہو رہی ہے۔ برگشتہ نصیبی تو دیکھو۔ ابھی دہلی کے فرقہ باغی سے پوری طرح امان نہ ملی تھی۔ کہ قسمت نے الہ آباد اور اودھ کے ستم پیشوں کے ہاتھ میں گرفتار کر دیا ؛

خلاصہ یہ کہ دور سے ایک گاؤں کے آثار دکھائی دیئے۔ اس گاؤں کے چاروں طرف ایک کچا احاطہ تھا جس کے پیچھے ایک چوڑی اور گہری خندق باشندوں کی حفاظت کے لئے کھود دی گئی تھی + جو راستہ ہم اضطراراً طے کر رہے تھے۔ وہ اسی گاؤں کو جاتا تھا۔ اس کے اطراف وجوانب میں ہم نے ترکاریوں اور گنے وغیرہ کے کھیت زیادہ دیکھ کر یہ نتیجہ نکالا۔ کہ گاؤں بہت آباد ہے۔ لیکن بظاہر وہ آدمیوں سے خالی معلوم ہوتا تھا۔ چہار دیواری کے اندر چند درخت خرمے کے آپس میں ملے کھڑے تھے۔ میرے شوہر نے ان کی طرف دیکھ کر کہا ؛

شوہر۔ ان درختوں میں کوئی چیز لپٹی ہوئی جھنڈے کی مانند نظر آتی ہے۔ (مجھ سے مخاطب ہو کر) ذرا تم بھی دیکھنا ؛

میں۔ جی یہ انگریزوں کا اقبال مند جھنڈا ہے۔ جو آپ لوگوں کی رہنمائی کے لئے اس درخت پر نصب کر دیا گیا ہے ؛

شوہر (جھنجھلا کر) بعض وقت تمہاری گفتگو نہایت جگر خراش ہوتی ہے۔ اگر انگریزی

جھنڈا ابھی ہو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ابھی یہ بات پوری طرح ادا بھی نہ ہوئی تھی۔ کہ وہ چیز جو خوب صورت جھنڈے کی شکل معلوم ہوتی تھی۔ ایک جاندار کے مانند دفعتاً بالائے درخت سے زمین پر آپڑی۔ ہم کو سخت حیرت تھی۔ کہ یہ کیا چیز ہے؟ آیا کوئی انسان ہے یا بندر ہے۔ دور سے دونوں کا قیاس ہو سکتا ہے۔ لیکن جس پھرتی سے اس نے گرایا تھا۔ اس سے بہ نسبت انسان کے بندر ہونے کا زیادہ احتمال ہوتا تھا۔ کچھ غور و تامل کے بعد میرے شوہر نے کہا:

شوہر۔ خدا خیر کرے۔ کچھ آثار اچھے نہیں معلوم ہوتے۔ ہو نہ ہو یہ دیدبان تھا۔ جس کو گاؤں والوں نے چاروں طرف کا حال معلوم کرنے کے لئے بٹھا دیا تھا۔ دیکھ لو جوں ہی اس نے ہم کو دور سے آتا دیکھا۔ فوراً کود گیا۔ اب کوئی دم میں دیکھ لینا۔ لوگ ہماری طرف چلے آتے ہوں گے۔

حقیقتاً یہ خیال میرے شوہر کا ٹھیک تھا۔ چند ہی منٹ بعد ایک سرخ پوش سواروں کا گروہ ہمیں اپنی طرف آتا معلوم ہوا۔ میں نے شوہر سے کہا۔ کیا بعید ہے اگر یہ لوگ انگریز ہوں۔ کیونکہ یہ وردی تو خاص انگریزوں کی ہی ہے۔

شوہر۔ کیا باغی لوگ ایسا لباس نہیں پہن سکتے؟

میں۔ میں یہ کب کہتی ہوں۔ کہ نہیں پہن سکتے۔ مگر کبھی پہنے دیکھا نہیں۔

شوہر۔ تم بے چاری جانے کیا دیکھتیں۔ چاہے کسی بات کا پتہ ہو۔ یا نہ ہو۔ رائے زنی کرنا ضرور ہے۔

میں کئی روز سے اپنے شوہر کے عادات و خصائل کو بدلا ہوا پا رہی تھی۔ جو کچھ میں کہتی تھی۔ وہ عمداً اس کے خلاف کرتا تھا۔ اور میری رفتار۔ گفتار اور کردار سے بہت زیادہ ضد رکھنے لگا تھا۔ گویا اُسے مجھ سے کوئی خاص عداوت تھی۔ اس کی وجہ فقط میرے ذہن میں یہ آتی ہے۔ کہ چونکہ اس نے مجھ کو ہمیشہ آرام پہنچایا تھا۔ اور ہر طرح سے دل ہاتھوں میں لیا تھا۔ اب وہ میرے اوپر قسم قسم کی سختیاں دیکھ رہا ہے۔ اور ایسا بے بس ہے۔ کہ کچھ کر نہیں سکتا۔ اس شرمندگی میں بات بات پر جھنجھلاتا ہے۔ اور خجالت سے عرق عرق ہوا جاتا ہے۔ یہی وجہ تھی۔ کہ وہ ہم سے علیحدہ علیحدہ چلتا تھا۔ اکیلا بیٹھتا تھا۔

ہمارے کسی سوال کا جواب نہ دیتا تھا۔ اور اگر دیتا بھی تھا۔ تو سخت لہجے میں۔ ہائے کیا یہ وہی میرا باوفا بیس برس کا شوہر تھا؟ کیا یہ وہی میرا عاشق زار۔ اور دلدار تھا؟ اگر قسمت چند روز ہم کو اور اسی طرح زندگی بسر کرنے کا موقع دیتی۔ تو شاید میری طبیعت اور حالت اس سے بھی بدتر ہو جاتی۔ کیونکہ جس طرح بیماری ضعف اجسام کا باعث ہے اسی طرح نکبت و بدبختی پریشان خاطر اور انکسار قلب کا موجب ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ انسان تنگ دستی میں زیادہ چرچڑا بدمزاج اور بے مروت بن جاتا ہے + مختصر یہ ہے کہ ولیم نے میرے خیال کی تائید کرتے ہوئے کہا:

ولیم۔ اماں! بجان ٹھیک کہتی ہیں۔ یہ سامنے سے آنے والے انگریز ہیں۔ نہ اہل بغاوت یہ کہہ کر اس نے اپنا کوٹ اتار بندوق کی نال پر بطور جھنڈی کے لگا دیا۔ اور باآواز بلند کہا:۔

"خدا انگریزوں کو سلامت رکھے"۔
"خدا انگریزی حکومت قایم رکھے"!

فوراً آٹھ سوار بجلی کی طرح اپنے گھوڑوں کو اُڑاتے ہوئے۔ ہماری طرف آئے۔ اور بیس قدم کے فاصلے پر کھڑے ہو کر بندوقیں ہماری طرف چھتیا دیں۔ قریب تھا۔ کہ وہ باڑ ماریں۔ کہ ایک بوڑھے سردار نے ذرا سا آگے بڑھ کر بنگالی زبان میں ہم سے پوچھا:

سردار۔ تم لوگ کون ہو؟ اور کیا چاہتے ہو؟
ولیم۔ (آگے بڑھ کر) مجھے سخت افسوس ہے۔ کہ کپتان مارٹن اپنے دوست۔ شاگرد۔ اور بیٹے کو نہیں پہچانتا:

یہ سنتے ہی وہ پیر مرد گھوڑے سے اتر پڑا۔ اور ہاتھ کھولے ولیم کی طرف دوڑا +

میں ان کی ملاقات کو تفصیل سے نہیں لکھتی۔ ہر شخص جانتا ہے۔ کہ ایسے موقع پر کیا حالت ہوتی ہے:

کپتان مارٹن جو ایک جنگ آزمودہ اور کاردیدہ انگریزی سردار تھا۔ اور برسوں

سے ہندوستان میں کپتانی کی خدمت انجام دے رہا تھا۔ میرے داماد کا مربی محسن اور منہ بولا باپ اور شرعی سرپرست تھا۔ کیونکہ ولیم کا باپ اس کے بچپن ہی میں مرگیا تھا۔ ماں بھی نہ تھی۔ اسی کپتان نے باپ کی دوستی کا یہ حق ادا کیا۔ کہ یتیم ولیم کو اپنی سرپرستی میں لے لیا۔ اور پرورش و تربیت کر کے حد بلوغ تک پہنچا دیا جس فوج میں خود ملازم تھا۔ اسی میں ملازم کرا کے نیابت کا عہدہ بھی دلوا دیا۔ ہم نے ولیم سے اس کا نام تو سیکڑوں مرتبہ سنا تھا۔ لیکن دیکھا نہیں تھا۔ جشن زفاف میں ہمارے گھر جہاں اور بہت سے انگریز مہمان تھے۔ یہ بھی تھا۔ لیکن باغیوں کی شورش سے ملاقات کا موقع نہ ملا۔ اور کپتان فوراً واپس چلا گیا تھا۔

غرض کہ ولیم نے معانقہ سے فارغ ہو کر ہم میں سے ہر ایک سے جان پہچان کرائی۔ وہ ہم سب کو لئے ہوئے گاؤں کی طرف کو روانہ ہوا۔

کپتان مذکور کے وہاں مقیم ہونے کا واقعہ یہ معلوم ہوا۔ کہ وہ پندرہ سوار اور آٹھ پیادوں کے ساتھ فرخ آباد سے بھاگا ہوا۔ الہ آباد یا بنارس کی طرف جاتا تھا۔ کیونکہ فرخ آباد میں ایک کثیر جماعت انگریزوں کی قتل کر ڈالی گئی تھی۔ درمیان راہ میں ایک بہت بڑا گروہ بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کا ملا۔ جن کا کوئی حامی و مددگار نہ تھا۔ اس کی غیرت و حمیت نے اس کو گوارا نہ کیا۔ کہ ان آفت رسیدوں کو یوں ہی چھوڑ کر چلا جاتے۔ اور کسی محفوظ مقام تک نہ پہنچا دے۔ پس بطور جنگ مغلوبہ وہ پیچھے ہٹتا ہٹتا یہاں تک آیا تھا۔ کہ ناگاہ ایک فوج باغی سپاہیوں کی آگئی۔ اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ اس محاربہ میں دس آدمی کپتان کی فوج کے ضائع ہو گئے۔ اب وہ باغیوں کی اس فوج کے مقابل جو چشمہ کے کنارے پڑی ہوئی ہے۔ اور حد درجہ خشمناک ہے۔ ان چند اشخاص کے ساتھ چاہتا تھا۔ کہ کسی تدبیر سے بچ جائے۔ گاؤں والے سب کے سب اپنے مویشیوں کے ساتھ بھاگ کر باغیوں کی جماعت سے جا ملے تھے۔ اور کپتان بے چارہ کمی آذوقہ اور بالخصوص پانی نہ ملنے کی وجہ سے نہایت بے چین تھا۔

چونکہ الناس کو تجربے سے یہ معلوم ہے۔ کہ جب بدبختی حد کو پہنچ جاتی ہے۔ تو نیک بختی اور خوش اقبالی کا آفتاب طلوع کرتا ہے۔ لہذا ہم بھی مثل انہی مصیبت زدوں کے

جو درحقیقت ہم سے زیادہ بدبخت تھے - آیندہ زمانے میں حصول اطمینان اور کشادگی کار کے منتظر تھے - اور یہ یقین کر رہے تھے - کہ تکلیف کا زمانہ ختم ہو گیا - اور سختی ایام انتہا کو پہنچ چکی - اب وہ وقت آگیا ہے - کہ "مردے از غیب بروں آید و کارے بکند" ؛

ہم لوگ ایک دوسرے کو خوشی خوشی آیندہ خوش حالی کی بشارت دے رہے تھے - میرا شوہر جو بار بار مجھ سے ملال انگیز اور جگر خراش باتیں کئے جاتا تھا - یکبارگی شیریں گفتاری اور دل نوازی کی طرف مائل ہو گیا - یا تو ناک بھوں چڑھائے ہوئے تھا - یا دم بھر میں کلی کلی کھل گئی - چہرے پر مسرت و شادمانی کے آثار نمایاں ہوئے - گویا کپتان کا ملنا ہمارے بے جان جسموں میں جان آنا تھا - اس کی حمایت میں ہماری آیندہ بہتری جھلک رہی تھی - ایلن کیسی میٹھی میٹھی نگاہوں سے اپنے شوہر کے منہ بولے باپ کو دیکھ رہی تھی - ولیم کی خوشی کے مارے باچھیں کھلی جاتی تھیں - سارا رنج و غم دور ہو گیا - ایک بار جوش مسرت میں کہنے لگا ؛

ولیم - یقین ہے - چند روز کے بعد یہ سب غدر موقوف ہو جائے گا - اگر خدا نے چاہا - تو میں بھی دوبارہ جشن عروسی قایم کروں گا - اور اپنے تمام احباب کو جمع کر کے کئی روز تک محفل نشاط قایم رکھوں گا ؛

جب ہم لوگ خندق پر سے عبور کر گئے - تو سواروں نے تختے کو اُٹھا لیا - اور موافق معمول ایک دیدبان درخت پر پھر جا بیٹھا - کپتان مارتن باغیوں کے حملے کی وجہ سے سخت پریشان تھا - اور اس امید پر یہاں پڑا ہوا تھا - کہ شاید الہ آباد سے آنے والی پلٹن اس طرف سے گزرے - اور اس کے ساتھ ہو کر باغیوں سے خوب جی کھول کر لڑے - یہ دیدبان دو کاموں کے لئے معین کیا گیا تھا - اول تو باغیوں کی آمد کا حال معلوم کرے - دوسرے اگر کوئی انگریزی پلٹن کمک کو آرہی ہو - تو اس کے ورود کی خوش خبری سے جلد مسرور کرے ؛

رات سر پر آگئی تھی - ہم کپتان مارتن کے مسکن کے قریب ایک گھر میں مقیم ہو گئے سپاہیوں میں سے نو آدمی نصف شب تک پہرہ دینے کے لئے معین ہوئے - اور نو دوسری شب سے صبح تک پاسبان قرار پائے - میرے شوہر اور داماد نے اپنی

پاسبانی کو نصف شب کے بعد منظور کیا٭

یہ بات قرار دی گئی تھی۔ کہ اگر باغیوں کا حملہ ہو۔ تو سب عورتیں اپنے اپنے مقام کو چھوڑ کر کپتان مارتن کے کمرے میں جمع ہو جائیں۔ نصف شب کے گزر جانے کے بعد میرے شوہر اور ولیم کی باری آئی کپتان نے ہماری فرودگاہ میں آگر خود ان دونوں کو بیدار کیا۔ اور یہ تیار ہو کر چلے۔ میں بھی اس خیال سے پیچھے پیچھے ہولی۔ کہ دیکھوں یہ کس مقام پر پہرہ دیں گے۔ انہوں نے ہر چند چاہا۔ کہ میں واپس چلی جاؤں۔ مگر میں نے ایک نہ سنی اور ان کے ساتھ ساتھ وہاں تک چلی گئی۔ تھوڑی دیر میں وہاں سے واپس آکر آرام سے سو گئی۔ اس بات کا مجھے اقرار کرنا چاہئے۔ کہ آج کی نیند بہت گہری تھی۔ کیونکہ میں اس وقت بیدار ہو گئی۔ جبکہ ایلن نے کئی بار میرا بازو پکڑ کر ہلایا۔ گھبرا کر اٹھی۔ تو ایک عجیب ہنگامہ برپا تھا۔ ایلن سے معلوم ہوا۔ کہ باغی گاؤں میں آگھسے۔ اور ایک طرف آگ لگا دی ہے۔ میں نے جلدی سے ویل کو گود میں لیا۔ ایلن کا ہاتھ پکڑا۔ اور کپتان مارتن کے مسکن کی طرف چل دی۔ وہاں پہنچ کر پتہ چلا۔ کہ باغیوں نے ایک جلتی ہوئی مشعل ایک گھر پر پھینک دی۔ چونکہ دیہات کے مکانوں پر چھپر بکثرت ہوتے ہیں۔ اس لئے فوراً آگ لگ گئی۔ ہماری بدبختی سے اس وقت ہوا اس قدر تیز چل رہی تھی۔ کہ تھوڑی ہی دیر میں چاروں طرف سے گاؤں بھڑ بھڑ ہونے لگا۔ گز دو گز اونچی لپیٹ سرخ شعلوں کی بلند ہو رہی تھی۔ دھواں تمام فضائے آسمانی میں چھایا ہوا تھا۔ تقریباً پچاس میمیں جو مختلف مقامات سے فرار کر کے آئیں تھیں۔ اور اندازاً اتنے ہی یتیم بچے ہمارے گرداگرد کپتان کے مکان میں اس مصیبت عظمیٰ کی دعا مانگ رہے تھے۔ ہاتھ پاؤں میں ہر ایک کے رعشہ تھا۔ چہروں کی رنگت زرد پڑی ہوئی تھی۔ ہوش و حواس گم تھے۔ ایک دوسرے کو حسرت سے دیکھتا تھا اور رہ جاتا تھا۔ ہمارے مردوں نے اول تو جمع ہو کر تھوڑی دیر مقابلہ کیا۔ پھر ان کی کثیر جماعت دیکھ کر بغرض تحفظ ناموس سب ہمارے ہی پاس آگئے۔ میں نے بہتیرا گردن اٹھا اٹھا کر دیکھا۔ لیکن ان لوگوں میں کہیں اپنے شوہر اور داماد کا پتہ نہ پایا۔ سخت حیرانی تھی کہ یہ لوگ کہاں رہ گئے۔ خدانخواستہ کہیں زخمی ہو کر تو نہیں گر پڑے۔ یا کہیں مر کر تو نہیں رہ گئے؟

جب پریشانی زیادہ بڑھی۔ تو میں مجمع کو چیرتی پھاڑتی چلی۔ کہ اس مقام پر جا کر دیکھوں جہاں وہ پاسبانی کے لئے گئے تھے۔ تھوڑی دور ہی گئی تھی۔ کہ وہ دور سے آتے دکھائی دیئے۔ ان کے پیچھے پیچھے ہی باغیوں کا گروہ بھی شور مچاتا چلا آتا تھا۔ جوں ہی یہ صورت دیکھی گئی انگریز اپنے سینوں کو سپر بلا اور ہدف نشانہ اعدا بنا کر ہمارے سامنے کھڑے ہو گئے۔ تاکہ مردوں کے ہوتے ہوئے عورتوں کو کوئی صدمہ نہ پہنچے۔ باغیوں نے نزدیک آتے ہوتے ہی خنجر و شمشیر سے لڑنا شروع کیا۔ آہ آہ اول وہ شخص جو بے جان ہو کر خاک پر گرا۔ ہمارا سردار ہمارا مددگار کپتان مارٹن بے چارہ تھا۔ اس کے قتل ہونے سے سواروں کے دل ٹوٹ گئے۔ اور باغیوں کے دل بڑھ گئے۔ میں دیکھ رہی تھی۔ کہ ہماری طرف کے جوان قتل ہو ہو کر خاک پر گر رہے ہیں۔ اور باغی برابر آگے کو بڑھے چلے آتے ہیں تھوڑی سی دیر میں سب کا فیصلہ ہو گیا۔ اور دشمن ہم عورتوں کی صفوں تک پہنچ گئے۔ اور چند بے کس اور فلک ستائی عورتوں کو بھی ہلاک کر ڈالا۔

میرا شوہر اور داماد جو ایک گوشے میں مشغول پیکار تھے۔ لڑائی سے ہاتھ روک کر چلائے۔ تم لوگ کیا کر رہے ہو۔ جلدی وہاں سے بھاگو" یہ صدا سنتے ہی میں نے ایلین کا ہاتھ پکڑا۔ اور بھاگنے پر آمادہ ہوئی۔ اتنے میں وہ دونوں بھی ہمارے پاس پہنچ گئے۔ ولیم نے ایلین کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور میں نے وِل کو سینے سے چمٹایا۔ شوہر آگے تھا۔ اور ہم سب اس کے پیچھے پیچھے جس قدر جلد بھاگ سکتے تھے بھاگے۔ اُف یہ بھی ایک خاص مصیبت کا وقت تھا۔ جس کو تمام عمر نہ بھولوں گی۔ رات کا وقت دشمنوں کا شور۔ چاروں طرف آگ کے شعلے۔ دشمن کے تعاقب کا کھٹکا۔ کلیجے سینوں میں دھڑ دھڑ ہو رہے تھے۔ موت آنکھوں کے سامنے پھر رہی تھی۔ بے کسی اور ہم۔ بے لبسی تھی اور یہ چند ہستیاں۔

دسواں حادثہ

ٹوٹی کشتی مری اور پاس کنارہ نہ رہا ڈوبتے بیڑے کو تنکے کا سہارا نہ رہا

آہ آہ برا ہو۔ اس فلک ناہنجار کا۔ کہ چند روز میں اس نے وہ مصیبتوں کے پہاڑ

سر پر گرائے۔ وہ بلائیں نازل ہوئیں۔ جن کو شاید ہم تمام عمر کی مدت میں بھی برداشت نہ کر سکتے تھے۔ ہم سمجھتے تھے۔ کہ بھاگ کر جان بچ جائے گی۔ مگر مقدرات الٰہی میں کسی کا کیا زور۔ جس کو راہ نجات سمجھے تھے۔ وہ ہی طریقۂ ہلاکت و عذاب نکلا۔ جس کو باعث حیات جانا تھا۔ وہی موجب موت ہوا۔

خلاصہ یہ کہ رہنمائے تقدیر نے ہم کو گاؤں کی اس سمت پہنچایا۔ جہاں سے باغی خندق پاٹ کر اور دیوار میں نقب لگا کر اندر داخل ہوئے تھے۔ ہم نے اس راہ کو غنیمت جانا۔ اور اس کے ذریعے سے باہر نکل کر جنگل کی طرف بھاگے۔ ستم پیشہ ہندوستانی جو ہمارے تعاقب میں چلے آ رہے تھے۔ اس قدر نزدیک ہو گئے۔ کہ ان کے قدم کی چاپ سنائی دینے لگی۔ خوف سے اتنی جرات تو کہاں تھی۔ کہ مڑ کر ان کی طرف دیکھتے اور یہ معلوم کرتے۔ کہ کتنے آدمی ہیں۔ البتہ جہاں تک تیزی سے بھاگنا ممکن تھا۔ بھاگے۔ اتفاق سے سامنے ایک گنّوں کا کھیت تھا۔ جس میں قدِ آدم گنّے کھڑے تھے۔ ہم جلدی سے اس میں داخل ہو گئے۔ اسی وقت بگل کی آواز ہمارے کان میں آئی۔ شوہر نے آہستہ سے کہا:۔

شوہر۔ اب مطمئن ہو جاؤ۔ یہ بگل باغیوں کے سردار نے سواروں کے واپس بلانے کے لئے بجایا ہے۔ جس وقت یہ واپس ہو گئے۔ پھر کوئی خطرہ نہ رہے گا۔

بیوی۔ (کان لگا کر) بیشک یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ اب ان لوگوں کے پاؤں کی آواز بھی نہیں سنائی دیتی۔ شاید سب لوٹ گئے۔ اس وقت خدا کی بڑی مہربانی ہوئی ورنہ ہم میں اب دس قدم دوڑنے کی بھی طاقت نہ تھی۔

شوہر (ولیم سے مخاطب ہو کر) ولیم! اب آتے تو نہیں معلوم ہوتے۔

ولیم مجھے تو آتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ قدم بڑھائے چلے چلو۔

ولیم کا یہ خیال ٹھیک تھا۔ وہ شریر طبع لوگ بگل کی آواز سے بھی واپس نہ گئے۔ اور بعض ادھر ادھر ہماری سراغ رسانی میں گھوما کئے۔ دو چار ستم کیشوں نے محض دل کے پھپولے پھوڑنے کے لئے اس کھیت کی طرف ایک بارہی کئی بندوقیں بلا کسی نشانے کے چھوڑیں۔ ہائے ان بندوقوں کے چلتے ہی وہ شخص آہ کا نعرہ مار کر

خاک پر گر پڑے۔ ایک میرے آگے داماد۔ دوسرا میرے پیچھے شوہر۔ ان کا گولی کھا کر گرنا تھا۔ کہ تمام دنیا میری نگاہ میں تیرہ و تار ہوگئی۔ ویل کو گودی سے پھینک کر روتی پیٹتی شوہر کے پاس گئی۔ اور جلدی سے اس کا سر اٹھا کر اپنی آغوش میں رکھ لیا۔ ہائے ایسے سخت وقت میں بھی اس کے دل سے میرا خیال کم نہ ہوا۔ مجھے روتا دیکھ کر کہنے لگا:

شوہر۔ زیادہ بے قرار نہ ہو صبر سے کام لو۔ میرا تو کام تمام ہو ہی گیا ہے۔ ایسا نہ ہو تمہارے نالہ و شیون کو سن کر وہ ستم پیشہ یہاں آجائیں۔ اور میرے معصوم ویل کو ہلاک کر ڈالیں:

میں۔ اُف مجھے اس عالم بے کسی میں کس پر چھوڑے جاتے ہو! کس کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے جاتے ہو؟ لعنت ہے۔ اس دنیا اور زندگی دنیا پر۔ کہ تم جیسا شفیق دنیا سے چل بسے اور میں کمبخت موئی در در ٹھوکریں کھانے کے لئے رہ جاؤں:

شوہر۔ آہ آہ اس قسم کی باتیں نہ کرو۔ کلیجہ پھٹا جاتا ہے۔ خدا پر نظر رکھو۔ وہ سب کا حافظ و مددگار ہے۔ مرضی خدا میں کسی کا کیا چارہ ہے۔ تمہاری قسمت میں یہی لکھا تھا۔ کہ عالم غربت میں ہم سے ہمیشہ کے لئے چھوٹ جاؤ۔ اُف اُف اب دل میں درد زیادہ ہونے لگا ہے:

میں۔ اُف کیا غضب ہوگیا۔ اچھا یہ تو بتاؤ۔ تمہارے گولی لگی کہاں ہے؟

شوہر۔ (سینے پر ہاتھ رکھ کر) گولی پشت کو توڑ کر سینہ میں گھس گئی ہے۔ یہ مقام ذرا غیر محفوظ ہے۔ مجھے سہارا دے کر کسی قدر اور آگے لے چلو:

میں نے اپنی طاقت کے موافق اسے سنبھالا۔ اور اس مقام تک لائی۔ جہاں گنے زیادہ گھنے تھے۔ خون برابر زخم سے بہہ رہا تھا۔ اور دم بدم چہرے پر مردنی چھائی چلی جاتی تھی۔ ہائے اس ویران مقام پر کس ڈاکٹر کو لاؤں۔ کس جراح کو بلاؤں کہ میرے عزیز شوہر کی مرہم پٹی کرے۔ درد کی اس قدر شدت تھی۔ کہ مچھلی کی طرح تڑپتا تھا۔ اف کیا وقت ہم بے کسوں پر آگیا تھا۔ کہ نہ زخمی درد سے کراہ سکتا تھا۔ نہ میں آہ منہ سے نکال سکتی تھی۔ اسی بے چینی کے عالم میں مجھ سے کہا:

شوہر۔ ویل اور ایلن کو میرے پاس لاؤ۔ میں وقت آخر ان کو اپنے سینے سے تو لپٹا لوں ؎

میں جلدی سے ویل کا ہاتھ پکڑ کر باپ کے پاس لے گئی۔ ہائے بسمل باپ نے کس حسرت سے اس بچے پر نگاہ ڈالی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ سینے سے لپٹایا۔ اور اسی کرب و بے چینی کے عالم میں رخسار پر بوسہ دیا ؎

میں ایلن کے پاس دوڑی ہوئی گئی۔ کہ شاید ولیم بے چارہ میں اتنی طاقت ہو۔ کہ اٹھ کر اپنے خسر کے پاس چلا آئے۔ اور اس کا آخری دیدار دیکھ لے۔ کاش میری آنکھیں کور ہو جاتیں۔ کاش میں اس سے قبل ہلاک ہو گئی ہوتی۔ کاش میں سارے کنبے کا فدیہ قرار پا جاتی۔ اور یہ جانگاہ مناظر اپنی آنکھوں سے نہ دیکھتی جو اس قیامت خیز رات میں دیکھے۔ وہاں شوہر کی وہ حالت یہاں داماد کی یہ کیفیت کہ زمین پہ پڑا ایڑیاں رگڑ رہا ہے۔ ایلن بے چاری مصیبت کی ماری آغوش میں سر لئے چاند کی روشنی میں حسرت سے اس کے چہرہ کو دیکھ رہی تھی۔ میں جانے بھی نہ پائی تھی۔ کہ موت کا پسینہ پیشانی پر آیا۔ اور اس کڑیل جوان کا دم ہوا ہو گیا۔ میری بیٹی کے صدمہ کا اندازہ کچھ وہی بدنصیب عروس کر سکتی ہے۔ جس کی وصل کی پہلی رات مفارقت ابدی سے بدل گئی جس کی مانگ بیاہ ہوتے ہی اُجڑ گئی ہو ؎

میں نے ایلن سے کہا۔ بیٹی مرنے والا تو مر گیا۔ اور اب اس کو چھوڑ کر زندہ کی خبر لیں۔ تیرا باپ بری طرح زخمی ہو گیا ہے۔ کوئی امید اس کی جانبری کی نہیں کوئی دم کا مہمان ہے۔ تجھ کو برابر یاد کئے جاتا ہے۔ اور مجھے اور تجھے اس کے پاس رہنا چاہئے ؎

اس پر غم والم کا کچھ ایسا ہجوم تھا۔ کہ میری کسی بات کا جواب نہ دیا۔ اور اسی طرح بت بنی مردہ شوہر کا چہرہ دیکھتی رہی۔ میں چونکہ شوہر کی بہت نازک حالت چھوڑ کر آئی تھی۔ اس لئے ایلن کی طرف زیادہ متوجہ نہ ہوئی۔ اسی حالت میں چھوڑ کر پھر شوہر کے پاس پہنچی ؎

شوہر۔ ولیم اور ایلن کہاں ہیں۔ اور کس حال میں ہیں؟ میں چاہتا تھا۔ کہ ان

کی صورت دیکھ کر دنیا سے رخصت ہوں ۔

میں۔ وہ یہاں سے کسی قدر فاصلہ پر ہیں۔ میں تم کو تنہا چھوڑ کر وہاں کیسے جاؤں؟

شوہر۔ کسی طرح وہ یہاں تک آجاتے۔ تو میں ان کے رخسار چوم کر رخصت کر دیتا۔ آہ پھر وہ کہاں۔ اور ہم کہاں۔ کیا ان کو میری اس حالت کی مطلق خبر نہیں۔ بس اب ہم کوئی دم ہی کے مہمان ہیں ۔

میں۔ آپ گھبرائیے نہیں۔ وہ اب آتے ہی ہوں گے ۔

شوہر۔ اگر ہمارے مرنے کے بعد آئے تو کیا آئے۔ میں تو بس ایک آدھ منٹ کا اور مہمان ہوں ۔

میں۔ یہ کیسی مایوسانہ باتیں کرتے ہو۔ خدا آپ کا سایہ ہمیشہ میرے سر پر قایم رکھے ۔

شوہر۔ اُف اُف اُف۔ میرا کام تمام ہوا چاہتا ہے۔ بدن سرد ہونے لگا۔ اچھا لو۔۔۔۔ خدا حا۔۔۔۔

خدا حافظ پورا زبان سے نکلا بھی نہ تھا۔ کہ دم نکل گیا۔ اور میں بدبخت دکھیا آوارہ وطن بیوہ ہوگئی ۔

جس سے جینے کا مزہ تھا وہ دریغا نہ رہا۔
میرا والی میرا وارث میرا شیدا نہ رہا +

میری سمجھ میں نہ آتا تھا۔ کہ ایسی حالت میں کیا کروں ۔

نہ مونسے نہ شفیقے نہ ہمدمے دارم۔
حدیث دل بکہ گویم عجب غمے دارم +

دنیا میں میرے سوا کوئی اور بھی ایسی مظلوم وستم رسیدہ عورت ہوگی۔ کہ شوہر مرا پڑا ہوگا۔ اور وہ اس کی لاش پر سینہ زنی اور سر کوبی بھی نہ کر سکتی ہوگی۔ یہ میں جانتی ہوں۔ کہ مرنے والے کے لئے نہ نالہ و فغاں مفید ہے۔ نہ گریہ و بکا۔ مگر فطرتاً انسان اس بات پر مجبور ہے۔ کہ جب کوئی عزیز ہمیشہ کے لئے اس سے جدا ہو جائے۔ تو وہ اپنی بے قراری کا اظہار کرے ۔

ہائے میں اس مردے پر جس قدر سر پیٹتی بجا تھا۔ جس قدر اشک آنکھوں سے بہاتی

روا تھا۔ جس قدر اظہار بے قراری کرتی درست تھا کیونکہ یہ وہ شخص تھا۔ جس سے میرا لطف زندگی وابستہ تھا۔ اس دم کے سہارے سے مجھے دنیا کی نعمتیں حاصل تھیں۔ اس وجود سے میرے دل کو تسلی اور طبیعت کو خوشی تھی۔ یہ ایک ذات میرے لئے سب کچھ تھی۔ یہ میرا مالک تھا۔ میرا ہمدرد تھا۔ یہ دُکھ کا شریک اور غم کا ساتھی۔ یہ خوشی کا دینے والا اور الم کا دور کرنے والا تھا۔ آہ گیا تھا۔ کیا ہوگیا۔ اب اس مرنے والے کو کہاں سے لاؤں گی۔ اف اپنا درد دل کس کو سناؤں گی؟

نظم از مترجم

مرے مولا مری بگڑی کے بنانے والے۔
اے میرے سوز درونی کے مٹانے والے

جز ترے حال دل زار سناؤں کس کو۔
سوزش داغ جگر سوز دکھاؤں کس کو+

پھونکتا ہے آتش غم نے دل مضطر میرا۔
راہ گم کردہ ہوں، کوئی نہیں رہبر میرا+

صبح سے شام مجھے ہوتی ہے روتے روتے۔
راتیں کٹ جاتی ہیں منہ اشکوں سے دھوتے دھوتے+

درد رگ رگ میں ہے لیکن کوئی درماں نہیں۔
جاں کے بچنے کا بظاہر کوئی ساماں نہیں+

ہو شفا خاک مرض سے جو مداوا نہ رہے۔
کیا وہ بیمار جئے جس کا مسیحا نہ رہے+

کون طوفاں میں خبر ہے مری لینے والا
چھٹ گیا مجھ سے مری ناؤ کا کھینے والا+

ہائے کوئی نہیں امداد کو آنے والا۔
ڈوبا پہلے ہی مرا پار لگانے والا+

جس سے جینے کا مزہ تھا۔ وہ دریغا نہ رہا
میرا والی مرا وارث مرا شیدا نہ رہا+

کون اب میری مدارات ہے کرنے والا۔
لے گیا ساتھ مرے عیش کو مرنے والا+

خلش خار ہے اب کون مٹانے والا۔
خاک پر سوتا ہے پھولوں کا پہنانے والا

کوئی ساماں نہیں جی کے بہلنے کے لئے
سینکڑوں دل میں ہیں ارمان نکلنے کے لئے+

یاالٰہی کوئی یوں بے کس و بے یار نہ ہو۔
مجھ سا دنیا میں کوئی صاحب آزار نہ ہو+

صاحب اوج کا یارب نہ گرانا پایا۔
سر سے عورت کے نہ شوہر کا اُٹھانا سایا+

موت آجائے۔ مگر یہ نہ مصیبت آئے۔
جان سے جاتی رہے بیوہ نہ مگر کہلائے+

کیا مزہ زیست کا جب کوئی پرستار نہ ہو۔
گھر وہ ہے قبر سے بدتر جہاں دلدار نہ ہو+

یاالٰہی مجھے اب صبح نمودار نہ ہو۔
بعد اس رات کے دنیا سے سروکار نہ ہو+

الغرض اپنے مردہ شوہر کے سر کو آغوش میں اور اس یتیم بچے کا ہاتھ پکڑے جو لاش سے لپٹا ہوا سو رہا تھا۔ بیٹھی تھی۔ رنج و غم کا بادل چاروں طرف چھایا ہوا تھا یاس و حسرت کی گھٹائیں امنڈ رہی تھیں۔ کہ ناگاہ سورج کا پُرخون چہرہ نیلگوں آسمان کے گریباں سے ظاہر ہوا۔ میں نے نگاہ بھر کر لڑکی کی طرف دیکھا۔ تو وہ اسی طرح خاموش بیٹھی اپنے شوہر کو تک رہی تھی۔ آدمی نہ تھی۔ بلکہ پتھر کی مورت تھی جس میں نام کو حس و حرکت نہ تھی۔ وہ اپنے شوہر کو اس طرح لئے بیٹھی تھی۔ گویا وہ بے خبر سو رہا ہے اور منتظر ہے۔ کہ کب خواب سے بیدار ہو + میں نے بھی اس کی دیکھا دیکھی آنکھوں سے آنسو پونچھے۔ اور لنبورا اپنے شوہر کی پیاری صورت کو دیکھنے لگی۔ طرح طرح کے وسوسے دل میں آنے لگے۔ نہ معلوم کون کون سا زمانہ نظروں میں پھر گیا۔ روئی اور خوب جی کھول کر روئی۔ پھر ذرا دل کو تسکین دی۔ اور سوچی کہ مرنے والے مر گئے۔ اب اس طرح سوگوار بنے بیٹھے رہنا کیا فائدہ دے گا۔ کچھ بچاؤ کی تدبیر کرنی چاہیے۔ یقین ہے۔ کہ باغی آفتاب کے طلوع ہوتے ہی پھر چاروں طرف ڈھونڈھنے نکل پڑیں گے۔ اگر خدانخواستہ کسی نے ہمیں دیکھ لیا۔ تو سب کو ہلاک کر دیں گے +

میر الطفل صغیر ویل چونکہ کوتاہ قامت تھا۔ اس لئے گنوں میں چلے جانے کے بعد اس کا وجود باہر سے دکھلائی نہ دیتا۔ وہ ہر منٹ کے بعد مجھ سے جدا ہو کر اپنی بہن کے پاس جاتا تھا۔ اور اس کو پیار کر کے لوٹ آتا تھا۔ میں اوّل تو یہ سمجھتی تھی۔ کہ یہ اس مصیبت عظمیٰ سے واقف ہو گیا ہے۔ اور جان گیا ہے۔ کہ باپ بہنوئی قتل ہو گئے لیکن جب اس نے مجھ سے یہ پوچھا۔ کہ ابا کب سے سوتے ہیں۔ اور کب بیدار ہوں گے۔ تو سمجھی کہ وہ باپ کے مرنے کو ابھی نہیں سمجھا۔ آہ کیوں کر اس پر ظاہر کروں کہ یہ خواب خواب ابدی ہے۔ اس کے بعد اب بیدار ہوگا ہی نہیں۔ اُف کیوں کر کہوں کہ یہ نیند موت کی نیند ہے۔ اب اس سے چونکنا ممکن ہی نہیں + مجبوراً اتنا کہنا پڑا۔

"ویل! چونکہ تو معصوم ہے۔ خدا سے اپنی قوم کے مردوں کے لئے دعائے مغفرت کر۔ اور ہمارے لئے آسائش و اطمینان کا خواہاں ہو خدا تیری دعا قبول کرے گا"

یتیم بچے نے ننھے ننھے ہاتھ درگاہ قاضی الحاجات میں بلند کر کے میرے بتلائے ہوئے الفاظ اپنی زبان پر جاری کئے۔ جب دعا سے فارغ ہو گیا۔ تو میں نے کہا " بیٹا جاؤ اب اپنی بہن کے پاس ہو آؤ۔ اور مجھ سے بیان کرو۔ کہ وہ اب کیسی ہے روری ہے۔ یا اسی طرح خاموشی سے شوہر کو تکے جاتی ہے ٭ لڑکا دوڑا ہوا گیا۔ اور آکر خبر کی۔ کہ وہ رو رہی ہے۔ میں شکر خدا بجا لائی۔ کیونکہ کثرت رنج وغم کے وقت اگر کوئی شخص گریہ نہ کرے۔ تو اس کی ہلاکت یا دیوانگی کا خوف ہوتا ہے۔ کیونکہ دل کا بخار نہیں نکلتا ٭

ہم تو اس عالم میں تھے۔ اور گاؤں کی طرف سے برابر باغیوں کے شور و غوغا کی آواز چلی آرہی تھی۔ تھوڑی دیر میں بگل کی آواز بھی کان میں آئی۔ اور اس کے ساتھ ہی دھوئیں کے غٹ آسمان پر جاتے دکھائی دیئے۔ جس سے معلوم ہوا۔ کہ انہوں نے گاؤں کے بقیہ گھر بھی اس خیال سے جلا دیئے۔ کہ شاید ہم میں سے کوئی شخص کہیں چھپا ہوا ہو ٭

جب ویل بار بار میرے اور اپنی بہن کے پاس آتے جاتے تھک گیا۔ تو خاموش ہو کر میرے پہلو میں آبیٹھا۔ اور میرے بازو پر تکیہ کر کے غمگین آواز میں کہنے لگا۔ کہ اماں جان مجھے بھوک لگی ہے۔ اور پیاسا بھی ہوں ٭

اس کا یہ کلام سن کر میں نہیں کہہ سکتی۔ کہ میری کیا حالت ہوئی۔ ہائے اس بیابان میں اپنے ناز پروردہ بچے کے لئے کہاں سے پانی بہم پہنچاتی۔ کس سے غذا مانگ کر لاتی۔ دریا دور۔ جنگل ناپیدا کنار۔ جس چیز کی تلاش میں بھی جاتی۔ دور و دراز مسافت طے کرنا ہوتی۔ مجھ سے یہ کیسے ممکن تھا۔ کہ شوہر کی لاش کو اکیلا چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوں۔ اس حالت بے بسی میں یہ ایک عجیب خیال میرے دماغ میں آیا۔ اور وہ یہ تھا۔ کہ باغیوں کے پاس جا کر بکمال عجز و انکسار دست سوال دراز کروں۔ اور جس طرح ممکن ہو اپنے بچے کے لئے ایک روٹی کا ٹکڑا اور تھوڑا سا پانی مانگ کر لاؤں۔ اگر انہوں نے سنگدلی کو کام میں لا کر مجھے مار ڈالا۔ تو زہے نصیب۔ اور اگر رحم کھا کر دے دیا۔ تو بچے کی جان بچ جائے گی۔ لیکن پھر غیرت متقاضی نہ ہوئی۔ اور کیونکر ہوتی۔ افسوس جن ظالموں نے میرے عزیز شوہر اور پیارے داماد کو قتل کیا۔ جنہوں نے دشت وصحرا کی خاک چھنوائی

پھر انہیں سے سوال کروں۔ ہرگز نہ ہوگا۔

اگر دن نہ ہوتا۔ اور تاریکی شب پردہ پوش ہوتی۔ تو ضرور طلب غذا میں ادھر اُدھر نکل جاتی۔ اور جس طرح ممکن ہوتا۔ کچھ میوے اور پھل درختوں سے توڑ کر لے آتی۔ لیکن اب اس آفتاب کی تپش جس نے موجوداتِ عالم کے ہر ذرے سے نقاب اُٹھا دی ہے۔ اور سوائے ہمارے ہر چیز کے لئے مایۂ حیات بن رہی ہے۔ کیونکر اس کھیت سے باہر جاؤں اسی بحرِ تفکر میں غوطہ زن تھی۔ کہ بار دیگر بچے نے بھوک بھوک کی فریاد شروع کی۔ میں مردہ کو بھول کر زندہ کی نجات کے لئے اپنی جگہ سے اُٹھی۔ اور شوہر کی لاش کو چادر سے ڈھانپ کر لڑکے سے کہا۔ کہ شور نہ مچانا۔ تیرا باپ سوتا ہے۔ جب میں ایلن کی طرف سے گزری۔ تو اس نے پوچھا کہاں جا رہی ہو۔ میں نے دو کلموں میں اپنا مطلب اس پر ظاہر کیا۔ اس نے جواب کے بدلے ہاتھ بڑھا کر گنوں میں سے ایک گنا توڑا۔ اور میری طرف پھینک دیا۔ جس سے یہ مطلب تھا۔ کہ ویل کو گنا چوسنے کو دے دو۔ مجھے اس کی یہ تدبیر بہت پسند آئی۔ واپس جا کر ایک گنا ویل کو دیا۔ جس کے چوسنے سے بھوک اور پیاس میں کسی قدر تسکین ہوئی۔ اور اس نے رونا موقوف کیا۔ مگر مجھے یہ کھٹکا لگا رہا۔ کہ اگر تھوڑی دیر میں پھر اسے بھوک معلوم ہوئی اور مجھ سے غذا طلب کی۔ تو کیا دوں گی؟

میرے خیال میں ہرگز دنیا میں کوئی ماں مجھ سے زیادہ بدبخت۔ اور کوئی بیوہ عورت مجھ سے بڑھ کر تباہ حال اور مصیبت زدہ نہ ہوگی۔ میں سخت حیران تھی۔ کہ کیا کرنا چاہئے کس سے جا کر اس دکھ کو بیان کروں۔ کون اس وقت بے کسی میں میرے کام آئے اگر باغیوں کے پاس جاؤں۔ تو ان سے کوئی احسان کی امید نہیں۔ وہ وہی تو ہیں۔ جنہوں نے سخت دلی سے ہمارے ہم وطن مردوں کو قتل کیا۔ اور عورتوں کو اسیر۔ ہمارے گھر جلائے۔ اور ہمارے املاک کو لوٹا۔ یقین ہے۔ کہ وہ ہماری جستجو میں ادھر ادھر پھرتے ہوں گے۔ اگر کہیں ہم پر نظر پڑ گئی۔ تو بغیر قتل کئے نہ چھوڑیں گے۔ اب یہاں زیادہ ٹھہرنے سے کوئی فائدہ معلوم نہیں ہوتا۔ آخر کب تک اپنے ان عزیزوں پر جن کے پلٹنے کی تا قیامت اُمید نہیں گریہ وزاری کریں گے۔ علاوہ اس کے ہندوستان کی گرمی مُردوں کے اجسام کو بہت جلد سڑا دیتی ہے۔ بس اب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ کہ کپتان

مازنن کے ان سواروں کی طرح جن کو ہم نے کل جنگل میں دیکھا تھا۔ اپنے ان پیاروں کی لاشوں کو بھی زیر آسمان آفتاب کے مقابل کتوں۔ کوؤں اور گدوں کے کھانے کو چھوڑ دیں۔ اور یہاں سے جہاں خدا لے جائے چل دیں۔

آہ! آہ! وہ گِدھ جن کو کل ہم لے اپنے ہم وطنوں کی لاشوں سے بےخبر ہٹایا تھا۔ اور ان کی خوراک میں خلل ڈالا تھا۔ آج وہ آکر ہمارے مردوں کے اوپر منڈلائیں گے۔ اور تلافی مافات کریں گے۔ اور ایسا نوچیں گے۔ کہ ان کے جسموں پر کوئی چیز باقی نہ رہے گی۔ کیا میں اس بات پر راضی ہو گئی؟ کیا میں نے یہ قبول کر لیا۔ کہ یہ لاشے مردہ خوروں کی آتش شکم کا ایندھن بن جائیں۔ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں چاہے۔ میری انگلیاں قطع ہو جائیں۔ چاہے۔ میرے ہاتھ کلائی سے جدا ہو جائیں۔ لیکن جب تک اپنے ہاتھ سے اپنے شوہر کی گور نہ کھود لوں گی جب تک اس کو خاک میں نہ سونپ دوں گی ایک قدم یہاں سے آگے نہ بڑھاؤں گی۔

اس خیال کے آتے ہی فوراً میں نے زمین کھودنی شروع کر دی۔ اور قریب ایک گھنٹے کے برابر کھودتی رہی۔ یہاں تک۔ کہ میری انگلیوں اور ناخنوں سے خون جاری ہو گیا۔ اور زیادہ کھودنے کی تاب نہ رہی۔ ابھی دو انگشت سے زیادہ زمین نہ کھدی ہوگی۔ کہ یہ حال ہو گیا۔ یا میرے اللہ میں کیا کروں۔ کیونکر اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گی۔ اس درمیان میں گِدھ مردہ کی بو سونگھ کر میرے سر پر منڈلانے لگے۔ میں ڈری کہ کہیں ایسا نہ ہو۔ یہ مردے پر ٹوٹ پڑیں۔ پھر دوبارہ جوش میں آکر اپنے کام میں مشغول ہوئی۔ میرے ناخنوں کے اندر ایسا ریت بیٹھ گیا تھا۔ کہ زمین چھونے سے درد ہوتا تھا۔ بہت چاہا۔ کہ تھوڑی سی زمین اور کھودوں۔ مگر ممکن نہ ہوا اسی عالم غم والم میں گور کو ناتمام چھوڑ کر سر آسمان کی جانب بلند کیا۔ نزدیک تھا۔ کہ کلمات کفر میری زبان پر جاری ہو جائیں۔ مگر پھر سنبھلی اور دل سے کہا۔ کہ یہ کیا تیری حالت ہے۔ انسان کو ہر حال میں شکر ہی کرنا چاہئے۔ اور کبھی شدائد کی شکایت سے لب کو آشنا نہ بنانا چاہئے۔ دنیا دار المحن ہے۔ اس میں کسی کو چین نہ ملا ہے۔ نہ ملے گا۔ کوّے اور گِدھ اب اس قدر نزدیک ہو گئے تھے۔ کہ ان کے پر پرواز کے وقت میرے

سر سے مس کرتے تھے۔ اب میں اور بھی زیادہ گھبرائی اور بے چین ہو کر چلّانے لگی:۔
" او ظالم باغیو! اور ستم پیشہ بلوائیو! کہاں چھپ گئے۔ کہاں مر گئے۔
کیوں نہیں آ کر اس دُکھیا کا جلدی سے کام تمام کر دیتے۔ تاکہ وہ اس وحشت خیز زندگی کی کشاکش سے چھوٹ جائے"۔

مجھے اس طرح چلاتا دیکھ کر ویل دوڑا اور میرے گلے میں باہیں ڈال کر رونے لگا۔

میں (غمگین آواز سے) کیا ہے بیٹا کیوں روتے ہو؟

ویل۔ اماں جان مجھے بڑی زور کی بھوک لگی ہے۔ تم کھانا کیوں نہیں دیتیں۔

اُف اب کیا کروں۔ اپنے اس عزیز شوہر کے دفن کی فکر کروں جس کے ساتھ سالہا سال تک پہلو سے پہلو ملا کر بیٹھی ہوں۔ یا اس طفل صغیر کی بھوک سے جان بچاؤں۔ جو میری آنکھوں کا تارا اور دل کا ٹکڑا ہے۔ بے اختیار ہو کر اپنی جگہ سے اٹھی کہ جس طرح ممکن ہو۔ جنگل سے تھوڑے سے پھل مہیا کر کے اس کے واسطے لاؤں۔ اول لڑکی کی طرف گئی۔ دیکھا۔ کہ وہ اسی طرح اپنے شوہر کا سر آغوش میں لئے بیٹھی ہے۔ اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ میں نے پاس جا کر اپنے ارادے سے آگاہ کیا۔ اس نے ایک سرد آہ بھری اور کہا۔

ایلین۔ اف اماں تمہیں کھانے پینے کی فکر پڑی ہے۔ اس کا خیال نہیں۔ یہ مردے خاک پر پڑے ہوئے ہیں۔ کیونکر تمہارے دل نے یہ گوارا کیا۔ کہ ان کی لاشوں سے جدا ہو کر وحوش وطیور کو ان پر مسلط کر دو۔

میں۔ بیٹی میں نگوڑی اپنا پیٹ آٹنے نہیں جاتی۔ ویل بھوک سے بلک رہا ہے۔ دیکھ تو میری انگلیوں کا کیا حال ہے۔ صبح سے برابر زمین کھود رہی ہوں۔

میری اس تقریر سے ایلین نے یہ سمجھا۔ کہ میں نے اپنے شوہر کی قبر کھود دی ہے۔ تو اپنے شوہر کی قبر کھود لے۔

ایلین۔ علیحدہ علیحدہ قبروں کے کھودنے کی کیا ضرورت ہے۔ ایک ہی قبر میں دونوں کو دفن کر دینا چاہیئے۔

میں۔ ابھی قبر تیار نہیں ہوئی۔ میرا مقصود زخمی انگلیاں دکھانے سے یہ تھا۔ کہ

کسی آلہ کے نہ ہونے کی وجہ سے تمام ہاتھ زخمی ہوگیا۔ اور قبر دو انگشت سے زیادہ گہری نہ ہوئی۔

ایلین نے جواب دینے کے بجائے اپنے شوہر کے سر کو آغوش سے اُٹھا کر زمین پر رکھا۔ اور اس کی کمر سے وہ خنجر کھول کر جو کل کے محاربہ سے خون آلود تھا۔ وہاں سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ میں اس کے پیچھے پیچھے اس مقام پر پہنچی۔ جہاں ناتمام قبر تھی۔ زمین چونکہ جتی ہوئی اور ملایم تھی۔ اس لئے خنجر سے اس کا کھودنا بہت آسان ہوگیا۔ میں نے ایک دھجی اپنے کپڑوں سے پھاڑ کر ہاتھ پر لپیٹی۔ اور داہنے ہاتھ میں خنجر کو لے کر پوری طاقت سے کھودنا شروع کیا۔ میرا بچہ ویل یہ سمجھ کر کہ ہم اس کے کھلانے کے لئے زمین کھود رہے ہیں۔ خوشی خوشی ہمارے ساتھ مٹی باہر نکال رہا تھا۔ اس کو اس کی کیا خبر۔ کہ میں اس کے باپ اور بہنوئی کی گور کھود رہی ہوں۔ میں نے اس خیال سے کہ وہ بھوک کا خیال بھول جائے۔ اور اس حادثہ کی طرف ملتفت نہ ہو۔ اس سے کہا۔

بیٹا جس وقت میں یہ گڑھا۔ اتنا گہرا کھود دوں گی۔ کہ اگر اس کے اندر تم کھڑے ہو جاؤ تو باہر سے سر نہ دکھے۔ تب ایک روٹی تم کو دوں گی۔

ویل۔ تو جلدی جلدی کھود دیجئے۔ ہمیں تو بھوک لگی ہے۔

میں اور ایلین بڑی محنت کے ساتھ قبر کھود رہے تھے۔ کہ ناگاہ پشت کی جانب سے جہاں ولیم کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ ایک آواز ہمارے کان میں آئی۔ ہم دونوں نے حیران ہو کر اس طرف دیکھا۔ اور معاً دل میں یہ خیال پیدا ہوا۔ کہ کہیں ولیم زندہ ہو کر تو نہیں اُٹھ بیٹھا۔ مگر افسوس یہ خیال بالکل لغو اور بے بنیاد تھا۔ ولیم ایسی نیند نہیں سویا تھا۔ کہ اس سے بیدار ہو جاتا۔ آہ دیکھا۔ تو یہ دیکھا۔ کہ مردہ خورہ جانور اس کے گرد جمع ہو گئے۔ اور اپنے چنگل سے اس کے رخسار کو پکڑ پکڑ کر زمین سے اُٹھا رہے ہیں۔ ہم دونوں دوڑے وہ ہمیں آتا دیکھ کر اس بے چارے کو زمین پر ڈال کر بھاگ گئے۔

ایلین نے رو کر کہا۔ اماں! جس طرح بنے ان کے دفن میں جلدی کرو۔ ایسا نہ ہو کہ یہ وحشی جانور ہجوم کر کے لاشوں کو لے بھاگیں۔ یا ہمارے سامنے ہی تکا بوٹی کر ڈالیں۔ تین گھنٹے متواتر ہم نے حرارت آفتاب میں وہ گڑھا کھودا۔ جب بقدر ضرورت گہرا ہو گیا۔

تو ہم نے چاہا۔ کہ دونوں لاشوں کو زیر خاک سونپ دیں۔ لیکن فکر یہ تھی۔ کہ کیوں کر ان کو اُٹھا کر یہاں تک لائیں۔ اور کونسی لاش نیچے رکھیں اور کونسی اوپر آیا میں اور ایلین دونوں مل کر ان لاشوں کو یہاں تک لائیں۔ یا ہم میں سے ہر اک اپنے عزیز کی لاش کو اُٹھا کر لائے۔ اور قبر میں رکھے۔ محبت مادری نے مجھے اس پر مجبور کیا۔ کہ چند منٹ اپنی دختر کو اور مہلت دوں۔ کہ وہ اپنے شوہر کو وقت آخر اور سیر ہو کر دیکھ لے۔ اس لئے میں نے اپنے شوہر کے دفن کو مقدم جانا۔ اس کی لاش کے پاس گئی۔ اور سر کو زمین سے اُٹھا کر اپنے شانہ پر رکھا۔ اور جسم کو آغوش میں لے کر زمین پر کھینچتی ہوئی قبر کے کنارے پر لے آئی۔ میرا بچہ اس خیال سے کہ اس کام میں بھی مجھے مدد دے اپنے باپ کا دامن ہاتھ میں پکڑے چلا جاتا تھا۔ جب ہم قبر کے پاس پہنچ گئے۔ تو یہ خیال میرے دل میں آیا۔ کہ کیا اسی طرح اپنے شوہر سے ہمیشہ کے لئے جدا ہوں۔ اور کوئی نشانی اس سے نہ لوں؟ بدوں تردد ہاتھ بڑھا کر وہ اشرفیوں کی تھیلی جو اس کے کمر میں تھی۔ کھول کر اپنی کمر میں باندھ لی۔ یہ وہ مختصر سرمایہ تھا۔ جو ہماری کثیر دولت سے باقی رہ گیا تھا۔ یہ وہ املاک تھی۔ جو میرے یتیم بچے نے اپنے باپ کی املاک سے پائی۔ یہ وہ بضاعت تھی جو ایک بیوہ عورت کو بے کسی کی زندگی گزارنے کے لئے شوہر سے ملی۔ لیکن یہ مقدار مال یہ اشرفیوں کی تھیلی کیوں کر ہمیشہ کے لئے میرے واسطے شوہر کی یادگار بن سکتی ہے؟

بہرحال کمال حسرت و افسوس سے میں نے پھر ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالی مہر بے حرکت تھا۔ آنکھیں بند تھیں۔ چہرے کا رنگ اُڑا ہوا۔ سر کے بال خاک میں بھرے اور ایک دوسرے سے چپکے ہوئے۔ دیر تک کملائی ہوئی صورت دیکھ کر روتی رہی۔ ایک بار جوش محبت میں پیشانی پر بوسہ دیا۔ باتوں سے خاک صاف کر کے انہیں چکنایا۔ اور چند بال لے کر حفاظت سے اپنے پاس رکھ لئے۔ اور یہ عہد کیا۔ کہ جب تک زندہ رہوں گی۔ اس نشان محبت کو اپنے سے جدا نہ کروں گی۔ بلکہ اپنے ساتھ گور میں لے کر جاؤں گی۔ اور اس کے بدلے میں وہ انگشتری جو شادی کے روز اس نے مجھے پہنائی تھی۔ اپنی انگلی سے اتار کر اس کی انگلی میں پہنائی جس سے یہ نشا تھا۔ کہ جب تک زندہ رہوں گی۔ کوئی دوسرا شوہر نہ کروں گی۔ اور بیوگی کی حالت میں عمر گزاروں گی۔ اس کے بعد ایلین کو آواز دی۔ اور اس کی مدد سے لاش

کو گڑھے میں اُتارا۔ پھر داماد کے لاشہ کو بھی لاکر اسی میں رکھا۔ اور ایک مختصر سی دعا پڑھنے کے بعد وہ تمام اسلحہ جوان کے ساتھ تھے۔ سوائے ایک خنجر کے جس کو میری لڑکی نے شوہر کے مال سے لے لیا تھا۔ اسی گڑھے میں ڈال دیئے۔ اور اس پر مٹی ڈالنی شروع کی۔ گو اس کو سفاہت و جنون ہی کہا جائے گا۔ کہ مٹی ڈالتے وقت میرے دل میں یہ خیال آیا۔ کہ زیادہ مٹی پڑنے سے ان کی روح کو تکلیف ہو گی + ہائے محبت بُری بلا ہے۔ ویل اب تک تو اس معاملہ کو نہ سمجھا تھا۔ لیکن جب میں نے مٹی ڈالنی شروع کی۔ تو اس نے رنجیدہ ہو کر مجھ سے پوچھا +
ویل۔ ابا اور دولھا بھائی پر تم مٹی کیوں ڈال رہی ہو۔ ان کے کپڑے خراب ہوتے جاتے ہیں
میں اب اصلی واقعہ بیان کرنے پر مجبور ہو گئی۔ آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔ بیں۔ ویل بیٹیا۔ تمہارا باپ اور بہنوئی مر گیا۔ میرے لال آج تو یتیم ہو گیا۔ شفیق پدر کا سایہ سر سے اُٹھ گیا +

یہ سنتے ہی اس نے بلند آواز سے رونا شروع کیا۔ ہم بھی بے چین ہو کر اس کی گریہ وزاری میں شریک ہوئے۔ اور دل کھول کر روئے۔ ابھی ہماری آنکھ سے آنسو نہ تھما تھا۔ کہ ایک مرتبہ ہی توپ کی آواز سنائی دی۔ اور سپاہیوں کی ہائے ہو کا شور کان میں آیا۔ اس کے کچھ دیر بعد بگل کی آواز آئی۔ پھر نقارہ بجا۔ جس سے پتہ چلتا تھا۔ کہ سپاہی دوسری طرف جا رہے ہیں۔ ہم اس خیال سے خوش ہوئے۔ اور شکر خدا بجا لائے۔ کہ ان خونخوار وحشیوں کی دست برد سے پناہ ملی۔ ابھی ہماری زبان شکریہ ادا کرنے پر بھی نہ پائی تھی۔ کہ پھر طبل اور بگل کی آواز آئی۔ اور ایسا معلوم ہوا۔ کہ ایک رسالہ ہماری طرف آرہا ہے۔ میں نے دل میں کہا۔ کہ ان ظالموں نے فوج کے دو حصے کیے ہیں۔ ایک اس طرف بھیجا ہے۔ اور ایک اس طرف۔ چونکہ راستہ ان کا اسی گنوں کے کھیت کی طرف سے تھا۔ اس لئے میں نہایت پریشان ہوئی۔ کہ کہاں چھپوں اور کس طرف جاؤں۔ ایلن جو مجھ سے زیادہ ہوشیار تھی۔ فوراً بھائی کو گود میں لے اسی گڑھے میں لیٹ گئی۔ اور مجھے اشارہ کیا۔ کہ تم بھی یہیں ہو رہو۔ میں نے ایسا ہی کیا اس وقت اس گڑھے میں دو مردہ اور تین زندہ مدفون تھے۔ سپاہیوں کی فوج اسی طرف سے گزری۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ کہ کسی نے ہم کو نہیں دیکھا + جب ہم کو یہ یقین

ہو گیا۔ کہ اب وہ دور نکل گئے۔ فوراً قبر سے باہر آئے۔ اور جلدی جلدی اپنا کام انجام دینے لگے۔ جب تمام گڑھا پُر ہو گیا۔ تو ہم اثر تازگی مٹانے کی غرض سے سوکھی گھاس اور پرانی مٹی اس پر پھیلا دی؛

آہ آہ! ذرا ہماری مصیبت کا بھی اندازہ کرنا چاہیئے۔ یہ دشت ہولناک۔ یہ صحرا وحشت ناک اور دو ضعیف القویٰ مصیبت زدہ۔ غم خوردہ عورتیں اور ایک نادان بچہ نہ کوئی مونس نہ مددگار۔ نہ یاور نہ غم گسار۔ نہ فریادرس نہ نگہبان۔ نہ اثاثہ نہ سامان۔ نہ خدمتگار نہ سواری۔ نہ پینے کو پانی نہ کھانے کو روٹی۔ نہ رہنے کا کہیں ٹھکانا۔ نہ درد دل کہنے کو کوئی یار و یگانا۔ دشمنوں کا ملک۔ اعدا کی عمل داری۔ خوف کا غلبہ۔ یاس کا ہجوم۔ اتنی جگہ نہ تھی۔ کہ تھوڑی دیر حرارت آفتاب سے پناہ لے کر کلفت رسیدہ بدنوں کو ذرا آرام دیں ہر گھڑی موت کا انتظار تھا۔ خلاصہ یہ کہ اسی حالت اضطراب و پریشانی میں مجبوراً شوہر اور داماد کی قبر کو رخصت اور خدا پر توکل کر کے وہاں سے چل کھڑے ہوئے؛

گیارھواں حادثہ

بس ہجوم ناامیدی خاک میں مل جائے گی۔
یہ جو اک لذت ہماری سعی بے حاصل میں ہے؛

اپنے سرپرستوں کی موت کے بعد زندہ رہنے سے میرے نزدیک مرجانا ہی بہتر ہے۔ مگر آہ یہ جان وہ پیاری چیز ہے۔ کہ چاہے انسان کی کوئی حالت کیوں نہ ہو وہ اپنا مرنا گوارا نہیں کرتا۔ ہم یہ جانتے تھے۔ کہ دشمنوں کے ہاتھوں محفوظ رہنا۔ اور صحیح سلامت ہندوستان سے نکل جانا ایک امر محال ہے۔ مگر بمقتضائے فطرت اسی میں کوشاں تھے۔ کہ کسی صورت سے جان بچ جائے؛

ہم نے فقیروں کا لباس بنا لیا تھا۔ اور بچے بچے جاتے تھے۔ اس لئے کسی نے تعرض نہ کیا۔ جس گاؤں کے نزدیک سے گزرتے تھے۔ انگریزوں کی لاشیں خاک پر پڑی نظر آتی تھیں۔ کچھ دور چلنے کے بعد ہم شاہ راہ پر پہنچے۔ جس کے دو طرف بانس اور دوسرے قسم کے درختوں کا جنگل تھا۔ ایک موقع پر درختوں کا گھنا پن زیادہ دیکھ کر ہم

اندر داخل ہو گئے۔ اور ایک چشمہ کے کنارے قیام کیا۔ جو کچھ پھل پھلار وہاں دستیاب ہوئے۔ ان کو کھایا۔ اور اس امر کے منتظر رہے۔ کہ شاید کوئی انگریزی فوج اس طرف سے اور ہم کو اس مہلکہ سے نجات دے۔ کیونکہ میں حد درجہ خستہ ہو گئی تھی چشمے کے کنارے پر لیٹتے ہی سو گئی۔ اور چھ گھنٹے برابر سوتی رہی۔ جب بیدار ہوئی۔ تو دیکھا کہ ایلن میرے پاس بیٹھی ہوئی ہے۔ اور وہ صحرائی پھولوں کا ایک گلدستہ ہاتھ میں لئے کھیل رہا ہے۔ میں نے پیار سے اسے چھاتی سے لپٹا لیا۔ اس رات کو بھی ہماری غذا وہی جنگل کے پھل ہوئے۔ ہم اس فکر میں تھے۔ کہ اپنے گرد بہت سی آگ روشن کریں۔ تاکہ صحرائی درندوں اور گزندوں سے محفوظ رہ سکیں۔ مگر وہاں آگ کہاں تھی۔ ایلن نے اور میں نے بہت سی سوکھی لکڑیاں جمع کیں۔ اور آگ کی تلاش میں نکلے۔ ہماری فرودگاہ سے۔ کچھ دور ایک چھوٹے سے میدان میں کل رات باغیوں نے اُتر کر آگ روشن کی تھی ہم انہیں چولھوں کی راکھ میں سے آگ تلاش کر کے تھوڑی سی چنگاریاں بہم پہنچائیں اور اپنے مقام پر آکر آگ کو روشن کیا۔ اور اسی کے قریب لیٹ رہے۔ ایلن نے مجھ سے کہا۔ کہ میں اول شب سو جاتی ہوں۔ تم نصف شب تک نگہبانی کرو۔ پھر مجھے بیدار کر دینا۔ صبح تک میں بیدار رہ کر حفاظت کروں گی۔ اور تم سو رہنا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس رات کو وہ مصیبت پیش نہ آئی۔ جو اس رات جمنا کے کنارے ان دو ہندوستانیوں کی وجہ سے آئی تھی۔ جو ہمارے قتل کے درپے تھے۔ آج کی رات ہم نے بہت اطمینان سے بسر کی۔ اور کوئی مصیبت نازل نہ ہوئی۔ البتہ جب یہ خیال آتا تھا۔ کہ کل رات تک جو ہمارے پہرہ دار تھے۔ کل رات تک جو ہمارے نگراں حال تھے۔ آہ وہ آج کوسوں دور ہم سے خاک پر پڑے سوتے ہیں۔ تو کلیجہ ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا تھا آہ جن کے دم سے زیست کا مزا تھا۔ وہ آناً فاناً میں نظروں سے پنہاں ہو گئے۔ اور ہم بدنصیب اور فلک ستائی عورتیں اس بدبختی و بیکسی میں ٹھوکریں کھاتے۔ دشت و در کی خاک چھانتے کو زندہ رہ گئیں۔ فلک پرایا۔ دیس غیر۔ زمانہ دشمن۔ کہاں جائیں کیا کریں۔ کس کو پکاریں۔ کس سے کہیں۔ خدا جانے ابھی کیا مصیبتیں نازل ہوں گی کیا کیا بلائیں سر پر آئیں گی۔ کیا ان تھکے ماندے جسموں سے۔ ان ورم دار پیروں سے

پاپیادہ اس طفل صغیر کو گود میں لئے کانپور یا الہ آباد تک پہنچ جائیں گے؟

ان تصورات وخیالات وحشت انگیز نے مجھے ایک منٹ کو چین نہ لینے دیا۔ نصف شب تک کہ میری پاسبانی کا وقت تھا۔ اسی فکر میں گھلتی رہی۔ اور یہی سوچتی رہی۔ کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ کون سی راہ ایسی اختیار کی جائے۔ کہ مقصد تک پہنچ جائیں۔ کبھی یہ خیال آتا تھا۔ کہ اگر انگریزی فوج ادھر سے جاتی مل گئی۔ تو ضرور اس ہلکہ سے نجات مل جائے گی۔ لیکن ہمیں تو یہ بھی نہ معلوم تھا۔ کہ شہر الہ آباد انگریزوں ہی قبضہ میں ہے۔ یا اس پر بھی باغی متصرف وقابض ہو گئے؟

بہت سی فکر کے بعد یہ قرار دیا۔ کہ صبح ہوتے ہی مشرق کی طرف چلیں۔ اور مملکت اودھ میں داخل ہوں۔ اگر میں بدبخت اپنی تدبیر پر مغرور نہ ہوتی۔ اور اپنے کام کو تقدیر کردگار کے حوالے کر دیتی۔ اور وہی راستہ الہ آباد کا اختیار کرتی۔ جو ہمارے لئے راہ مستقیم تھی۔ تو یقیناً صورت نجات کی نکل آتی۔ اور میری پیاری لڑکی اور معصوم بچہ ہلاک نہ ہوتا۔ انسان کو چاہئے۔ کہ شدائد امور میں اپنے کو تقدیر الٰہی کے حوالے کر دے۔ اور نہایت عاجزی وانکساری کے ساتھ اپنی نجات وبہبودی کا خداوند عالم سے طالب ہو نہ یہ کہ اپنی تدبیر پر مغرور ہو جائے۔ مجھ بدبخت نے اپنی تدبیر میں کوشاں اور تقدیر سے غافل ہو کر وہ کثیر نقصانات اُٹھائے۔ کہ کسی نے نہ اُٹھائے ہوں گے۔

خلاصہ یہ کہ جب آدھی رات ہو گئی۔ میں نے ایلن کو بیدار کیا۔ اور خود اس کی جگہ پر لیٹ رہی۔ صبح کو جب اُٹھی۔ تو اس نے بیان کیا۔ کہ رات کئی شیر ہمارے مسکن میں اطراف میں آئے۔ ان کی آنکھوں کی چمک سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ بہت سے ہیں۔ لیکن بہ سبب آگ روشن ہونے کے کسی کو قریب آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ جب آفتاب طلوع ہونے لگا۔ تو وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور بجائے اس سڑک کو اختیار کرنے کے جو الہ آباد جا رہی تھی مشرق کی سمت روانہ ہو گئے۔ چونکہ ویل میں اتنی طاقت نہ تھی۔ کہ برابر ہمارے ساتھ ساتھ چلے۔ اس لئے اس کو گود میں لے کر چلنے سے مجھے اور ایلن کو راہ میں بڑی سخت زحمت ہوئی۔ آفتاب جوں جوں بلند ہوتا جاتا تھا۔ دھوپ کی تیزی بڑھتی جاتی تھی۔ ہم میں سے ہر ایک پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ میں نے اس تکلیف سے

بچنے کے لئے یہ دل میں قرار دیا۔ کہ کل سے رات کو تو سفر کیا کریں گے۔ اور دن میں کسی محفوظ مقام پر چشمہ کے قریب ٹھہر کر آرام کریں گے:

اس روز دو فرسخ راہ طے کرنے کے بعد ایک مسافروں اور فقیروں کے تکیے کی دیوار کا لنگرہ دکھائی دیا۔ چونکہ زمین میں نشیب و فراز بہت تھا۔ اس لئے بڑی زحمت اور بہت دیر کے بعد ہم اس کے قریب پہنچے۔ دور سے دیکھا۔ کہ کچھ لوگ اس تکیہ کے اطراف میں بیٹھے ہوئے بات چیت کر رہے ہیں۔ اور ہماری طرف ان کی نگاہ ہے۔ ہم نے اس خیال سے کہ انہیں کوئی بدگمانی پیدا نہ ہو۔ دلیرانہ قدم اُٹھایا۔ اور وہاں جا پہنچے۔ یہاں آ کر ایک بڑی جماعت لوگوں کی مختلف حیثیت سے نظر پڑی۔ کچھ لوگ تو ایک بوریے پر پڑے سو رہے تھے۔ کچھ دیوار کے پاس حلقہ باندھے بیٹھے تھے۔ اور حقہ پیتے ہوئے غدر کے واقعات بیان کر رہے تھے۔ گاڑیوں میں جتنے والے بہت سے بیل کھڑے گھاس کھا رہے تھے۔ رنگ برنگ کے گھوڑے، تھان پر بندھے زمین کو سموں سے اکھاڑ رہے تھے۔ بہت سے ہاتھی دیوار کے قریب کھڑے جھوم رہے تھے۔ بہت سے اونٹ زمین پر سینہ رکھے گردن اٹھائے ہوا لے رہے تھے۔ ادھر ادھر بہت سے سوار اور پیادے پرے جمائے بیٹھے تھے۔ جن کے اطراف میں بہت سے کجاوے پالکیاں رکھی ہوئی تھیں۔ ان سب سامانوں سے پتہ چلتا تھا۔ کہ کوئی بڑا متمول اور ذی حیثیت شخص مع اپنے اہل و عیال اور خدم و حشم کے سفر کر رہا ہے۔ اور اس مقام پر آرام کرنے کے لئے اتر پڑا ہے:

ہم یہ حالت دیکھ کر بہت گھبرائے۔ نہ تو اب لوٹ کر جا سکتے۔ نہ وہاں کوئی پنہاں ہونے کی جگہ تھی۔ اسی خانقاہ کے سامنے ایک چھوٹا سا ٹیلہ تھا جس پر کچھ مسافر بیٹھے ہوئے تھے ہمیں دیکھ کر انہوں نے اشتیاق ملاقات کا اظہار کیا۔ اور اس خیال سے اپنے پاس بلایا۔ کہ ہم ہندوستانی اور مغرب کی جانب سے آ رہے ہیں۔ شاید ہم سے غدر کی نسبت کوئی تازہ خبر معلوم ہو۔ غرضکہ ہم ان کی طرف بڑھے۔ دس قدم باقی ہوں گے۔ کہ ایک صوبہ دار نے آگے بڑھ کر بنگالی زبان میں ہم سے پوچھا:

صوبہ دار۔ تم کہاں سے آتی ہو؟ اور کہاں جاؤ گی؟

ہیں۔ ہم آگرے سے کشتی میں بیٹھ کر دریائے جمنا میں سفر کر رہے تھے۔ دو مرد بھی ہمارے ساتھ تھے۔ اتفاقاً کشتی ٹوٹ گئی۔ اور وہ دونوں غرق ہو گئے۔ ہم تینوں بدقت تمام کنارے تک پہنچے اور نجات پائی ؛

اس جواب سے اس کو اطمینان نہ ہوا۔ نگاہیں نیچی کئے برابر ہمارے پیروں کی طرف دیکھتا رہا۔ کیونکہ انگریزی جوتا پہنے ہوئے تھے جس کی وجہ سے اس کی بدگمانی بڑھی۔ اور ہندوستان کی کسی دوسری زبان میں ہم سے گفتگو کرنے لگا۔ جس کو میں مطلق نہ سمجھی۔ یہ صوبہ دار اس خیال سے۔ کہ اس زمانۂ پرآشوب و غدر میں کسی مقام کا حاکم خود مختار بن جائے۔ بہت سے سواروں کو اپنے ساتھ لئے ہوئے کہیں جا رہا تھا۔ اس شخص کی عمر تیس سال کی ہو گی۔ لیکن صورت ایسی ہیبت ناک اور پُر از مکر و حیلہ تھی۔ کہ میں نے ہندوستان کے کسی قوم و ملت میں یہ بات نہیں پائی۔ وہ ہمیں دیکھ دیکھ کر ہنستا تھا۔ لیکن اس کا ہنسنا ایسا ہی تھا۔ جیسے بلی چوہے کو پکڑ کر کچھ دیر اس کے ساتھ کھیلتی ہے۔ پھر چیر پھاڑ کر کھا جاتی ہے ؛ میں جب تک زندہ رہوں گی۔ اس کی پُرخوف صورت کبھی نہ بھولوں گی۔ بایاں ہاتھ تلوار پر رکھے ہوئے تھے۔ اور داہنے ہاتھ میں ایک کوڑا تھا۔ جسے بار بار ہلاتا تھا۔ وزدیدہ نظری سے ایلن کی طرف دیکھ کر مسکراتا تھا۔ اس کی اس بے شرمی اور بے حیائی سے ایلن کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ یہ بوالہوس بدطینت جھک جھک کر میرے کان میں کچھ ایسی ناسزا باتیں کہتا تھا۔ کہ جن کے ذکر کرنے سے مجھے شرم آتی ہے۔ اور اس کے بیان سے میری عفت و حیا مانع ہوتی ہے۔ ایلن اس گستاخی پر مثل مار سیاہ پیچ و تاب کھاتی تھی۔ اور غیرت کی وجہ سے پانی پانی ہوئی جاتی تھی۔ اس کا یہ غصہ بالکل بجا تھا۔ ہم لوگ ایسی گستاخی کے کہاں عادی تھے۔ وہ ہندوستانی جو ہمیشہ ہمارے سامنے آتے کانپتے تھے۔ سر ڈال کر چلتے تھے اور ادب سے بیٹھتے تھے۔ آج یہ ایسے خودسر بنے ہوئے ہیں ؛ ایلن کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ میرا بچہ ڈیل بھی ان کی گستاخی اور شرارت سے خشمگین ہوا۔ اور غضب آلودہ نگاہ سے اسے دیکھا۔ اور اس کے ہاتھ کو جھٹک کر انگریزی زبان میں کہا۔ "دور ہو" جوں ہی یہ کلمہ اس کی زبان سے نکلا۔ وہ تمام ہندوستانی جو وہاں آس پاس بیٹھے تھے اپنی اپنی

جگہ سے ایک دفعہ ہی اُٹھ بیٹھے۔ اور ہمارے گرد حلقہ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ شاید
دشمن کی فوج میں ایک گولہ پھٹنے سے بھی یہ وحشت پیدا نہ ہوتی ہو گی۔ جو انگریزی
کے اس حملے سے ہوئی۔ یہ معلوم ہوا۔ کہ تمام انگریزی فوجوں نے ان بدبختوں پر
حملہ کر دیا ہے۔ چنانچہ بعضوں نے طمنچہ اپنی اپنی کمروں سے کھینچ لئے۔ بعضوں نے نیام
سے چاقو نکال لئے۔ اور ہماری طرف دوڑ پڑے۔ وہ بے حیا صوبہ دار بھی تلوار برہنہ
کر کے ہمارے مقابل کھڑا ہو گیا۔ اول تو میں یہ سمجھی تھی۔ کہ اس کا مقصود ہماری نگہبانی
کرنا۔ اور شر اعداء سے بچانا ہے۔ لیکن یہ خیال غلط تھا۔ جب اس نے دیکھا۔ کہ ہمارا
انگریز ہونا ظاہر ہو گیا۔ اور سب اس کے رفقا ظاہر ہو گئے۔ اور ضرور ہے۔ کہ اب اس
لقمہ کو دو ہر دل کے ساتھ کھائے۔ تو خشمناک ہو کر ہم بے کسوں کی ایذا رسانی پر
دوسروں کا شریک بن گیا۔ ایک مرتبہ ہی ان دیو سیرت انسانوں نے ہم پر اس طرح
حملہ کیا۔ جس طرح باز کبک کوہ ساری پر جھپٹتا ہے۔ ان کے اس حملے سے میں ایلن
سے جدا ہو گئی۔ ہر چند اس مجمع میں اِدھر اُدھر نظر دوڑائی۔ لیکن کہیں اس کی صورت
دکھائی نہ دی۔ ایک گھنٹے کے بعد دور سے دیکھا۔ کہ ان وحشیوں کے ہاتھ سے رہا
ہو کر جنگل کی طرف بھاگی ہوئی جا رہی ہے۔ اور دو بد سرشت برابر اس کے پیچھے دوڑتے
چلے جاتے ہیں۔ کہ اس کو پکڑ کر کام تمام کر دیں۔ اتفاقاً ایک مقام پر چند ہندوستانی عورتیں
ایک خیمہ میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ایلن بے چاری اسی خیمہ میں جا چھپی جس اتفاق سے جو عورتیں
اس خیمے میں تھیں۔ ان کا شمار ہندوستان کے شرفا میں تھا۔ ان کے درمیان ایک عورت
زیادہ سن والی اور ذی وجاہت تھی۔ ایلن نے عاجزی سے اپنے کو اس کے سامنے
ڈال دیا۔ بمقتضائے انسانیت اس نے ایلن کے سر پر ہاتھ رکھ لیا۔ یعنی اس کو اپنی
پناہ میں لے لیا۔ یہ دیکھ کر وہ دو ہندوستانی سوار جو اس کے پیچھے پیچھے دوڑ رہے تھے
واپس چلے گئے۔ میں بھی جلدی سے ویل کو گود میں اُٹھا۔ اسی خیمہ کے اندر ہو رہی
تمام ہندوستانی خیمہ کے گرد جمع ہو گئے۔ اور شور مچانے لگے۔ کہ بیگم صاحبہ ان بدشعور معاندوں
کو آپ نے کیوں اپنی پناہ میں لے لیا۔ ان کو باہر نکال دیجئے۔ تاکہ ہم ان کو موت کا
ذائقہ چکھائیں۔ یہ انگریز ہرگز اس قابل نہیں۔ کہ ان کے ساتھ کسی قسم کی رعایت کی جائے

وہ راجہ جو اس مقام پر ٹھہرا ہوا تھا۔ ہندوستان کے متمولین اور معتبرین اشخاص میں سے تھا۔ اس کو سرکار انگلیشیہ سے ایک کثیر رقم بطور وظیفہ پنشن ملتی تھی۔ یہ الہ آباد کا رہنے والا تھا۔ تمام راجگان ہند کی تقلید میں اس نے بھی علم بغاوت بلند کیا۔ اور اب بہت سے سواروں کی جمعیت کے ساتھ انگریزوں سے لڑنے آگرے جارہا تھا۔ یہ بیگم جس کا ذکر اوپر ہوا۔ اس راجہ کی ماں تھی۔ افسوس اس بدبخت عورت نے ہماری بے کسی پر ذرا بھی رحم نہ کیا۔ اور ان ستم ایجادوں کے کہنے سے ہماری امید کے رشتہ کو منقطع کر ڈالا۔ اصلی واقعہ یہ تھا۔ کہ جب میری لڑکی خیمہ میں داخل ہوئی تھی۔ تو وہ بیگم اُردو وظائف پڑھنے میں مصروف تھی۔ اس لئے اس نے یہ پسند نہ کیا۔ کہ ذکر الٰہی کو چھوڑ کر کوئی اور بات کرے۔ لیکن اپنی عبادت سے فارغ ہونے کے بعد جب اس نے یہ جانا۔ کہ ہم انگریز ہیں۔ تو نہایت تنفر اور حقارت کے ساتھ بجبر ہم کو اپنے خیمے سے نکال دیا۔ ہمارا خیمے سے باہر آنا تھا۔ کہ وہ فتنہ و آشوب جو تھوڑی دیر کے لئے فرو ہو گیا تھا۔ پھر ایک مرتبہ برپا ہو گیا۔ اور راجہ کے نوکر چاکر اور سپاہیوں نے جو نہایت شریر اور خونخوار تھے۔ ہم کو گھیر لیا۔ کبھی ہم کو ایک دوسرے سے جدا کر دیتے تھے۔ کبھی کھینچ کھینچ کر ایک کو دوسرے کے پاس لاتے تھے۔ کبھی کسی طرف دوڑاتے تھے۔ کبھی کسی گوشے میں بٹھاتے تھے۔ خلاصہ یہ ہے۔ کہ کوئی قیدی کسی ظالم کے پنجے میں ایسا ذلیل و خوار نہ ہوا ہوگا جیسے ہم۔ اگر ہمارے ایک مرتبہ ہی گولی مار دیتے۔ یا دار پر کھینچ دیتے۔ یا چنیوں اور درندوں کا کھاجا بنا دیتے یا ہاتھی کے پاؤں سے باندھ دیتے۔ تو وہ ہمارے نزدیک ان صدمات سے سہل تر ہوتا اس کشمکش میں جو کچھ لباس ہم پہنے ہوئے تھے۔ پارہ پارہ ہو گیا۔ حسن اتفاق سے اس درمیان میں وہ اشرفیوں کی تھیلی جس کو میں نے شوہر کی کمر سے کھول کر اپنی کمر سے باندھا تھا کھُل پڑی۔ اور سب اشرفیاں بکھر گئیں۔ وہ لوگ فوراً ہم کو چھوڑ کر ان کے لوٹنے میں مشغول ہو گئے۔ میں موقع پا کر اپنے لڑکے اور لڑکی کی طرف دوڑی اور تینوں نے ایک دوسرے کو اس قدر مضبوط پکڑ لیا۔ کہ باغیوں نے اشرفیاں لوٹنے کے بعد لاکھ نا کھ کوشش کی۔ کہ ہم کو ایک دوسرے سے جدا کر دیں۔ نیزوں کی نوکیں بھی چبھوئیں تیغ بھی دکھائے۔ لیکن ہم کہاں علیحدہ ہونے والے تھے۔ انہوں نے غصہ ہو کر ہم کو

اسی صورت سے کھینچنا شروع کر دیا۔ اور ایک آگ کے ڈھیر پر لے جا کر کھڑا کر دیا۔ آگ دیکھتے ہی ہمارے اجسام میں لرزہ پڑ گیا۔ اور امید حیات جاتی رہی۔ اس عالم مایوسی میں میں نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ لیکن کسی کو حامی و مددگار نہ پایا۔ اتفاق سے میری نگاہ اس صوبہ دار پر پڑ گئی۔ اس وقت افسوس مجھے اس بات کا تھا۔ کہ اگر ابتدا میں اس کی کڑی باتیں جھیل جاتی۔ اور اظہار ملال نہ کرتی۔ تو یہ مصیبت نازل نہ ہوتی۔ ہر چند میں۔ نے اسے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ اور معذرت چاہی۔ اپنے حال پر رحم دلایا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ کیونکہ وہ راجہ سامنے بالا خانے پر بیٹھا ہوا ہمارے قتل ہونے کا تماشا دیکھ رہا تھا۔ اور یہ صوبہ دار نہایت ادب سے سینہ پر ہاتھ رکھ کر سامنے کھڑا ہو گیا تھا شاید اس خیال سے کہ ہمارا انگریز ہونا سب پر ظاہر ہو چکا تھا۔ اس نے کسی قسم کی سفارش مناسب نہ سمجھی۔ یا اس کینے سے کہ ہم نے اس کی بیجا خواہشوں کو پورا نہ کیا تھا۔ غرضکہ ہماری امید ہر طرف سے منقطع اور موت تیقن ہو گئی۔ ایلین اپنا سر میرے سینے سے لگائے ہوئے تھی۔ اور ویل بھوک و پیاس کی شدت سے میری گود میں ناتواں پڑا ہوا تھا۔ نہ ناگاہ میں نے دیکھا۔ کسی شخص نے میرے لڑکے کو میرے ہاتھ سے بجبر کھینچا۔ ۔۔۔ اس امید میں کہ شاید کوئی ہمارا نجات دہندہ ہے۔ اس کو چھوڑ دیا۔ لیکن گاڑھا گاڑھا دھواں اس قدر آنکھوں کے سامنے پھیلا ہوا تھا۔ کہ میں یہ نہ دیکھ سکی۔ کہ کون لے گیا۔ پھر ایک ہاتھ میرے شانے پر پہنچا۔ اور کسی نے مجھے اور ایلین کو اس آگ کے انبار سے جدا کر لیا۔ وہاں سے ہمارا ہٹنا ایسا تھا۔ جیسا مردہ کا قبر سے زندہ ہو کر نکلنا یا کسی کا نیست سے ہست ہونا۔ اس دست غیبی نے ہم کو آگ سے ہٹا کر ایک بلندی پر بٹھا دیا۔ اور وہ شخص خود مثل نجات کے مجسم دیوتا کے ہمارے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اور ان شریروں سے ہندوستانی زبان میں کچھ بات چیت کرنے لگا۔ میں نے ان لوگوں کو اس قدر اس کا مطیع پایا۔ کہ جس طرح ایک بادشاہ کی رعایا۔ ایک آقا کے ملازم فرماں بردار ہوتے ہیں۔ جو بات اس کے منہ سے نکلتی تھی۔ وہ جماعت اس پر اظہار اطاعت کر کے زمین خدمت کو بوسہ دیتی تھی۔ میں نے جب ذرا غور سے دیکھا تو معلوم ہوا۔ کہ یہ وہی سادھو یا درویش ہے۔ جس کو جمنا کے کنارے شہر دہلی کے

قریب میرے لڑکے نے ایک روپیہ بطور صدقہ دیا تھا۔ اب اس نے اس قلیل صدقے کے بدلے میں اس قدر بڑا احسان ہمارے ساتھ کیا۔

اس فقیر کو دیکھ کر مجھے سخت تعجب ہوا۔ دل میں کہتی تھی۔ یہ وہی گدائے بے سروپا اور درویش بے برگ و نوا ہے۔ جو سر سے پاؤں تک مٹی میں بھرا جمنا کے کنارے پڑا تھا۔ یہ وہی سادھو ہے۔ کہ جس کے بال اس قدر پریشان تھے۔ کہ عمر بھر ان میں کنگھی ہونے کا احتمال بھی نہ ہو سکتا تھا جس کی ڈاڑھی میں جب سے جوان ہوا اصلاح کی نوبت ہی نہیں آتی۔ ایسا معمولی آدمی اور اس قدر صاحب اعزاز کہ جوں ہی اس نے اپنے ہاتھ سے ان خونخواروں کو اشارہ کیا۔ فوراً سب ہم سے علیحدہ ہو گئے۔ اور بہت دور حلقہ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ اور کہنے لگے "اے سید و آقا ہمارے برائے خدا ان فرنگیوں کی رعایت نہ کیجئے۔ سالہا سال سے ہم ان کے ہاتھوں سختی اُٹھا رہے ہیں۔ سو برس سے زیادہ ہوئے۔ کہ ان کے دست قہر میں اسیر و ذلیل ہیں۔ نہ یہ ہمارے دین کی رعایت کرتے ہیں۔ نہ مذہب کی نہ ہمارے فائدے کے خواہاں ہیں۔ نہ اپنے وعدے کو وفا کرتے۔ مختلف طریقوں سے ہماری بضاعت لوٹ لیتے ہیں۔ ہمارے معابد کی حرمت ہمارے علما کی عزت ذرا ان کی نگاہ میں نہیں۔ اپنے پادریوں سے تحریک کرتے ہیں۔ کہ ہم کو اپنے آبا و اجداد کے دین سے برگشتہ کر کے دین نصاریٰ میں داخل کریں۔ انہوں نے ہمارے عزیزوں کو ذلیل کیا ہے۔ اور شاہی خاندان کے درمیان مخالفت پیدا کر کے سب کو منتشر اور پراگندہ کر دیا ہے۔ اور ریاست و سلطنت ان کی ضبط کر لی ہے۔ ہمارے دین کی عزت اور وطن کی آبرو کو بہ سبب آزادی کے مسکرات کی بیع میں برباد کر دیا ہے۔ طرح طرح کے باجے ایجاد کر کے ہماری دولت کو لوٹ لیا ہے۔ ہم کو یہ لوگ وحشی اور غیر مہذب کہتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو باوجود انتہائی بے مروتی کے انسان کامل سمجھتے ہیں۔ آپ ان کے حامی نہ ہوجئے۔ اور ہمیں دے دیجئے۔ تاکہ ہم راجہ اور ان کی والدہ ماجدہ اور بیگمات کے سامنے تینوں کو آگ میں جلا دیں۔ اور اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑیں"۔

درویش نے یہ تقریر سن کر کوئی صاف جواب ان کو نہ دیا" صرف اسی قدر اشارہ سے ان پر ظاہر کیا۔ کہ "یہ لوگ میری حمایت و حفاظت میں ہیں۔ اور ایک خاص وجہ سے میں نہیں چاہتا۔ کہ ان کو کوئی صدمہ پہنچے"

میں نے پہلے یہ ضرور سنا تھا۔ کہ ہندوستان میں درویشوں کی بڑی قدر ہے۔ لیکن یہ نہ سمجھتی تھی۔ کہ لوگ ان کی اس قدر اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہیں۔ درویش کا اشارہ پاتے ہی۔ وہ خونخوار اشرار ایک ایک دو دو کر کے ہم سے علیحدہ علیحدہ ہو گئے۔ اور ہم کو اسی ٹیلہ پر جہاں ہم تھے۔ اپنے حال پر چھوڑ دیا۔ جو آگ ہمارے جلانے کو مہیا کی گئی تھی۔ وہ سرد ہونی شروع ہو گئی۔ درویش ہمارے قریب ہی زمین پر مانند سگ پاسبان کے پڑا ہوا تھا۔ ایلین اپنی عریانی کے سبب شرم سے پانی پانی ہوئی جاتی تھی۔ اور آنکھ اٹھا کر کسی طرف نہ دیکھتی تھی۔ میں اس کی اس حالت سے سخت افسردہ ہوئی جاتی تھی۔ ویل بھوک سے تڑپ رہا تھا۔ بار بار مجھ سے روٹی کا سوال کرتا تھا۔ میں نے اپنا سر آسمان کی طرف بلند کر کے اس نجات کا اول تو شکریہ ادا کیا۔ اور پھر کشائش کار کی دعا مانگی ؛

خدا کی شان دیکھو۔ ہندوستان میں ایک لاکھ سے زیادہ فقیر ہوں گے۔ اور میں نے ان میں سے کیا پانچ ہزار کو بھی صدقہ نہ دیا ہو گا؟ مگر یہ عجیب بات تھی۔ کہ شورش سے چند روز قبل میں نے اپنے لڑکے کے ہاتھ سے اس فقیر کو صدقہ دلایا۔ اس نے اس حقیر صدقے کے بدلے میں ہم تین آدمیوں کی جان مول لے لی۔ بے شک یہ کام بجز تقدیر آسمانی اور فضل یزدانی نہیں تھا۔ ورنہ ہم کو ان واقعات کی کیا اطلاع تھی۔ پر سچ کسی نے کہا ہے۔ کہ ہاتھ کا دیا کسی نہ کسی وقت کام آ ہی جاتا ہے ؛

خلاصہ یہ کہ اس درویش سے ہماری پہلی ملاقات تو وہی تھی۔ جو شورش سے چند روز قبل ہوئی تھی جس کا ذکر میں اوپر کر چکی ہیں ہر مرتبہ اس کی زبان سے کچھ کلمات نکلے تھے۔ اول جب کہ وہ راہ روکے پڑا تھا۔ اور میرے داماد نے اپنے سپاہیوں کو اس کے ستانے کا حکم دیا تھا۔ تو وہ یہ فقرہ زبان پر لایا تھا "ٹھہر جاؤ بہت جلد راستے کھلے جاتے ہیں" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ شورش ہوتے ہی تمام راہیں ہندوستانیوں کے آنے جانے کے لئے کھل گئیں۔ اور انگریزی عمل دخل اٹھ گیا۔ دوسری بار اس نے میرے

شوہر سے مخاطب ہو کر کہا تھا " بہت جلد خدا کے عبادت گزار بندے غالب آئیں گے " پس اس کے خیال کے موافق ہوا۔ کیونکہ یہاں کے ہندوؤں اور مسلمانوں یہی عقیدہ ہے۔ کہ ان کا دین حق اور ہمارا دین باطل ہے ؛

تیسرے اس وقت کہا تھا جبکہ میرے ویل نے اُسے صدقہ دیا تھا " اے لڑکے یہ جو صدقہ تو نے مجھے دیا ہے۔ تیرا فدیہ ہوگا " دونوں پہلے کلام تو اس کے بے کم و کاست وقوع میں آ گئے۔ پس کیا تیسری بات بھی اسی طرح پوری ہو جائے گی ؟ اور میرا طفل عزیز اپنے باپ اور بہنوئی کی طرح ہلاک ہو جائے گا۔ اور میں اُنس فراق اور سوزش ہجر میں شب و روز تڑپا کروں گی ؛ اُف یہ پیدا کئے کی محبت بھی کیا ہوتی ہے۔ یہ خیال آتے ہی سارے بدن میں لرزہ پڑ گیا۔ اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو بہنے لگے ابھی میں اپنے خیال میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کہ ناگاہ پھر ایک شور سنائی دیا۔ معلوم ہوا۔ کہ یہ لوگ جو یہاں قیام پذیر تھے۔ اب یہاں سے کوچ کر رہے ہیں۔ کیونکہ مدت قیام و آسائش ختم ہو گئی تھی۔ سب نے اپنا اپنا سامان درست کیا۔ بگل بجا اور فوج باغیوں کی چل پڑی۔ پھر راجہ تخت رواں پر بیٹھ کر چلا۔ اس کے تخت کے پیچھے پیچھے اس کی ماں اور بیگمات کے تخت تھے۔ ان کے پیچھے بہت سے ہاتھی۔ اونٹ اسباب سے لدے ہوئے تھے۔ ان سب کی راہ اس ٹیلے کے نیچے سے تھی جس پر ہم بیٹھے ہوئے تھے۔ جوں ہی سوار نزدیک آ گئے۔ درویش جو کہ اس وقت سو رہا تھا۔ اُٹھ بیٹھا اور ہندوستاں کی زبان میں کچھ کلمات مُنہ سے نکالے۔ فوراً ان میں سے ایک سوار نے پیادہ ہو کر درویش کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ اور چند پیسے اس کے سامنے ڈال دیئے۔ اسی طرح سواروں سے لے کر راجہ تک جو کوئی اوپر سے گزرتا تھا۔ کچھ نقد۔ روٹی یا کپڑا نہایت ادب و احترام کے ساتھ اس کے سامنے رکھا جاتا تھا جب وہ سب لوگ نکل گئے۔ تو درویش نے مجھ کو آواز دی۔ اور جو کچھ اس کے سامنے رکھا ہوا تھا۔ سب مجھے دے دیا۔ اس میں ہمارے لئے کئی دن کی خوراک تھی۔ اور اتنا لباس بھی تھا۔ کہ اپنے اجسام کو اچھی طرح چھپا سکیں ؛

یہ کارروال سراجنہیں ہم اس وقت سے اب تک اس تھلکہ میں گرفتار رہے

جیساکہ سابقاً اشارہ ہوا۔ ان سراؤں میں سے تھی۔ جو متمول لوگ پرانے زمانے میں محض بغرض ثواب بنوایا کرتے تھے۔ وضع کے لحاظ سے یہ صورت ہوتی تھی۔ کہ چاروں طرف پکی دیوار کا احاطہ۔ اس کے اندر چند رہنے کے لئے مکانات اور ایک باہر جانے کا دروازہ ہوتا ہے۔ اسی میں جانوروں کے لئے بھی کچھ مقامات بنا دیتے جاتے ہیں۔ یہ مکانات حد درجہ لپت اور تاریک ہوتے ہیں۔ نہ ان میں کوئی فرش ہوتا ہے۔ نہ اسباب نہ انگریزی ہوٹلوں کی طرح کوئی محافظ و نگہبان۔ نہ اسباب عیش و آرام۔ جب تک کوئی قافلہ وہاں مقیم رہتا ہے۔ آبادی معلوم ہوتی ہے۔ اور جب وہاں سے کوچ کر جاتا ہے۔ تو ویران و سنسان ہو جاتا ہے٭

خلاصہ یہ کہ اس احسان و نیکی کی وجہ سے جو فقیر نے ہمارے ساتھ کی۔ ہم نے اس کے کثیف لباس اور بودار جسم سے ذرا کراہت نہ کی۔ بلکہ اس کے جسم کی بدبو ہم کو مشک سے زیادہ خوشبودار معلوم ہوتی تھی۔ اور اس کی کریہہ المنظری اور بدقوارگی ہمارے لئے محاسن و محامد کا مجمع تھی۔ وہ بہ کمال شفقت و مہربانی ہم کو کارواں سرائے کے اندر لے گیا۔ اور اس کے گوشے میں ایک چھوٹے سے مکان کے اندر جہاں ایک حوض بھی تھا۔ ہمارا محل اقامت قرار پایا٭

یہ خلوت گاہ اس طریقے سے واقع ہوئی تھی۔ کہ باہر آنے والا چند ایوان اور دالان سے گزر کر یہاں تک پہنچتا تھا۔ اگر اس کا مستحکم دروازہ بند کر دیا جاتا۔ تو پھر کسی کا داخل ہونا غیر ممکن تھا۔ بلکہ کسی کا وہاں رہنے کا تصور و احتمال بھی نہ ہو سکتا تھا۔ کچھ معمولی سی ہدایتیں کرنے کے بعد درویش باہر چلا گیا۔ اور تھوڑی ہی دیر میں گھاس کا ٹرا گٹھر باندھے ہوئے واپس آیا۔ اور ہم سے کہا۔ لو اسے بجائے فرش کے بچھالو اور کہیں اس مکان سے باہر نہ جانا۔ کم از کم پندرہ روز کا کھانا تمہارے لئے موجود ہے۔ کیا بعید ہے۔ کہ اس مدت میں خداوند عالم تمہارے لئے کشائش پیدا کرے۔ اور دشمن دوست ہو جائیں۔ یا دوستوں کا گروہ ادھر سے گزر کرے اور تم کو قید غم سے رہائی دے٭

اتنا کہہ کر وہ باہر چلا گیا۔ اور دم کی دم میں ہماری نظروں سے غائب ہو گیا٭

ہم پہلی بار اس گوشہ امن وامان میں نہایت اطمینان سے سوئے۔ جسم کی خستگی وکسالت دفع ہو گئی۔ لیکن جس وقت اپنے شوہر و داماد کا خیال آجاتا تھا۔ ایک سرد آہ دل پر درد سے نکل جاتی تھی۔ اور بے ساختہ آنکھوں میں آنسو بھر آتے تھے۔ دوسرے روز جب بستر خواب سے اُٹھے۔ میں اپنے اس تنگ محبس میں ٹہلنے لگی۔ ناگاہ میری نظر ایک لکڑی کے دروازے پر پڑی جو بکمال استحکام اس کوٹھری کے ایک گوشے میں لگا ہوا تھا۔ میں نے دل میں کہا۔ کہ یہ دروازہ کس طرف کو کھلتا ہے۔ اور کیوں بند ہے۔ چونکہ انسان بالطبع ان چیزوں کی طرف حریص ہوتا ہے۔ جس سے اسے روکا جائے لہذا میں نے کشف حال کے لئے اس دروازہ کو کھولنا چاہا۔ اول یہ خیال کر کے۔ کہ آسانی سے کھل جائے گا۔ اس کے قفل کو توڑ دیا اور زور دیکر کھولنے لگی۔ لیکن وہ باوجود میری تمام طاقت و کوشش کے نہ کھلا۔ تب تو میں نے ایلن کو بلا کر کہا۔ کہ آ تو ہم دونوں مل کر اس دروازے کو کسی تدبیر سے کھولیں۔ شاید اسی کے ذریعے سے کوئی فرار کا راستہ سمجھ میں آجائے۔ ہم دونوں نے مل کر ہر چند زور کیا۔ مگر وہ کہاں کھلنے والا تھا۔ بارہ روز متواتر ہم اسی کوشش میں سرگرم رہے۔ تیرھویں روز صبح کو بمشکل تمام ہم نے اس کے بازوں کو اُکھاڑ ہی ڈالا۔ مگر افسوس ہماری امید کے بالکل خلاف ظاہر ہوا۔ یہ صرف ایک کارواں سرائے کا مخصوص دروازہ تھا جس کو سرائے دار نے اپنے رہنے کے لئے منتخب کیا تھا۔ قافلہ کے چلنے کے بعد وہ بھی اس کو بند کر کے کہیں چلا گیا۔ فضول اس کام میں ہم نے اتنا وقت صرف کیا۔ اسی حجرے میں ایک روشن دان تھا۔ مگر نہایت چھوٹا۔ ہم نے اس کے قریب جا کر دیکھا۔ تو نہایت سبز و شاداب ایک جنگل نظر آیا۔ جس میں ایک نہایت طولانی درہ بھی تھا جس سے اس سرائے کے وارد ہونے والے مسافر آتے جاتے تھے۔

فصل گرما میں جبکہ بارش کا نام ونشان نہیں ہوتا۔ ہندوستان میں مسافر لوگ جب کسی کارواں سرائے میں پہنچتے ہیں۔ تو دنوں کو سراؤں کی دیواروں کے سائے میں اور راتوں کو آسمان کے نیچے بے کسی پناہ کے آرام کرتے ہیں۔ پس ہم ایک مقام پر تھے کہ مسافروں کی آمد و رفت کا کوئی خطرہ ہی نہ تھا۔ چنانچہ برابر لوگ وہاں آتے جاتے تھے۔

مگر کسی کو ہمارا پتہ نہ چلتا تھا ؎

ایلن ۔ اماں جان آؤ ۔ اس دیوار میں ایک دروازہ پھوڑلیں کبھی کبھی اس کے ذریعہ سے سامنے والے جنگل میں چلے جایا کریں گے ۔ اور وہاں سے کچھ پھلار اور ترکاری کھانے کے واسطے لے آیا کریں گے ؎

میں ۔ یہ رائے ہے ۔ تو بہت مناسب مگر اتنا ڈر ہے ۔ کہ ہندوستانی سانپ بڑے زہریلے ہوتے ہیں ۔ پس اگر کوئی اس جنگل سے بذریعہ در کے ہمارے حجرے میں آ گھسا ۔ اور کسی کے کاٹ لیا ۔ تو کیا ہوگا "بھٹ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان" نابی بی بس اسی روشنی پر قناعت کرو ؎

خلاصہ یہ ہے ۔ کہ کئی روز تک برابر ہمارا صرف یہی کام رہا ۔ کہ اس چھوٹے سے روشن دان کے ذریعے سے راستے کو دیکھا کرتے تھے ۔ انگریزی فوج کے اس طرف سے گزرنے کا ہمیں بے انتہا انتظار تھا ۔ ایک دو ہفتے ہم نے اسی صورت سے لبسر کئے سترھویں روز طلوع آفتاب کے وقت میں دید بازی میں مشغول تھی ۔ ایلن بھی میرے پاس کھڑی تھی ۔ جو کوئی سامنے والی سڑک سے آتا تھا ۔ ہم سمجھتے تھے ۔ کہ انگریزی فوج آرہی ہے ۔ چار گھنٹے پورے اسی بیہودہ انتظار میں کھڑے کھڑے گزر گئے ۔ مفت اپنے چشم وجسم کو تعاقب میں ڈالا مجھے تو خاک بھی نظر نہ آتا تھا ۔ البتہ ایلن نے اس درہ کی طرف کسی قدر غیر معمولی سیاہی محسوس کر کے مجھ سے کہا ؎

ایلن ۔ اماں جان دیکھا ۔ اس درہ کی طرف بہت دور وہ میری انگلی کے سامنے کچھ سیاہی سی معلوم ہوتی ہے ۔ کیا بعید ہے ۔ کہ کوئی قافلہ ہو؟

میں ۔ (بہت دیر غور کر کے) بیٹا میری بڑھاپے کی نظر ایسی کہاں ۔ جو اتنی دور کی چیز نظر آجائے ۔ تو ہی غور کر کے دیکھ ؎

ایلن برابر ٹکٹکی باندھے اسی طرف کو دیکھے جاتی تھی ۔ کچھ دیر میں وہ سیاہی اور قریب محسوس ہونے لگی ۔ اور ایک پندرہ ہی منٹ کے بعد معلوم ہوا ۔ کہ ایک بہت بڑا قافلہ ہماری طرف آرہا ہے ۔ لیکن ہم نہیں جانتے تھے ۔ کہ اس کا ورود ہمارے لئے باعث مسرت وشادمانی ہوگا ۔ یا موجب زحمت وکلفت روحانی ۔ یعنی یہ انگریزوں کی

فوج ہے۔ جو ہم کو پناہ میں لے کر اس مصیبت سے نجات دے گی۔ یا باغیوں کی جماعت ہے۔ کہ یہاں پہنچتے ہی ہم سب کو ہلاک کر ڈالے گی۔ اور یہ بھی خیال ہوتا تھا۔ کہ شاید ان دونوں میں سے۔ ایک بھی نہ ہوں۔ بلکہ کچھ تجار ہوں۔ کہ اپنا سامان تجارت اونٹوں اور ہاتھیوں پر بار کئے لئے جاتے ہوں۔ اور کیا بعید ہے۔ کہ تاجر بھی نہ ہوں۔ بلکہ کوئی ہم ہی جیسے بدبختوں اور ستم کشیدہ لوگوں کا گروہ ہو۔ جو شمال و مشرق کے باغیوں سے تباہ حال ہو کر اس سمت آ رہا ہو۔ ہم کو سیاہی کے معلوم ہونے نے زیادہ شبہ میں ڈال دیا تھا۔ میں ایلن سے کہتی تھی۔ کہ اگر یہ لوگ ہندوستانی ہوتے۔ تو ان کے سفید کپڑے دور سے سیاہ نہ دکھائی دیتے۔ اور اگر یہ انگریزی فوج ہوتی۔ یا باغیوں کا رسالہ ہوتا۔ تو ان کی وردی سرخ ہونی چاہئے تھی۔ سیاہ کیسی۔ غرضکہ جس قدر وہ لوگ نزدیک ہوتے جاتے تھے۔ ہمارا تحیر بڑھتا جاتا تھا۔ ہر چند نگاہ جما جما کر دیکھتے تھے۔ بہت کچھ عقل سے کام لیتے تھے۔ مگر یہ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ کہ یہ کون لوگ ہیں۔ اور کہاں سے آتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اس قدر نزدیک ہو گئی۔ کہ ایلن نے ان کو پہچان لیا! اور افسوس کے لہجے میں کہا٭

ایلن۔ اماں یہ تو میرے خیال سے کوئی پچاس ساٹھ عورتیں ہی عورتیں ہیں جن کے لباس سر سے پاؤں تک سیاہ ہیں۔ قرینے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ مثل ہمارے یہ بھی سوگوار غم اور مورد رنج والم ہیں٭

میں۔ کیا کوئی مرد ہے ہی نہیں؟

ایلن۔ (غور سے دیکھ کر) نہیں اماں جان۔ کوئی بیس انگریز سوار اور پیادے بھی ان کے آگے پیچھے معلوم ہوتے ہیں٭

یہ جماعت ہمارے مقام سے ایک تیر کے فاصلے پر آ گئی۔ تو ہمارے دل میں ان کی آمد سے بہت خوشی پیدا ہوئی۔ میں نے بے اختیار مسرت کے نعرے بلند کئے زیادہ نزدیک آنے پر معلوم ہوا۔ کہ وہ دہلی کی تمام تارک الدنیا عورتیں تھیں۔ میں فوراً ان کے استقبال کو بڑھی۔ اور بڑے تپاک سے معانقہ کیا۔ لیکن افسوس یہ خوش حالی بھی ہماری زیادہ دیر تک نہ رہی۔ کیونکہ دوبارہ جب میں نے ذرا غور سے دیکھا۔

تو معلوم ہوا۔ کہ وہ لوگ ہم سے بھی زیادہ تباہ حال و پریشان خاطر ہیں۔ بیں سمجھی تھی۔
کہ یہ میرے لئے باعث نجات ہوں گے۔ مگر وہاں معاملہ برعکس تھا۔ انہوں نے ہمیں
سے پناہ ڈھونڈی۔ جو سواران کے ساتھ تھے۔ وہ غریب عورتوں سے زیادہ مصیبت
زدہ تھے۔ لڑتے لڑتے ہتھیاران کے شکستہ ہو گئے تھے۔ جسم مجروح تھے۔
لباس ٹکڑے ٹکڑے۔ ٹوپیاں سر کے خون سے رنگین۔ وردیاں خون آلود + مختصر
یہ کہ جس وقت ہم اس بدبخت قافلہ سے ملے۔ اور انگریزی زبان میں بات چیت کی۔ تو
وہ سب اس خیال سے خوش ہوئے۔ کہ ہم فرنگیوں کی کوئی بڑی جماعت اس مکان
میں پناہ گزیں ہے۔ جو ان کو پناہ دینے میں کافی مدد دے گی لیکن جس وقت ہم نے
اپنی غم اندوز حکایت اور حسرت آمیز سرگزشت بیان کی۔ اور انہوں نے یہ سمجھ لیا
کہ اس مکان میں بجز ہم دو مصیبت زدہ عورتوں اور ایک لڑکے کے کوئی دوسرا نہیں۔
تو حزن و یاس سے چہروں پر مردنی چھا گئی۔ میں نے جب ان سے استفسار حال کیا
تو دریافت ہوا۔ کہ یہ تارک الدنیا عورتیں ہماری طرح شورش و فتنہ کے وقت دہلی سے
نکل کر آگرہ کی طرف جا رہی تھیں۔ تاکہ وہاں سے اور کچھ عورتوں کو ساتھ لئے
ہوئے براہ راست الہ آباد چلی جائیں۔ راہ میں معلوم ہوا۔ کہ باغیوں نے راہیں گھیر
لی ہیں۔ جو کوئی ادھر سے گزرتا ہے بے دریغ قتل کر ڈالتے ہیں۔ مجبوراً وہاں سے
لوٹیں اور کانپور کا راستہ اختیار کیا۔ راستہ میں جو کوئی زخمی سپاہی یا مصیبت زدہ عورت
ملتی تھی۔ اس کو اپنے ساتھ لیتی ہوئی چلی آتی تھیں۔ چنانچہ کچھ مدت میں یہ پریشان
حال لوگوں کا ایک گروہ بن گیا۔ میں نے اس سے قبل کبھی انگریزی یا ہندوستانیوں
کا فلک ستایا قافلہ دیکھا تھا۔ ان کی صورتوں پر نظر کرنے سے دل بے چین ہوتا تھا۔ جوان
بوڑھے سب شکستہ دل اور تباہ حال تھے۔ چہروں پر زردی۔ ہونٹ خشک لب پر
آہ۔ پریشان مو۔ پراگندہ گیسو۔ آنکھیں سوج گئی تھیں۔ پاؤں چلتے چلتے ورم کر آئے
تھے۔ بھوک پیاس سے یہ عالم تھا۔ کہ پوری طرح بات منہ سے نہ نکلتی تھی۔ یہ بیچاری
عورتیں مختلف سن اور مختلف طبقوں کی تھیں بعض ناکتخدا تھیں۔ بعض تازہ دلہنیں
بعض بوڑھیاں کسی کے ساتھ بچہ۔ کوئی بے اولادی۔ یہ فقط اس امید پر زندہ تھیں

کہ شاید ملکہ انگلستان کی فوجیں آجائیں۔ اور ان کو اپنے ساتھ لے کر اس مہلکہ سے نجات دیں۔ حالانکہ یہ صرف ان کا خیال ہی خیال تھا۔ اگر چند انگریزی پلٹنیں آ بھی جائیں۔ تو کیا تمام ہندوستان کے مقابل ان کی فتح وظفر کی امید ہو سکتی تھی؟ سارے ملک میں جب ہل چل مچی ہوئی تھی۔ اور ہندو مسلمان سب نے انگریزوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا ہے۔ تو کیوں کر صورت نجات کی نکل سکتی ہے:۔

ہر طرف باغی گرسنہ بھیڑیوں کی طرح ہم لوگوں کے کھوج میں دوڑے پھرتے ہیں۔ کوئی گروہ قتل پر آمادہ ہے۔ کوئی مال و دولت لوٹ رہا ہے۔ کوئی مکانات میں آگ لگا رہا ہے۔ کوئی ستم رسیدوں کی گرفتاری میں مشغول ہے۔ کوئی حیلہ بازی اور فریب دہی سے کام نکال رہا ہے۔ غرضکہ عجب ایک طوفان بے تمیزی برپا ہے۔ ایسی حالت میں کیا امید نجات ہو سکتی ہے۔ ہاں اتنا کہہ سکتے ہیں۔ کہ یہ تارک الدنیا عورتیں چونکہ اکثر ہندوستانیوں کے بچوں کو تعلیم دیتی تھیں۔ اس خیال سے شاید وہ کچھ ان کے ساتھ رعایت کر جائیں۔ ورنہ ہم کو تو اپنے لئے کسی قسم کے رحم کی امید تھی ہی نہیں؟ غرضکہ ان سب عورتوں کا یہ ارادہ تھا۔ کہ اس سرائے میں بسر کر کے علی الصباح پھر کوچ کر دیں:

رسم و عادت کے موافق گرمی کی فصل میں سونا تو صحن میں چاہئے تھا۔ مگر یہ سب لوگ جان کے خوف سے حجروں میں گھس گئے۔ اور دروازے بند کر لئے۔ بیمار بیمار تو سب ایک حجرے میں ہو گئے۔ اور عورتیں اور لڑکے دوسرے حجرے میں چلے گئے۔ زخمی اور دوسرے مرد تیسرے حجرے میں جا لیٹے۔ یہ سرا اس وقت سرا نہ تھی۔ بلکہ بیمار گھر یا شفاخانہ معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ سب برابر برابر لیٹے ہوئے آہستہ آہستہ کراہ رہے تھے۔ جب وقت نماز کا آیا۔ پادری نے آگے کھڑے ہوئے۔ نماز پڑھائی۔ اور سب نے بلا کسی فرقہ کی تمیز کے اس کے پیچھے فرض الٰہی کو ادا کیا۔ اور درگاہ خدا میں نہایت خضوع و خشوع سے اپنی خلاصی کے لئے دعا مانگی:

ظہر کے قریب ہندوستانیوں کی ایک جماعت اس سرائے کے قریب آ کر اتری اور تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد چل کھڑی ہوئی۔ ان کو اس کا پتہ ہی نہیں چلا۔ کہ اس

کے اندر کوئی ہے بھی یا نہیں۔ اگر پتہ چل بھی جاتا۔ تو ہم کو ان سے کسی مضرت کا خوف نہ تھا۔ کیونکہ یہ لوگ تعداد میں بہت کم تھے۔ اور کوئی ہتھیار پاس نہ تھا۔ البتہ یہ ضرور ممکن تھا۔ کہ معلوم ہونے پر باغیوں سے ہمارا حال بیان کر دیتے۔ اور ان کے شریک ہو کر ہمیں لوٹتے اور قتل کر دیتے۔ خدا کا یہ بھی فضل ہی ہوا۔ کہ وہ جلدی سے منہ کالا کر گئے۔ اور ہم کو فکر سے نجات مل گئی۔ جب آفتاب قریب غروب ہوا۔ ہم میں سے کچھ لوگ سرائے سے باہر گئے۔ اور بقدر ضرورت چشمہ سے پانی لے آئے۔ جس قدر سوکھی گھاس جمع ہو سکی لا کر اپنے چوپاؤں کے سامنے لا کر ڈال دی۔ خیال تھا۔ کہ یہ رات نہایت آرام سے بسر ہو گی۔ مگر آرام تو ایک عرصے سے ہم سے بھاگا بھاگا پھرتا تھا۔ وہ کہاں اور ہم کجا۔ وہ معمولی خوشی فوراً غم سے بدل گئی۔ جبکہ اس گورے نے جو باہر والے دروازے کا محافظ تھا۔ بہ حالت پریشان یہ خبر آ کے بیان کی۔ کہ دور سے کچھ سوار آتے دکھائی دیتے ہیں۔ ابھی یہ پتہ نہیں چل سکا۔ کہ دوست ہیں۔ یا دشمن۔ غیر ہیں۔ یا اہل وطن ؛

ایک۔ تم نے یہ بھی دیکھا۔ کہ اُن کے لباس کیسے ہیں ؟

پہرہ دار۔ دور سے تو مجھے سرخ وردیاں معلوم ہوتی ہیں ؛

دوسرا۔ خوش ہو کر بس تو پھر کیا ہے۔ انگریزی فوج آ گئی ؛

تیسرا۔ ابھی سے اس کا کیونکر یقین کر لیں۔ کہ وہ ہمارے ہم وطن ہی ہیں۔ کیا باغیا کے ہندوستانی سرخ وردیاں نہیں پہنتے ؟

چوتھا۔ اچھا پھر اب کیا کرنا چاہئے ؟

پانچواں۔ مرنے کی تیاری ؛

چھٹا۔ دیکھو عزیز و قسمت کا لکھا تو مٹتا نہیں۔ مگر اپنی سی تدبیر ضرور کرنا چاہئے۔ اس وقت ہمارے درمیان دو فوجی سردار ایسے ہیں۔ جن کے جسم پر خدا کے فضل سے کوئی زخم نہیں۔ ایک باجا بجانے والے کا سردار۔ اور دوسرا پچاس سواروں والا سردار ان دونوں کو دروازے پیچھے نگہبانی پر چھوڑ کر گھوڑوں اور بیلوں کے منہ خوب زور سے باندھ دو۔ اگر یہ لوگ باغی سپاہیوں میں سے ہوں گے۔ تو سرائے

کے اندر نہ آئیں گے۔ بلکہ باہر ہی قیام کریں گے۔ پس ایسا نہ ہو۔ کہ اس وقت ہمارا کوئی گھوڑا یا بیل آواز کرنے لگے۔ اور وہ مطلع ہو کر ہم سب پر ٹوٹ پڑیں ؛

قاعدہ ہے۔ کہ جب تک انسان نازونعمت اور عیش و سعادت میں رہتا ہے۔ اس پر غفلت چھائی رہتی ہے۔ اور جب سختی و مصیبت کا سامنا ہوتا ہے۔ تو چشم و گوش دونوں کھل جاتے ہیں۔ اور سارا نشہ ہرن ہو جاتا ہے۔ میں چونکہ اس جماعت میں سب سے زیادہ مصیبت زدہ تھی۔ اور ان ایام میں بہت سے خطرات جانی اور سوانح ناگہانی دیکھ چکی تھی۔ اس وقت سیماب کی طرح بے قرار تھی۔ ہر چند دل کو سمجھاتی تھی۔ مگر ذرا اثر نہ ہوتا تھا۔ جب زیادہ بے چین ہوئی۔ تو میں ان دونوں سرداروں کے پاس جا کر جو دروازے پر حفاظت کے لئے متعین ہوئے تھے۔ پاس بانی میں شریک ہو گئی۔ میرا لڑکا وہیں دو چار ہم سن لڑکوں کے ساتھ سرائے کے صحن میں کھیل رہا تھا۔ اور میری لڑکی عورتوں کے بیچ میں بیٹھی اپنی سرگزشت بیان کر رہی تھی ؛

دو منٹ نہ گزرے ہوں گے۔ کہ ان دونوں میں سے ایک سردار نے ایک مرتبہ ہی غل مچایا۔ اور دروازے کے اندر آگیا۔ میں نے ہر چند پوچھا۔ کیا ہوا؟ کیا حادثہ پیش آیا۔ مگر خوف سے اس کی زبان بند تھی۔ چہرہ کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ تمام جسم میں رعشہ تھا۔ نہایت وحشت و اضطراب کے ساتھ بغیر مجھے کسی قسم کا جواب دیئے اپنے رفیقوں کے پاس یہ فریاد کرتا چلا:۔

"اُف! غضب آگیا۔ یہ وہی ہندوستانیوں کی فوج ہے۔ جس کا میں سردار تھا"!

یہ الفاظ سنتے ہی سب کے چہروں پر مردنی چھا گئی۔ ہوش و حواس گم ہو گئے اور کچھ ایسے حسرت و یاس سے ایک نے دوسرے پر نظر کی۔ گویا انہوں نے اپنی جانوں سے ہاتھ دھو لئے ہیں۔ مجھے یہ خیال تھا۔ کہ یہ گروہ سواروں کا تھوڑی دیر ستا کے اور اپنے جانوروں کو دانہ پانی دے کے اپنی راہ لے گا۔ مگر آہ ایسا کیوں ہوتا۔ انہوں نے تو پوری اقامت کا سامان کر دیا۔ زمین میں جا بجا میخیں گاڑیں۔ گھوڑوں کی زینیں اور لگامیں آتاریں۔ فرش بچھائے۔ اور لیٹ رہے

بعضوں نے آگ روشن کر کے کھانا پکانا شروع کیا قرینے سے معلوم ہوا۔ کہ رات کو یہیں قیام ہوگا۔ ہندوستان کی راتیں اور دن گرمی کے لحاظ سے برابر ہوتی ہیں۔ بس ایسی حالت میں کیا یہ ممکن ہے۔ کہ بارہ گھنٹے کے اندر ان شریروں میں سے ایک آدمی بھی سرائے کے اندر قدم نہ رکھے۔ اور ہم کو نہ دیکھے؟ یا اس مدت دراز میں ہماری یا چوپاؤں میں سے کسی کی آواز باہر نہ نکلے۔ اور ان کے کان تک کوئی صدا نہ پہنچے۔ خدا کی پناہ کیا مصیبت کا وقت تھا۔ بہر حال ایک گھنٹہ گزر گیا۔ اور طرفین میں سے کسی کی آواز بلند نہ ہوئی۔ میں کسی قدر مطمئن سی ہو کر صحن میں آئی۔ دیکھا۔ کہ ولی بدستور بچوں کے ساتھ کھیل رہا ہے۔ اور ایلن عورتوں سے باتیں کر رہی ہے۔ وہاں سے سیدھی زخمیوں کے حجرے میں پہنچی۔ پادری کو دیکھا۔ کہ اپنی طاعت و عبادت کا سامان چمڑے کی خورجی سے نکال رہا ہے۔ تاکہ نماز جماعت ادا کرتے۔ ہم لوگ جبکہ عبادت الٰہی میں مشغول تھے۔ باغیوں کے گھوڑوں میں ایک گھوڑے نے ہنہنانا شروع کیا۔ اس کے ساتھ دوسرے گھوڑے بھی ہنہنانے لگے۔ یہاں تک کہ موافق گھوڑوں کی عادت کے ایک مرتبہ ہی باغیوں کے سب گھوڑے ہنہنا اٹھے۔ سرائے کے اندر سے ہمارے گھوڑوں نے بھی ہنہنانا شروع کیا۔ اور آواز کا باہر پہنچنا تھا۔ کہ غضب ہی تو آگیا۔ فوراً بیس پچیس باغی سوار اندر کی طرف چھپٹ پڑے۔ اور دروازے کو توڑ کر تلواریں کھینچے ہوئے زخمیوں والے حجرے میں آگئے۔ پادری بے چارا ابھی عبادت میں مشغول تھا۔ کہ انہوں طمنچے کمر سے نکال کر۔ اس کی طرف خالی کئے۔ بارود کے دھوئیں سے تمام حجرہ تیرہ و تار ہو گیا جب ذرا دھواں کم ہوا۔ اور کسی قدر روشنی بھی ہوئی۔ تو یہ ایک عجیب بات دیکھی۔ کہ وہ پادری جس پر کئی فیر ایک ساتھ کئے گئے تھے۔ اسی طرح کھڑا ہوا مشغول عبادت ہے۔ اور کوئی زخم اس کے جسم پر نہیں ؛

باغی ننگی تلواریں لئے ہوئے۔ اس کے قریب گئے اور گریبان پکڑ کر چاہا۔ کہ اس کا سر تن سے جدا کر دیں۔ تارک الدنیا عورتیں ان کے دامنوں سے لپٹ کر التجا کرنے لگیں کہ للّٰہ اس بوڑھے پادری کے خون سے درگزرو۔ باغیوں میں ایک شخص جو زیادہ دلیر تھا۔ اُردو زبان میں پادری سے کہنے لگا۔

باغی۔ ہم کو اپنے محبوب کا نشان دو ؛

پادری اصلیب گردن سے نکال کر، دیکھو یہ نشان ہے۔ ہم ایمان پیغمبر سے ہیں۔ ہم کو قتل ہونے سے عار نہیں ہے۔ اور نہ جان دینے سے انکار ہے۔ بلکہ مظلومیت ہمارے مذہب کی قوت کا باعث ہے ؛

پادری نے یہ اس لئے کہا۔ کہ اگر دینی پیشوا جذبۂ مظلومیت نہ رکھتے۔ اور مردانہ اپنی جان دینی کاموں میں نہ دیتے۔ تو ہرگز ترویج شریعت اور اعلائے کلمۂ دین میں ان کا قول موثر نہ ہوتا۔ باغی سپاہیوں نے پادری کا یہ کلام سن کر کہا ؛

باغی۔ ہم اس شرط کے ساتھ تم کو زندہ چھوڑ سکتے ہیں۔ کہ جس قدر مال تم لوگوں کے پاس ہو۔ ہمیں دے دو ؛

سب نے رو کر کہا۔ "بھلا ہمارے پاس مال کہاں۔ اگر مال ہوتا۔ تو اس مصیبت ہی میں کیوں ہوتے" ؛

ان بدبختوں نے کہا۔ "ہم یوں نہیں مانتے۔ تم میں سے ایک ایک ہو کر ہمارے سامنے سے گزرے۔ ہم تمہارے کپڑوں میں تلاش کریں گے" ؛

اس تجویز کی بنا پر ہم میں سے ایک ایک عورت جانے لگی۔ باغی ہر ایک کی بغل اور جیب تلاش کر رہے تھے۔ مگر کسی کے پاس سے ایک حبہ برآمد نہ ہوتا تھا۔ تا اینکہ میری نوبت آئی۔ لرزتی کانپتی آگے بڑھی۔ باوجودیکہ میں ہندوستانی لباس پہنے ہوئے تھی۔ لیکن انہوں نے مجھے پہچان لیا۔ اور عقب والے ایک کمرے میں دیکھنے لگے۔ ان تارک الدنیا عورتوں میں سے ایک نے کہا۔ "اس بے چاری بڑھیا کو بھی چھوڑ دو"۔ میں نہیں جانتی۔ کہ کیا ہوا۔ باوجود انتہائی شقاوت اور خونخواری کے انہوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ یہ صرف ایک خدائی فضل ہی تھا۔ کہ میں نے ان موذیوں کے پنجے سے نجات پائی ؛

میں چھوٹ تو گئی۔ مگر لڑکے اور لڑکی کی وجہ سے حد درجہ پریشان تھی۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو۔ وہ دونوں مجھے غائب پا کر بے چینی میں اپنے مقام سے ڈھونڈھنے کے لئے نکل پڑیں اور ان خونخواروں کی تیغوں میں رکھ لئے جائیں۔ لیکن میں کیا کر سکتی تھی۔ کوئی قابو نہ تھا۔ اور چاروں طرف سے باغی گھیرے ہوئے تھے۔ دل میں کہتی تھی۔ خدایا کیوں میں ایک پشہ بے مقدار نہ ہوئی۔ کہ اپنی پیاری اولاد کی طرف پرواز کر جاتی۔ یا ایک ضعیف چیونٹی کیوں نہ

ہوتی۔ کہ ان وحشیوں کے پیروں کے نیچے سے گزر کر اپنے بچوں سے جا ملتی۔ اور ان کے دل کو تسکین دے کر کہتی۔ میرے پیارے بچو اپنے مقام سے باہر نہ نکلنا۔ کسی قسم کی فریاد و فغاں نہ کرنا۔ اور آہستہ آہستہ ہاتھ بلند کر کے اپنی نجات کی دعا کئے جانا۔ تم یتیم و شکستہ دل ہو۔ کیا بعید ہے۔ کہ تمہاری دعا قبول ہو جائے۔ اور یہ خونخوار گروہ دوسروں کے خون سے سیر ہو کر یہاں سے چلا جائے ؂

میرے دل میں اس وقت بالکل دیوانوں کے سے خیالات تھے۔ اسی درمیان میں رات کی تاریکی تمام جہاں پر چھا گئی۔ میں اب تک ویسی ہی پریشان تھی۔ اور کوئی تدبیر اپنے بچوں تک پہنچنے کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔ کس سے معلوم کرتی۔ کہ وہ زندہ ہیں۔ یا اپنے خون میں لوٹ رہے ہیں۔ جہاں چھوڑا تھا وہیں ہیں۔ یا دام اجل میں پھنس گئے۔ باغیوں نے خوب اچھی طرح لوٹ مار کر کے سرائے کے قریب آگ روشن کی۔ اور مال غنیمت تقسیم کرنے لگے۔ میں تارک الدنیا عورتوں کے ساتھ ایک تاریک گوشہ میں بیٹھی ان کی حالت کو دیکھ رہی تھی۔ سرداران کا ایک گوشہ میں خاموش بیٹھا تھا۔ اور ان کے جرم میں شریک نہ تھا۔ لیکن منع بھی نہ کرتا تھا۔ البتہ جس وقت سپاہیوں نے یہ چاہا۔ کہ بے کس عورتوں کو ستائیں۔ اور پادری کو ایذا دیں۔ تو وہ اس فعل زشت سے مانع آیا۔ میرا دل اس وقت ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ اور رہ رہ کر بچوں کا خیال آتا تھا۔ منتظر تھی۔ کہ ذرا یہ لوگ سو جائیں تو نکل کر ایلن اور ویل کی حالت معلوم کروں ؂

خدا کی شان دیکھو۔ کیا سامان کرتا ہے۔ باغیوں میں کا ایک سپاہی جس کے سینے پر بڑا گہرا زخم لگا تھا۔ اور پرنالہ کی مانند اس سے خون جاری تھا۔ ایک جگہ بیہوش پڑا ہوا تھا۔ اس کے ساتھی اسے مردہ تصور کر کے چھوڑ گئے تھے۔ ایک بارہی نہ معلوم کیا ہوا اپنی جگہ سے اٹھ کر فریاد کرنے لگا۔" ارے میں زندہ ہوں۔ میری خبر لو۔ اگر کوئی میرے زخم کو باندھ دے۔ تو امید ہے۔ کہ میں بچ جاؤں" ؂

اس کی فوج کا جراح چونکہ چلا گیا تھا۔ اور بقیہ لوگوں میں کوئی جراحی جانتا نہ تھا۔ لہذا اس کی حالت پر لوگوں کو رحم آیا۔ اور ان تارک الدنیا عورتوں سے التجا کی۔ چونکہ موافق شرائط رہبانیت اور آئین مذہبی یہ ان کا فرض تھا۔ کہ بیماروں اور مجروحوں کی پرستاری کریں۔ لہذا

ان میں سے دو عورتیں اور ایک پادری اس مجروح سپاہی کے پاس گئے۔ میں بھی ان کے همراہ تھی۔ اس کا زخم ممکن العلاج پاکر فوراً پانی سے دھویا۔ اور خوب صاف کر کے ان میں ٹانکے لگا دیئے ؎

اس درمیان میں فرصت کو غنیمت جان کر میں ایک گھڑا لئے ہوئے چشمہ پر چلی گئی۔ اور جلدی جلدی اس کا زخم دھونے کے لئے دو تین گھڑے پے در پے بھر کر لائی گویا اس وقت میری حالت ایسی تھی۔ جیسے کہ ایک شفیق ماں اپنی اولاد کی تکلیف میں اظہار غمخواری اور بے قراری کرتی ہے اس سپاہی کے ساتھیوں اور ہم وطنوں نے جب میری یہ شفقت اور پرستاری دیکھی۔ تو مجھ سے نرمی کا برتاؤ کرنے لگے۔ لیکن چونکہ مریض کا رشتہ حیات منقطع ہو چکا تھا۔ اس لئے نہ میری پرستاری کام آئی۔ نہ ان تارک الدنیا عورتوں کی مرہم پٹی۔ اور زخم دوزی۔ چند ہی منٹ کے بعد اس نے ایک گہرا سانس لیا۔ اور اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی ؎

یہ ایک عجیب اتفاق تھا۔ کہ یہ وہی سپاہی تھا جس نے ہمارے پادری کو ستایا تھا جب سپاہیوں کو اپنے رفیق کی زندگی سے مایوسی ہوگئی۔ تو وہ ایک ایک کر کے چل دیئے خالی موقع پاکر پادری کی بن آئی۔ کہنے لگا "یہ بے ادب کور باطن چاہتا تھا۔ کہ میرے خدا کو دیکھے۔ اس نے صلیب کو میری گردن سے بجبر باہر نکالا تھا۔ زندگی میں تو میرے خدا کو نہ دیکھ سکا۔ اب میں اس کو بپتسمہ کا غسل دے کر اپنے معبود کے پاس کہ جو ہر کم وبیش کا دانا و بینا ہے بھیجتا ہوں"۔ میں موقع کو غنیمت سمجھ کر آہستہ سے سرائے کے اندر چلی گئی۔ دو چار قدم ہی بڑھی تھی۔ کہ میرا پیر ایک لاش میں الجھا۔ اور منہ کے بل زمین پر گری۔ ہاتھ منہ اور سب کپڑے خون میں بھر گئے۔ کیونکہ اندھیرا زیادہ تھا۔ اور قدم قدم پر لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ مجبوراً میں نے چاروں ہاتھ پاؤں چلنا شروع کیا اس وقت ایک نہایت وحشت خیز خیال مجھے آیا۔ کہ مبادا میرے بچے بھی انہی مقتولوں کی طرح کسی جگہ قتل کئے پڑے ہوں۔ قریب تھا۔ کہ زیادہ پریشانی اور رنج میں یہ کلمات میری زبان پر جاری ہو جائیں کہ اے بے رحم خونخوار وا سے سرکش باغیو۔ کیا تم نے لباس کے بدلنے سے مجھے ہندوستانی خیال کیا اور پناہ دے دی۔ ایسا ہرگز نہیں، اگرچہ میں ایک نہایت ستم رسیدہ عورت ہوں لیکن انگریز

ہوں۔ اور تمہاری دشمن۔ بہت جلد میرا کام تمام کر دو۔ کہ میں اپنے بچوں سے جا کر مل جاؤں یہ میرے لئے ایسا وقت تھا۔ کہ خدا کی ناسپاسی اختیار کرتی۔ اور اس کی رحمت سے قطعاً مایوس ہو جاتی۔ کیونکہ ایک ایسی بدبخت عورت جس کا شوہر داماد مر چکا ہو۔ اور اب وہ اپنے دو یتیم بچوں کے ساتھ طرح طرح کی مصیبتوں میں گرفتار ہو۔ اور ایک بار صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دے۔ اور بے اختیار بلکہ دیوانہ وار سخنان کفر آمیز زبان سے نکالے تو وہ ضرور معذور ہو گی۔ کیونکہ وہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں۔ اگر کوئی دوسری عورت میری جگہ ہوتی۔ اور اس قدر مصائب و آلام کا سامنا ہوتا۔ تو یا تو فرط الم سے فوراً مر جاتی۔ یا دیوانی ہو جاتی۔ یا دین سے برگشتہ۔ خیر جس طرح بھی ہو سکا۔ اپنے کو اس مقام تک پہنچایا۔ جہاں سکونت اختیار کی تھی۔ آہستہ دروازے کو کھولا۔ اور بچوں کو آواز دی مگر کوئی جواب نہ سُنا۔ پھر پکارا کوئی آواز نہ آئی۔ دل میں کہا۔ افسوس یہ گروہ بغاوت پیشہ یہاں تک بھی پہنچ گیا۔ اور آخر کار ہم کو داغ فرزندی میں مبتلا کر ہی دیا۔ لیکن پھر اس خیال سے کہ مبادا میری بلند آواز باغیوں کے کانوں میں پہنچ جائے۔ اور وہ سب مجھ پر ٹوٹ پڑیں ساکت ہو گئی۔ مگر ہائے بے چین دل کو قرار کہاں؟ تھوڑی دیر بعد آہستہ آہستہ پکارنا شروع کیا۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ اب کی بار ایلین کی آواز مجھے سنائی دی۔ دل کو کسی قدر اطمینان ہوا۔ دبی آواز سے پوچھا "تمہارے سوا یہاں کوئی اَور تو نہیں" اس نے کہا۔ کہ دو بچے اور دو عورتیں اور بھی ہیں۔ میں یہ سُن کر خوش ہوئی۔ کہ میرے بچے تنہا نہیں ہیں۔ زیادہ گفتگو کا موقع نہ تھا۔ میں نے صرف اتنا ایلین سے اور کہا "بیٹا! دیکھو صبح تک یوں ہی خاموشی سے رہنا۔ ذرا آواز بلند نہ کرنا۔ طلوع آفتاب پر میں تمہارے پاس آؤں گی۔ اس وقت تم میری منتظر رہنا۔ یہ کہہ کر میں باطمینان قلب تارک الدنیا عورتوں کے پاس چلی آئی اس رات میں جو خوف وہراس ہمارے قلوب پر رہا اس کا اندازہ ہم ہی خوب کر سکتے ہیں رات تھی۔ یا قیامت کا دن۔ شب تھی یا رنج و غم کی گھٹا۔ بہرحال جس طرح ہوا۔ اس طولانی رات کو ہم نے بسر کیا۔ صبح نمودار ہوتے ہی انگریزی قاعدے کے مطابق باغیوں کی فوج میں بگل بجا۔ اور تمام سپاہی خواب سے بیدار ہوئے۔ کوئی اپنا گھوڑا ملتا تھا۔ کوئی زین کستا تھا۔ کوئی ہاتھ منہ دھوتا تھا۔ کوئی عبادت میں مشغول تھا۔ جب سب کاموں سے

فراغت ہوگئی۔ تو اس گروہ ستم کیش نے بغیر ہم سے کسی قسم کا تعرض کئے کوچ کر دیا۔ ایک چھکڑے میں پیچھے پیچھے ان تمام لاشوں کو لادے لئے جاتے تھے۔ جو انگریزی فوج کے ہاتھوں مقتول ہوئے تھے۔ تاکہ جمنا کے کنارے پر پہنچیں۔ تو موافق اپنے عقائد مذہبی کے سب کو اس کے اندر ڈال دیں۔

جب سرائے سپاہیوں کے وجود منحوس سے خالی ہوئی۔ تو مجھ سے ایک تارک الدنیا عورت نے کہا۔

راہبہ۔ کہئے اب کیا ارادہ ہے۔ اگر ہمارے ساتھ چلنے کا قصد ہے۔ تو بسم اللہ اب کیا دیر ہے۔ اور اگر کوئی دوسرا ارادہ ہے۔ تو آپ جانیئے۔

میں۔ میں ابھی اس ششش و پنج میں ہوں۔ کہ کیا کروں۔ یہی خیال ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو پھر ستم گر حملہ کریں۔

راہبہ۔ میرے خیال سے اگر آپ نے ہمارے ساتھ سفر کیا۔ تو شاید آپ زیادہ محفوظ رہیں۔ کیونکہ ہندوستانی لوگ ہمارے ساتھ خاص طور سے رعایت کرتے ہیں۔

میں۔ بے شک یہ کہنا تو آپ کا بجا ہے۔ لیکن میرا آپ کا ساتھ کیوں کر ہو سکتا ہے میں کانپور جانے کا قصد رکھتی ہوں۔ جو یہاں سے بہت قریب ہے۔ اور آپ الہ آباد کا جو میرے خیال سے ساٹھ فرسنگ مسافت پر ہے۔

راہبہ۔ کانپور کا آپ نے قصد ہی کیوں کیا ہے۔ ہمارے ساتھ الہ آباد چلئے۔ وہاں ہم لوگوں کا ایک گرجا ہے۔ جس کے اندر داخل ہونے والا نہایت امن و امان سے زندگی بسر کرتا ہے۔ وہ یقیناً ہمارے لئے ایک محفوظ مقام ہوگا۔

میں۔ کانپور جانے کا خیال میں نے اس وجہ سے کیا ہے۔ کہ وہاں جنرل وہلر ہے جس کی شجاعت و مردانگی کا آوازہ ملکہ انگلستان کے اقبال سے تمام سلطنت انگلیشیہ میں ہو رہا ہے۔ بس میں اسی کی پناہ میں رہوں گی۔

راہبہ۔ یہ خیال آپ کا غلط ہے۔ وہ دن دور گئے۔ جب ان کی جوانمردی کا سکہ لوگوں کے دلوں پر ہوگا۔ اس وقت زمانہ پر آشوب ہے۔ کوئی سیدھے منہ بات بھی نہ کرتا ہوگا۔ عقل مند کو چاہئے۔ کہ موہوم کو معلوم پر ترجیح نہ دے۔ الہ آباد میں تحفظ جان و ناموس

یقینی ہے۔ اور کانپور میں وہی ؎

خلاصہ یہ کہ اس راہبہ کے کہنے نے اس وقت میرے دل پر اثر کیا۔ اور ہم سب لوگ باحال وپریشان اس کارواں سرائے سے روانہ ہوئے۔ راہ کے واقعات بھی تفصیل سے لکھنے کے قابل تھے۔ مگر بخوف طوالت میں سب کو نظر انداز کرتی ہوں۔ ہر شخص اپنے دل میں فیصلہ کرلے گا۔ کہ ایک ایسے بے بس وبے کس قافلہ کا سفر کیسا ہوگا۔ جس کا کوئی دوست نظر ہی نہ آتا ہوگا۔ بھوکے پیاسے پیادہ پا بیابان کی گرد اُڑاتا دھوپ کی ایذا جھیلتے الہ آباد کی طرف چلے جاتے تھے: بجز لطف الٰہی اور کسی کا آسرا نہ تھا۔ تیسرے دن جبکہ اس تباہ حال قافلے نے کچھ دیر سُستانے کے لئے چند درختوں کے نیچے قیام کیا۔ تو مجھ کم بخت وبدنصیب کی رائے پھر یکایک بدل گئی۔ ہائے منحوس وقت تھا۔ جبکہ اس خیال نے میرے اوپر غلبہ حاصل کیا۔ کہ بجز کانپور کہیں میرے لئے پناہ کا مقام نہیں ہو سکتا۔ ہر چند ان تارک الدنیا عورتوں نے سمجھایا۔ مگر بھلا میں کب ماننے والی تھی۔ اپنی بات کی پکی۔ جو دل میں سمائی تھی۔ اس کا کرنا ضروری تھا ؎

میرا خیال تھا۔ کہ کانپور پہنچکر جنرل وہلر کی زیر سرپرستی کسی مقام پر بود وباش اختیار کروں گی۔ اور جو اشرفیاں میرے لباس میں سلی ہوئی ہیں۔ ان کو ذریعہ معاش اور وسیلہ آسائش قرار دوں گی۔ کانپور جانے کی طرف جو اس قدر رغبت مجھے پیدا ہوئی اس کا قوی سبب دو شخصوں کا اغوا اور اصرار تھا۔ ایک تو فوجی باجا بجانے والا اور دوسری اس کی بیوی۔ یہ دونوں برابر کانپور چلنے پر زور دے رہے تھے۔ اگر ان کا اصرار حد سے نہ بڑھتا۔ تو میں ہرگز ان تارک الدنیا عورتوں کی رائے کے خلاف نہ کرتی ؎ غرضکہ چوتھے روز ہم نے اس قافلے سے علیحدگی اختیار کی۔ وہ سب عورتیں الہ آباد کی طرف روانہ ہوگئیں۔ اور ہم کانپور کی طرف۔ لیکن کانپور کے قریب پہنچے تک ہم کو مطلق اس کا پتہ نہ چلا۔ کہ نانا راؤ ایک شخص فرقہ باغی کا سردار کانپور اور اس کے مضافات کا مالک بن گیا ہے۔ اور جنرل وہلر جس کی ذات سے ہماری تمام امیدیں وابستہ تھیں۔ سرکاری شفاخانے میں چند انگریزوں کے ساتھ محصور ہے۔ اس واقعہ کی اطلاع ہم کو اس وقت ہوئی جبکہ ہم شہر کانپور کے قریب گنگا کے کنارے پہنچ گئے ؎

یہ ایک ہماری خوش نصیبی اور نیک بختی تھی۔ کہ نانا راؤ کے سواروں کی نظر ہم پر کہیں نہ پڑی۔ حالانکہ یہ لوگ کئی روز سے برابر دریائے گنگا کے کناروں پر گھومتے پھرتے تھے۔ تاکہ جو فرنگی کلکتہ۔ الہ آباد یا بنارس جانے کے خیال سے کشتیوں میں بیٹھ کر دریا کو عبور کریں۔ ان سب کو گرفتار کر لیں۔ بعض دہقانوں کو جو ہندو اور مسلمان دونوں فرقوں سے تھے۔ ہماری حالت پر بہت رحم آیا۔ اور ازراہ شفقت انہوں نے ہم سے کہا۔ کہ تم لوگ کانپور ہرگز نہ جاؤ۔ ورنہ یقیناً مار ڈالے جاؤ گے۔ چند روز یہیں گنگا کے کنارے کہ وسیع جنگل ہے۔ اپنے کو پوشیدہ رکھو۔ ممکن ہے۔ کہ شہر میں امن و امان قایم ہو جائے۔ اور تمہاری خلاصی کی صورت نکل آئے + اس کے علاوہ انہوں نے ہم کو اپنی حیثیت کے موافق کچھ کھانا اور کچھ لباس بھی لا کر دیا +

اس وقت میں بہت پشیمان تھی۔ کہ تارک الدنیا عورتوں کے مشورے کو کیوں نہیں مانا۔ مگر اب پچھتانا اور ملامت کرنا بے کار تھا۔ کیونکہ وقت نکل چکا تھا +

دن قریب ختم تھا۔ ہم اس انتظار میں تھے۔ کہ رات کی تاریکی زیادہ ہو۔ تو جس طرح بنے اپنے کو شہر کے اندر داخل کر دیں۔ جب اندھیرا بڑھا۔ تو ہم نے تیزی کے ساتھ چلنا شروع کیا۔ اُف گنگا کا منظر اس رات کو کیسا خوف ناک تھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ ایک اژدہائے مہیب صورت منہ کھولے تیزی کے ساتھ چلا آتا ہے۔ جب ہم دریا کو طے کر کے آور آگے بڑھے۔ تو شہر کانپور کی عمارتیں مسجدوں کے مینار مندروں کے گنبد نظر آئے۔ طبیعت کو بے حد تفریح ہوئی۔ اور شکر خدا بجا لائے۔ کہ ہمارا سفر ختم ہوا۔ ہم لوگ کئی روز متواتر چلنے سے اس قدر تھک گئے تھے۔ کہ ایک قدم چلنا دشوار تھا۔ کچھ دور ہمت کر کے بڑھے۔ آخر نہ چلا گیا۔ اور جنگل کی گھاس پر بے اختیار ہو کر گر پڑے۔ چند منٹ مشکل سے گزرے ہوں گے۔ کہ گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز ہمارے کان میں آئی۔ اور تھوڑے سوار بھی ہمارے قریب آتے معلوم ہوئے۔ ہم جلدی سے اُٹھ کر درختوں کی آڑ میں ہو رہے۔ اور دیکھنے لگے۔ کہ یہ لوگ کہاں جاتے ہیں۔ یہ سب مسلح سوار تقریباً پچاس کی تعداد میں ہوں گے۔ جو نہایت سرعت کے ساتھ ہمارے سامنے سے گزر رہے تھے۔ ایک لحظہ نہ گزرا تھا۔ کہ ان کے پیچھے پیچھے ایک دستہ اَور آیا

غالباً بدبختی کے موقع پر انسان کے ہوش و حواس بہ نسبت ایام سعادت زیادہ درست ہوتے ہیں۔ ہم نے اس وقت یہ خیال کیا۔ کہ پہلا دستہ باغیوں کا تھا۔ اور دوسرا دستہ انگریزی سواروں کا۔ کیونکہ یہ لوگ انگریزی زبان میں کلام کر رہے تھے۔ اسی سبب ہم نہایت خوشی خوشی اطمینان قلب کے ساتھ ان کے پاس گئے۔ اور زبان انگریزی میں گفتگو شروع کی۔ وہ ہماری گفتگو سنتے ہی یکایک رک گئے۔ میں نے مختصر طور سے اپنی سرگذشت بیان کی۔ اور اپنا اور اپنے شوہر اور داماد وغیرہ کا نام ان سے بیان کیا۔ اور کوئی امر اپنے متعلق پوشیدہ نہ رکھا۔ جب ان لوگوں کو یہ معلوم ہوا۔ کہ ہم لوگ ذی ثروت اور آبرودار ہیں۔ خاص کر جب یہ جانا۔ کہ میرا داماد انگریزی فوج کا سردار تھا۔ تو وہ سب اس بات پر راضی ہو گئے۔ کہ ہم کو جنرل وہلر کے درمیان پہنچا دیں۔ چنانچہ انہوں نے ہم کو اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ اور وہاں سے چل دیئے۔ تھوڑی دیر بعد ہم جنرل وہلر کے مسکن میں داخل ہوئے۔ یہ واقعہ ۲۷ جون کا تھا۔ بیس روز ہوئے تھے۔ کہ نانا راؤ نے اس انگریزی سردار کو اپنے محاصرہ میں کر لیا تھا۔ جنرل مذکور بہت زخمی ہوا تھا۔ جب ان لوگوں پر زیادہ تشدد ہوا۔ اور کھانے پینے کا سامان ختم ہو گیا۔ تو مجبوراً اپنے کو نانا راؤ کے سپرد کر دیا۔ مگر اس شرط سے کہ جنرل مذکور مع اپنے ساتھیوں کے شہر سے باہر چلا جائے۔ اور سپاہ بغاوت پیشہ کسی طرح کا ان سے تعرض نہ کرے۔ نانا راؤ نے اس کو منظور کر لیا۔ اور چند کشتیوں کا انتظام ہم لوگوں کے عبور کرنے کے لئے دریائے گنگ پر کرا دیا۔ میں جنرل وہلر کے واقعات تفصیل سے لکھنا نہیں چاہتی۔ اس کو مورخین پر چھوڑتی ہوں۔ میں صرف انہیں واقعات کو لکھتی ہوں۔ جن کا تعلق میری سرگذشت سے ہے۔

المختصر ایک روز ہم شفاخانے سے باہر نکلے۔ میں اور میرے بچے ایک گاڑی میں اور دوسرے لوگ اور گاڑیوں میں بیٹھے ہوئے دریا کے کنارے کی طرف جہاں بہت سی کشتیاں موجود تھیں چلے جاتے تھے۔ چونکہ نانا راؤ نے یہ عہد کر لیا تھا۔ کہ ہم کو نہایت عزت و آبرو کے ساتھ اپنی حفاظت میں دریائے گنگا سے پار اُتار دے اس لئے ہماری حفاظت کو دونوں طرف مسلح سپاہی شفاخانے سے گنگا کے کنارے

تک کھڑے ہوئے تھے۔ اور ان کے پیچھے ایک کثیر جماعت شہر کے تماشائیوں کی کھڑی ہوئی ہم لوگوں کے جانے کا تماشا دیکھ رہی تھی۔ غرض کہ ہم لوگ صحیح و سلامت کنارے پر پہنچ کر کشتیوں میں سوار ہو گئے۔ کشتیاں نہایت تیزی کے ساتھ پانی کو چیرتی پھاڑتی چلی جاتی تھیں۔ تا ایں کہ ہم درمیان دریا میں پہنچ گئے۔ میں برابر شکر خدا بجا لا رہی تھی کہ اس نے مہلکہ عظیم سے ہم کو نجات دی۔ اور موت کے منہ سے بچایا۔ مگر آہ اس کی خبر نہ تھی۔ کہ تازہ مصیبتیں ابھی اور نازل ہونے والی ہیں۔ ابھی آسمان ہمارے ستانے سے باز نہیں آیا۔ ابھی ہماری تکالیف کی انتہا نہیں ہوئی۔

امید نجات کی دو ایک موجیں سے زیادہ دل میں نہ اٹھی ہوں گی۔ کہ یکایک عین دریا سے آتش بار توپوں کے دغنے کی آواز آنی شروع ہوئی۔ میں دیکھ رہی تھی کہ بہت سے ہمارے ساتھی۔ کشتیوں میں گولے کھا کر تڑپ رہے تھے۔ کشتیاں گولوں کی زد سے شکستہ ہوئیں اور پانی اندر آنا شروع ہوا۔ قریب تھا۔ کہ ہم سب ایک بار ڈوب جائیں۔ کہ حسن اتفاق سے ہوا تیز چلی۔ اور میری کشتی سب سے پہلے ساحل پر جا لگی۔ میں جلدی سے کشتی میں سے کودی۔ اور ایلن اور ویل کو گود میں لے کر اتارا۔ اس واقعہ کی تفصیل بھی وقائع نگاروں پر چھوڑتی ہوں۔ کشتی سے اتر کر میں اپنے بچوں سمیت۔ دریا کے کنارے پر مثل مردوں کے پڑ رہی۔ اور اس بات کا انتظار کیا۔ کہ خونخوار باغی جلد سے جلد یہاں آکر ہم لوگوں کا کام تمام کر دیں۔ تاکہ ان روحانی تکالیف سے نجات مل جائے۔ اس وقت کے خوف کی حالت کا لکھنا میری طاقت سے باہر ہے۔ وہ ہیبتناک منظر تھا۔ کہ میں نے اپنی آنکھوں کو بند کر لیا تھا۔ کلیجہ خوف سے دھڑ دھڑ ہو رہا تھا۔ اس درمیان میں نانا راؤ سرداروں کی ایک جماعت کے ساتھ وہاں وارد ہوا۔ اس کے ایک اشارے سے تمام تلواریں نیام میں چلی گئیں۔ اور نانا راؤ ہم سب کو اپنے آگے کر کے مثل قیدیوں کے شہر کی طرف روانہ ہوا۔ ہم لوگ زن و مرد سب تعداد میں ایک سو آٹھ سے زیادہ ہوں گے۔ اس کے حکم سے ہم لوگوں کو ایک انگریز سردار کے مکان میں جگہ دی گئی۔ جہاں ہماری آسائش کا کافی سامان مہیا تھا۔ لیکن ساتھ ہی اس کے یہ بھی حکم تھا۔ کہ اس مکان سے کہیں باہر نکل کر نہ جائیں۔

نانا راؤ پر غلط الزام کی تردید

میں نے نانا راؤ کو اس سے قبل کہیں نہیں دیکھا تھا۔ لوگ جو کچھ اس کی نسبت بیان کرتے ہیں۔ آپ کو وہ جانیں۔ مگر میں یہ کہتی ہوں۔ کہ اس قتل و غارت کا باعث وہ نہیں تھا۔ یہ شخص زیادہ سے زیادہ تیس برس کی عمر کا ہوگا۔ چہرہ نہایت کشادہ۔ صورت نہایت شگفتہ طبیعت اچھی۔ عادات پسندیدہ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ اگر فرقہ باغی اس کی اطاعت کر لیتا۔ تو یقیناً یہ قتل و غارت ہرگز نہ ہوتا یہ امر جو اس سے خلافِ عہد ظہور پذیر ہوا۔ یعنی دریا میں ہمارے اوپر گولے برسائے گئے اس کا سبب یہ تھا۔ کہ جنرل ہالوک جنرل وہلر کی رہائی کی غرض سے کانپور کے نزدیک آیا ہوا تھا جس وقت کہ ہم کشتی میں بیٹھ کر عازم الہ آباد ہوئے۔ وہ بارود کا ڈھیر جو شفا خانے میں تھا۔ محافظوں کی غفلت سے جل اُٹھا۔ ہندوستانیوں نے خیال کیا۔ کہ انگریز لوگ پھر جنگ پر آمادہ ہوتے ہیں۔ اور ابھی کانپور سے باہر نہیں گئے۔ جنرل ہالوک کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں۔ یہ وجہ تھی۔ کہ ہم سب لوگوں کے قتل کا حکم دیا گیا۔ لیکن بعد میں جب ہم لوگوں کی بے گناہی معلوم ہوئی۔ تو نانا راؤ نے اُن لوگوں کو جو قتل سے محفوظ رہے تھے۔ نجات دی ٭

تقریباً پندرہ روز ہم اس کی حمایت میں رہے ہوں گے۔ اس درمیان میں کسی قسم کی تکلیف ہم کو نہیں ہوئی۔ بہت آرام سے زندگی بسر کی۔ لیکن باوجود اس کے کہ نانا راؤ نے اس مکان سے باہر جانے کی سخت ممانعت کر دی تھی۔ چند انگریز عورتیں پھر بھی احاطہ سے باہر چلی گئیں۔ اور باہر لوگوں سے نام و پیام کرنے لگیں۔ خطوط پتھروں میں باندھ کر باہر پھینکے جاتے تھے۔ اور جاسوس ان کو لے کر مطلوب تک پہنچا دیتے تھے۔ اسی طرح باہر کے خطوط اندر آتے تھے۔ بعض خطوط سے معلوم ہوا۔ کہ انگریزی فوج نے نانا راؤ کو شکست دی۔ اور عنقریب باغی شہر کو خالی کر کے بھاگنے والے ہیں۔ دوسرے روز صبح کو شہر سے بہت زیادہ شور و غل کی آواز کان میں آئی جس سے پتہ چلتا تھا۔ کہ شہر میں بڑا فتنہ و فساد ہو رہا ہے۔ اسی درمیان میں چند لوگ نانا راؤ کے ہمارے مکان میں آئے۔ اور ان چار عورتوں کو گرفتار کر کے لے گئے۔ جنہوں نے لوگوں سے خط و کتابت کی تھی۔ اور باہر نکلتے ہی چاروں کو قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد پھر بہت سے شہر والے ہمارے محبس میں گھس آئے۔ اور حملہ پر حملہ کرنا شروع کر دیا۔ آہ اس وقت ہم لوگوں کی بے کسی و لبسی قابل دید تھی۔ چاروں طرف نظر اُٹھا اُٹھا کر دیکھتے تھے۔ مگر کوئی اپنا ہمدرد نظر نہ آتا تھا دشمن تھے۔ کہ چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے۔ اور مار لو۔ مار لو کی صدا بلند کر رہے

تھے۔ تلواریں برابر چل رہی تھیں۔ اور خون کے فوارے بہہ رہے تھے۔ چند بےکس ہستیاں یکے بعد دیگرے ان ستم پیشوں کی تیغ ظلم کا شکار ہو رہی تھیں۔ ایک پر دس دس آدمی ٹوٹے ہوئے تھے۔ میں اس گڑبڑی میں اپنے بچوں سے جدا ہو گئی۔ آہ اس پریشانی کے عالم میں بھاگتی ہوئی جو ایک طرف گزری۔ تو دیکھا۔ کہ میرے دونوں نور نظر لخت جگر گردنیں کٹائے خون میں نہائے خاک پر پڑے ہیں۔ یہ دیکھنا تھا۔ کہ بیہوش ہو کر خاک پر گر پڑی۔ اس کے بعد مجھے معلوم نہیں۔ کہ کیا ہوا۔ اور میں کتنی دیر غش میں پڑی رہی۔ جب ہوش آیا۔ تو دیکھا۔ کہ چند ہم وطن میرے گرد جمع ہیں۔ اور مجھے ہوش میں لانے کی تدبیریں کر رہے ہیں۔

یہ تھی وہ میری سرگزشت جس کو یاد کر کے عمر بھر خون کے آنسو آنکھوں سے بہاؤں گی۔ آہ شوہر چھوٹا۔ داماد چھوٹا۔ اولاد چھوٹی اور میں بدبخت کنبہ موئی ابھی تک باوجود ان مصائب برداشت کر لے کے زندہ ہوں۔ کاش مجھے پہلے ہی موت آ گئی ہوتی۔ تاکہ ان جانکاہ مناظر اور روح فرسا حوادث کو نہ دیکھتی۔ آہ آہ مقدر کا لکھا کسی سے نہیں مٹا۔ آخر جب جنرل ہاولوک کا قبضہ شہر پر ہو گیا۔ تو چند روز بعد مجھے کانپور سے الہ آباد اور وہاں سے بنارس اور کلکتہ بھیجا۔ کلکتہ سے کشتی میں سوار ہو کر کولمبو اور وہاں سے انگلینڈ پہنچی۔

یہ قصہ میں نے اس غرض سے لکھا ہے۔ کہ دوسروں کو عبرت حاصل ہو۔ خاص کر ان لوگوں کو جو عیش و آرام کے بندے اور لذات دنیا کے دلدادہ ہیں۔ اور زمانے کے زبردست حوادث سے بےخبر ہو کر غفلت میں ایام گزاری کرتے ہیں۔ ان کو جاننا چاہئے کہ دم بھر میں دنیا کا رنگ کچھ سے کچھ ہو جاتا ہے۔ طرفۃ العین میں نازوں کے پلے خاک پر لوٹتے ہیں۔ تخت پر بیٹھنے والے ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ عزت والے ذلیل دولت والے بےنوا بن جاتے ہیں۔ عقلمند وہی ہے۔ جو ہر حالت میں اپنے معبود کا شکریہ ادا کرے۔ اور کبھی اس کو اپنے دل سے نہ بھلائے۔

درد دل سن چکے سب آپ زبانی میری۔
یاد رکھنا یہ فسانہ یہ کہانی میری۔